172

اسلامی آداب و اخلاق

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ

کی

معرکۃ الآرا تصنیف "الادب فی الدین" کا اردو ترجمہ

از

مولانا سعد حسن یوسفی

شائع کردہ

کتب خانہ دین و دنیا شاہی بازار حیدرآباد (پاک)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ کتاب

سب تعریف اُس خدا کے لئے لائق و سزاوار ہے جس نے ہم کو باکمال صورت و شکل میں خلعتِ وجود بخشا اور بہترین ادب سے ہماری تربیت فرمائی نیز ہم کو افضل المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں شمار فرما کر مزید شرف و عزت سے نوازا۔ ذات خداوندی سے مدد و توفیق کے خواستگار و طلبگار ہوتے ہوئے ہم اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پورے دائرہ اخلاق میں اعلیٰ و ارفع اور اکمل خلق اور تمام افعال و اعمال میں بہترین و خوب ترین اور نہایت قیمتی فعل و عمل درحقیقت دینی ادب ہے۔ اسی کے طفیل مومن بندہ پروردگار عالم کی حکم برداری و فرماں برداری کا فخر حاصل کرسکتا ہے اور اسی کے واسطہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اخلاق ستودہ و برگزیدہ کو اپنا شعار و کردار بنا سکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ نے ادب کے تین بڑے بڑے راستے ہمارے سامنے کھول دیئے ہیں اوّل تو پورے قرآن مجید میں اس نے اپنے صاف اور کھلے بیانات سے ہم کو آداب اسلامی کے نہایت زرین اور قابل قدر سبق

دیئے۔ دوسرے فعل وطریقۂ رسول کی متابعت ہم پر واجب فرما کر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری تربیت و اصلاح کا ذریعہ و واسطہ ٹھہرایا حقیقت میں پروردگار عالم کا ہم پر لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے۔ تیسرے صحابہ کرام و تابعین عظام اور اگلے اہل ادب مومنین کی اقتداء و اتباع ہم پر واجب قرار دیکر ان کے آداب و اخلاق سے بھی ہمیں فائدہ اٹھانے کا موقع بخشا اب یہ آداب اسلامی جو قدر و قیمت میں بلند پایہ اور عالی مرتبہ ہیں یوں تو عدد و شمار اور گنتی میں بہت ہیں لیکن ہم ان میں سے چند ہی کا انتخاب کر کے ان کو اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور ان میں بھی اختصار پیش نظر رکھتے ہیں اس خوف سے کہ کہیں ان کی شرح و وضاحت بڑھ کر ناظرین کے ذہن و عقل پر بار و بوجھ نہ بن جائے۔

آداب

مومن کا ادب اللہ تعالیٰ کے روبرو

مومن کی نظر نیچی ہو۔ ارادے اور قصد میں مضبوطی پختگی اور استقامت و جماؤ ہو

فائدہ:۔ یہ ادب دین اسلام میں خاص اہمیت و فضیلت رکھتا ہے اور طرح طرح کے فائدے اور نفع اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔ علمائے اسلام نے کھلے الفاظ میں لکھا ہے اور واقعی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ بندہ کی ساخت و سرشت اور اس کے خمیر ہی میں لغزش و قصور کی آمیزش ہے بلکہ اس کا نام انسان ہی اس کے نسیان و بھول چوک کا پتہ دیتا ہے اور اس کی غلطی کا راز کھولتا ہے۔ ایک انصاف پسند بندہ جب اپنی حقیقت کو آپ دیکھتا ہے اور خود کو خود ہی معیار انصاف پر کستا ہے یعنی خود کا خود ہی محاسب بنتا ہے تو وہ زبردست شرمندگی محسوس کرتا ہے اور ایک بڑی انفعالی کیفیت میں پڑ جاتا ہے اور وہ خود اپنے خلاف فیصلہ دینے پر مجبور ہوتا ہے کہ واقعی وہ سراسر قصور وار ہے اور لائق گرفت و پرسش ہے۔ اس طرح اس کو خود اپنی جان حقیر لگتی ہے اور وہ خود اپنے سے گھن کھاتا ہے۔ دوسری طرف جب جلال خداوندی

کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی بزرگی و عظمت کا دھیان دل میں لاتا ہے نیز اس کے پیہم احسان وکرم اپنے اوپر ہر دم اور ہر گھڑی دیکھتا ہے تو اس کی شرمندگی اور خفت دوبالا ہوتی ہے اور وہ اپنے آقا و خالق کے سامنے اپنے کو اور زیادہ حقیر و عاجز اور قابل ملامت پاتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام حقیقت آمیز خیالات و تخیلات اس کی نظر کو ہر دم نیچی اور جھکی ہوئی رکھتے ہیں اور اس کو اپنی نگاہ اٹھانے کی تاب نہیں رہتی بالکل جس طرح ایک بڑا قصور وار انسان حاکم اعلیٰ کے سامنے ایک خاص شرمندگی و انفعالی روپ میں کھڑا ہو اور اس کی نیچی نگاہ اس کے قصور و کوتاہی کی گواہی دیتی ہو بس یہی کیفیت مومن بندہ کی اپنے پروردگار کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کی کوتاہی ایک طرف اور اس کے پروردگار کی بندہ نوازی دوسری طرف اس کی نظر کو اٹھنے نہیں دیتی بلکہ دراصل نظر کا نیچا رکھنا صفت خشوع کی ایک بڑی نشانی اور علامت ہے اور صفت خشوع کی جو اہمیت و فضیلت کلام خداوندی اور احادیث نبوی سے ثابت ہے وہ سب پر روشن ہے قرآن پاک میں جگہ جگہ اس صفت کو باری تعالیٰ نے سراہا ہے اور اس کو نہایت عظمت و حرمت کی نظر سے دیکھا ہے اس صفت کی مزید تشریح ہمارے آئندہ بیان میں آرہی ہے۔

صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حمیدہ و خصائل برگزیدہ کا جہاں نقشہ کھینچا ہے وہاں اس کا بھی پتہ دیا ہے کہ آنحضرت ہمیشہ نظر نیچے جھکائے رکھتے تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں جلال خداوندی کا دھیان کچھ ایسا سمایا ہوا تھا کہ آپ

جسم مطہر پر خشوع و خضوع کے آثار ہر وقت طاری رہتے تھے اور آپ کی نگاہ نیچی ہی رہتی تھی۔ اسی طرح دیگر بزرگان دین کے حالات منقول ہیں چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے چالیس سال تک آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھائی گویا اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیاء و شرم کے سبب نظر کو اٹھانے کی تاب نہ لاسکے۔ اور اسی کے ذیل میں یہ قصہ بھی نقل ہے کہ ربیع بن خثیم اپنی نظر ہمیشہ نیچی رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض لوگ ان کو نابینا خیال کرنے لگے تھے۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ کے مکان پر اکثر و بیشتر تشریف لایا کرتے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹا کر نظر نیچی کر لیتے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی باندی ان کو دیکھ کر اندر جاتی تو کہتی کہ تمہارا وہی اندھا دوست آیا ہے آپ باندی کی یہ بات سنکر بہت ہنستے۔ حضرت ابن مسعودؓ ربیع سے فرماتے لَوْ رَاٰکَ مُحَمَّدٌ لَفَرِحَ بِکَ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو تمہاری اس ادا سے بہت ہی خوش ہوتے ایک جگہ یوں ہے لَاَحَبَّکَ کہ تم کو بہت پسند کرتے اور محبت کی نظر سے تم کو دیکھتے اور ایک روایت میں اس طرح ہے لَضَحِکَ کہ تم کو دیکھ کر خوشی سے ہنستے۔

نظر کو نیچا رکھنے میں ایک زبردست فائدہ اور نفع یہ بھی ہے کہ بہت سے مواقع میں گناہ کبیرہ زنا کا مرنے سے احتمال ملتا ہے اس کے ارتکاب کا خطرہ دور ہوتا ہے اور شہوت و خواہشات کو ابھرنے بھڑکنے کا موقع نہیں ملتا اسلئے شریعت نے نظر بازی پر کڑی پابندی لگائی ہے اور بدنظری سے سختی سے روکا ہے کہ مرد و عورت دونوں کو اس سے باز رکھا ہے چنانچہ مردوں کے بارے میں صاف فرمان

خداوندی ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ
کہ کہدیجئے ایمان والوں کو کہ نیچی رکھیں اپنی نظریں اور حفاظت کریں اپنی
شرمگاہوں کی اسی طرح عورتوں کے متعلق ارشاد ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ
یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ یعنی عورتوں سے فرما دیجئے
کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ
حکم اسلئے نافذ کیا گیا کہ بد نظری زناکاری کی پہلی سیڑھی ہے اور بدکاری
کا پہلا زینہ ہے اس وجہ سے شریعت مطہرہ نے نگاہ کے اٹھانے پر پابندی
لگا کر بے حیائی کی جڑ کاٹ دی اور فحش کا راستہ روک دیا حقیقت میں
بدن انسانی میں آنکھیں وہ روزن ہیں جہاں سے دل اچھے برے اثرات
تیزی سے لیتا رہتا ہے البتہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی
کسی اجنبی مرد پر اگر اچانک اور بے ساختہ پہلی بار نظر پڑ جائے تو شریعت
کی طرف سے یہ نظر معاف ہے کیونکہ اس میں شہوت و نفسانیت
کی گنجائش نہیں ہوتی نہ ہی اس پر انسان کو قابو اور بس ہے مگر دوبارہ
دیکھنے سے شریعت نے روکدیا ہے کیونکہ دوبارہ دیکھنے میں جذبات
میں اشتعال کا سخت خطرہ ہوتا ہے اور پھر انسان نظر سے عمل کی طرف
قدم بڑھاتا ہے اور یوں بربادی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اسلئے بزرگوں
نے لکھا ہے کہ تزکیہ نفس کی پہلی کڑی یہ ہے کہ نظر کو نیچا رکھنے کی عادت
ڈالی جائے۔ بلکہ یہی نظر کی پابندی جنت کے داخلہ کی ذمہ داری
لیتی ہے چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ سے حدیث بایں معنی نقل
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ چھ باتوں کا میرے
سامنے عہد کرو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن بن جاؤں گا یعنی

ساجب بات کرو تو سچ بولو وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔ جب کسی کی امانت رکھو تو اس کو بجنسہ واپس کرو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو نگاہ کو نیچا رکھو اور ہاتھوں کو اپنے قابو میں رکھو یعنی ظلم نہ کرو۔ لہٰذا اسی فرمان نبوی میں داخلہ جنت کی چھ شرطوں میں نیچی نظر کو بھی جگہ دی گئی ہے کیونکہ نظر کی آزادی سے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے اور جنت کا دروازہ بند ہوتا ہے اور اس کی پابندی سے برائیوں اور خرابیوں کا راستہ بند ہوتا ہے اور جنت کی راہ کھلتی ہے۔

قرآن پاک میں ایک جگہ آخرت کا ہولناک منظر کھینچا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ آپ ان کو اس ہولناک دن سے ڈرائیے جبکہ دل شدت دھڑکن سے سینہ سے نکلنا چاہتے ہوں گے اور ان کا کوئی دوست اور شفیع نہ ہوگا جو ان کی شفاعت میں لب کشائی کی جرأت کر سکے پھر فرمایا یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے چوری کی نگاہ کو اور جو کچھ کہ چھپا رکھا ہے دلوں نے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کی صورت ایسی ہے کہ مثلاً ایک انسان مجلس میں بیٹھا ہو اور ایک اجنبی عورت کا وہاں سے گذر ہو اور انسان اس کی طرف نظر اٹھائے۔ جب اہل مجلس میں سے کوئی اس کی جانب دیکھے نظر نیچی کر لے جب سب کو غافل پالے پھر عورت کو تکنے لگے اور دل میں بدکاری کے جذبات موجزن ہوں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ڈرایا ہے کہ اے انسانوں قیامت سے لرزاں و ترساں رہو اور اللہ کو اپنے حالات سے غافل نہ سمجھو۔ تمہاری نظر اگر

حرام پر لگی ہے تو اس کی نظر تم پر لگی ہے۔ انسان سے انسان نظر بچا سکتا ہے مگر خدا سے کوئی نظر نہیں بچا سکتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ نظر کو نیچا رکھنا نگاہ کو اِدھر اُدھر کھلنے سے روکنا صدہا خطرات سے انسان کو بچاتا ہے۔ بڑے بڑے گناہوں کا کھٹکا مٹاتا ہے۔ خود بھی انسان امن و چین سے رہتا ہے اور پروردگار عالم بھی انسان سے راضی وخوش رہتا ہے۔

سکوت و خاموشی پر ہمیشگی و مداومت ہو

فائدہ۔ یہ زبان پر پابندی ہے اور بول چال کی روک تھام ہے۔ انسان کی پوری جسمانی مشین میں زبان ایک بڑا تیز اور انقلابی پرزہ ہے جس قدر بھلائی کمانے میں اس کو قدرت ہے اسی قدر برائی سمیٹنے پر اس کو طاقت ہے۔ اگر یہ نیک راہ لگ جائے تو انسان کو منٹوں میں جنت میں پہنچائے اگر یہ بدراستہ پکڑ لے تو اشارے میں دوزخ میں جا گرائے۔ اگر خدا کی ہو لے تو انسان کو جنت کا دولھا بنائے۔ اگر شیطان کے ہاتھوں میں کھیلے تو انسان کو دوزخ کا کندہ بنائے۔ دلوں پر اس کی حکومت ہے حالات پر اس کو قابو ہے۔ دوستی میں دشمنی کا بیج بوتی ہے اور دشمنی میں دوستی کا پودا لگاتی ہے غرض اس کی کرشمہ سازی کے مقابلہ میں سارے بدنی اعضاء ہیچ ہیں۔ دیکھنے میں گو چھوٹا سا پارہ گوشت ہے مگر کارفرمائی میں سب پر فوق ہے۔ یہ سیدھی ہے تو سب سیدھے ہیں یہ ٹیڑھی ہے تو سب ٹیڑھے ہیں۔ اسلئے حدیث پاک میں

مسئلہ ہے کہ انسان ہر روز جب صبح کرتا ہے تو بدن کے سارے اعضاء بصد عجز و
نیاز زبان سے عرض پرداز ہوتے ہیں کہ خدا کے لئے ہمارے معاملہ میں اللہ
سے ڈر ہم تیرے رحم و کرم پر ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے اور
استوار رہیں گے اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے اور کج ہو جائیں گے۔
لہذا زبان کی اسی کرشمہ سازی کو ملحوظ رکھکر شریعت نے اس پر پابندی لگائی
اور بیجا بے وقت اور بلا ضرورت و حاجت اس کے استعمال سے سختی سے
روکا۔ قرآن پاک میں ایک جگہ رب العزت نے انسان کو بولنے سے اس
طرح ڈرایا ہے کہ فرمایا مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝
یعنی انسان کی زبان سے جو بھی لفظ نکلتا ہے اس کے لکھنے کے لئے
ایک نگہبان تیار رہتا ہے۔ گویا کہتا ہے کہ اے انسان سوچ سمجھ کر بول
یہ تیرا ایک ایک لفظ گو ہوا سے عبارت ہے اور بظاہر ہوا ہی میں جاکر
گم ہوتا نظر آتا ہے مگر نہیں یہ قید تحریر میں آرہا ہے جو قیامت میں تیرے
ہی سامنے لایا جائے گا۔ لہذا زبان پر قابو رکھ۔ ہر لفظ کو پہلے عقل
کی ترازو میں تول۔ سمجھ کی کسوٹی پر پرکھ عاقبت و نتیجہ پر نظر رکھ اور پھر
زبان کو جنبش دے ورنہ یاد رکھ اگر تو نے اس کو بے لگام کر دیا اور
اس کو پوری آزادی دی تو یہی تیرے جلد ادا ہو جانے والے الفاظ
تیرے گناہوں کے تودے لگا دیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے تیرا بیڑا
غرق کر ڈالیں گے۔ دین میں زبان کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ
ایمان و کفر کا اظہار اسی پر موقوف ہے گویا مذہب کی بنیاد اسی پر
قائم ہے اگر کلمہ طیبہ زبان سے ادا کیا ایمان میں داخلہ شمار ہوا جنت
کا حقدار ٹھہرا۔ اگر ادائیگی کلمہ سے انکار کیا کافر ٹھہرا اور نار دوزخ

کا بنز اور بنا پس انھیں حالات کے ماتحت خاموشی و سکوت یعنی زبان کو بولنے سے روکنا دین اسلام کا اہم ترین ادب شمار ہوا۔ احادیث نبویہ اس کی تعریف و توصیف سے پر ہیں قرآن کریم سے بھی اس کی مدح نکلتی ہے:-

نیز قرآن پاک میں خاموشی کو آداب حاضری کا ایک جزء شمار کیا گیا ہے چنانچہ جنوں نے جب حضور اقدس کے پاس حاضری دی اور آپ تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو جن آپس میں کہنے لگے اَنْصِتُوا کہ خاموش رہو اور جب جناب اللہ کا کلام سنو گویا کسی بزرگ کی صحبت بابرکت نصیب ہو اور کلام مبارک پڑھا جا رہا ہو تو اس با حرمت وقت کا ادب ہے کہ کوئی قطعی نہ بولے اسی طرح ایک جگہ فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کہ جب کلام پاک پڑھا جائے تو کان لگا کر اس کو سنو اور جب چاپ رہو کیونکہ کلام الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بوقت قرأت کان کلام پر لگے ہوں مہر سکوت دہن پر ہو اور دل معانی و مطالب کے عقدے کھول رہا ہو گویا انسان دل ہی دل میں اپنے مولیٰ سے بات چیت کے مزے لے رہا ہو۔ یا مثلاً جب ساری مخلوق حشر کے دن فرشتے کی آواز پر اپنے پروردگار کے پاس حاضری کے لئے سمٹے گی تو اس وقت کا سماں اس طرح کھینچا ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا کہ آوازیں رحمٰن کے خوف سے دب جائینگی اور آپ صرف کھس کھس کی آواز سن سکیں گے۔ یعنی خدا تعالےٰ کا خوف و ڈر دلوں پر اس قدر چھایا ہوا ہوگا کہ کسی کو بولنے کی تاب نہ ہو سکے گی بلکہ رفتار میں قدموں کی کھس کھس کی آواز ہی سنائی دے سکے گی

اب آئیے کلام رسولؐ سے خاموشی وسکوت کی کچھ خوبیاں معلوم کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے مَن صَمَتَ نَجَا۔ جو چپ رہا نجات پا گیا۔ گویا خاموشی میں اگر بمطابق ارشاد گرامی بلاؤں آفتوں خطرات وبلیات سے نجات وخلاصی ہے تو لامحالہ کلام میں آفات ومصائب کے خدشات ہیں۔ فساد کا ڈر ہے۔ لڑائی جھگڑے کا خوف ہے دشمنی ورنجش کا خطرہ ہے نیز دینی قباحتیں بھی بے شمار ہیں کیونکہ زبان جب کھلتی ہے تو یا تو غیبت وعیب جوئی پر چلتی ہے یا جھوٹ بہتان غلط بیانی فحش وبدزبانی پر رواں ہوتی ہے۔ غرض ایک کلام پر دین ودنیا کے خطرات سمٹ کر آتے ہیں جن سے بچاؤ بہت مشکل ہو جاتا ہے مگر خاموشی میں یہ سارے خطرات کافور ہوتے ہیں ساری مصیبتیں ٹلتی ہیں۔ نہ کسی آفت کا کھٹکا نہ کسی مصیبت کا ڈر۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا جو خاموش ہوا اُس نے نجات پائی۔ حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا کہ نجات کا کیا ذریعہ ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھو اپنے گھر میں پڑے رہو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (یہ حدیث ترمذی میں ہے) اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کے ذریعے تین بتلائے اوّل یہی خاموشی اور سکوت دوسرے گھر میں قرار پکڑنا اور گھر سے باہر جانے میں احتیاط برتنا کیونکہ انسان گھر میں رہ کر سارے خطرات سے بچا رہتا ہے تمام خدشات سے مامون ومحفوظ رہتا ہے دُنیا کے جھنجھٹوں اور بکھیڑوں سے پاک وبری رہتا ہے۔ اسے پروردگار کی طاعت وعبادت کا خوب موقع ملتا ہے عزلت وگوشہ نشینی کے مزے لوٹتا ہے

گھر سے باہر قدم نکالنا گویا پریشانی کو دعوت دینا ہے۔ طرح طرح کی اُلجھنوں میں اُلجھنا ہے تیسرے اپنے گناہوں پر رونا ہے اپنے قصوروں پر پشیمانی و افسوس سے آنسو بہانا ہے۔ انسان اگر دنیا ہی میں اپنے گناہوں پر رولے گا اور اپنی اصلاح آپ کرلے گا تو دوسرے عالم میں اس کو رونا نہیں پڑے گا بلکہ ہنسے گا اور اگر یہاں نہیں رویا بلکہ گناہ کیئے اور ہنستا تو دنیا سے رخصت ہونے پر وہ روئے گا اور پھر رونا کچھ کام نہ آئے گا۔ یوں کہیئے کہ دنیا کا رونا آخرت کی ہنسی وخوشی کی ترجمانی کرتا ہے اور یہاں کا ہنسنا آخرت کے رونے کو بتاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جن چیزوں کو آپ میرے لئے خوفناک خیال فرماتے ہیں اُن میں سب سے زیادہ خوفناک کونسی چیز ہے یہ سُنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا اس کو میں سب سے زیادہ خوفناک سمجھتا ہوں۔ (ترمذی)، پتہ چلا کہ جس زبان کو ہم صبح سے شام تک قینچی کی طرح چلاتے رہتے ہیں اور کلام میں اچھے بُرے کی کوئی تمیز نہیں رکھتے وہ کیا کچھ غضب ڈھاتی ہے اور کیا کیا خوف کے پہاڑ سامنے لا کھڑا کرتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے زیادہ خوفناک بتایا۔ اور سب سے زیادہ اس سے ڈرایا۔ ترمذی میں حضرت بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کردہ حدیث میں اسی طرح وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض وقت انسان ایک بُرا کلمہ زبان سے نکالدیتا ہے اور اسکی

بُرائی کا اندازہ نہیں لگتا لیکن اس کے اثر میں خدا تعالیٰ اس پر ایسا غیظ و غضب اس وقت تک ثابت و برقرار رکھتا ہے جب تک کہ وہ خدا سے ملاقات کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے زبان کی اسی بے پناہ کرشمہ سازی کا اظہار فرمایا تو معاذ رضی اللہ تعالیٰ اس پر سخت متحیر اور انگشت بدنداں ہوئے اور عرض کرنے لگے یَانَبِیَّ اللّٰہِ وَاِنَّا لَمُوَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ۔ اے اللہ کے نبی کیا ہم ان الفاظ کے بھی جواب دہ ہوں گے جو ہم اپنی زبان سے بولتے ہیں آپ نے فرمایا ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَامُعَاذُ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اَوْعَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ۔ یعنی تم کو تمہاری ماں گم کرے لوگوں کو نہیں ڈالا جائے گا دوزخ میں منہ کے بل یا ناک کے بل مگر ان کی بدزبانی کی وجہ سے (ترمذی) غور کیجئے زبان کی فتنہ انگیزی کہ اگر اس پر سے دین کی پابندی اُٹھا دی جائے اور اس کو آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جائے تو صرف یہ انسان کو دوزخ میں گرا کر چھوڑتی ہے لہٰذا اگر انسان اس کے نقصانات و بُرے اثرات سے اپنے دامن کو بچانا چاہتا ہے تو اس کی تیزی کو کم کرے اس کی دھار کو کھٹل کرے اور جگہ بے جگہ وقت بےوقت اس کو نہ چلائے اور جو کچھ کہے سوچ سمجھ کر ناپ تول کر غرض ہر طریقہ سے پرکھ کر لفظ منہ سے نکالے۔ اگر انسان نے ہمیشہ یہ وتیرہ اختیار کر لیا تو دُنیا و آخرت میں کہیں اُس کو پریشانی و پشیمانی ندامت و حسرت کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلاَ اُخبرکم بِاَیسَرِ العِبَادَۃِ وَاَہوَنِہَا عَلَی البَدَنِ الصُّمتُ وَحُسنُ الخُلُقِ۔ کہ میں تم کو آسان تر اور بدن پر سہل تر عبادت کا پتہ نہ دوں یہ خاموشی اور خوش اخلاقی ہے (ابن ابی الدنیا) حقیقت میں خاموشی اور سکوت بہ نسبت کلام اور گفتگو کے کہیں زیادہ آسان ہے کلام میں دقت ہے سکوت میں راحت ہے گفتگو میں مشقت ہے خاموشی میں اسی مشقت سے نجات ہے مگر پھر بھی اس کا شمار عبادت میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَن کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلیَقُل خَیراً اَولِیَسکُت۔ کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے (بخاری مسلم) اسی سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا کلام نقل ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ وہ عمل بتلائیے جس سے جنت میں داخلہ ہوسکے آپ نے فرمایا کبھی نہ بولو جواب میں عرض کیا گیا اس پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہے بلکہ طاقت سے باہر ہے فرمایا تو پھر سوائے بھلی اور خیر کی بات کے کچھ نہ کہو۔

حضرت سلیمان بن داؤد علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے بارے میں نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کلام کو چاندی سمجھو تو سکوت کو سونا جانو ایک خوب تر مثال سے اپنے کلام اور سکوت کے فرق کو واضح فرمایا ہے عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام شاید کلام بھی مشہور ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں اور ایک حصہ لوگوں سے کنارہ کشی میں ساتھ ہی ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی ذیل میں

صحابہ کرام اور بزرگان اسلام کے کچھ حالات و اقوال بھی زیر بیان آجائیں۔ یہ بھی انشاء اللہ بہت نفع بخش ثابت ہوں گے اور عبرت و نصیحت کا ایک راستہ ہمارے سامنے کھولیں گے۔

نقل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ اپنی زبان اپنے ہاتھ سے کھینچ رہے ہیں سخت تعجب سے پوچھا اے خلیفۂ رسول ﷺ یہ آپ کیا کر رہے ہیں فرمایا اسی نے مجھے بربادی کے گھاٹ اتارا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بدن کا ہر حصہ زبان سے اسکی تیزی کی شکایت کرتا ہے اور اس سے پناہ مانگتا ہے۔ کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ منھ میں کنکریاں ڈال لیتے تاکہ کثرت کلام سے بچیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضؓ صفا پہاڑی پر چڑھے اور کہنے لگے اے زبان بھلائی کی بات کہہ بھلائی کو پہنچے گی بری بات کی ادائیگی سے خود کو روکے رکھ سلامت رہے گی اور ندامت نہ اٹھائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا یہ آپ اپنی جانب سے کہہ رہے ہیں آپ نے فرمایا نہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ انسان کی اکثر خطائیں صرف زبان سے سرزد ہوتی ہیں۔ ابن مسعود رضؓ فرمایا کرتے کہ قسم ہے اس خدا کی جو تن تنہا معبود ہے زبان سب سے زیادہ قید میں رکھے جانے کی سزاوار ہے۔ حضرت معاذ رضؓ فرمایا کرتے لوگوں سے باتیں کم کرو اپنے پروردگار سے باتیں بہت کیا کرو تمہارا دل اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیگا۔ حضرت طاؤس رحؒ کہتے ہیں کہ میری زبان ایک درندہ کے مانند ہے اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو وہ مجھکو پھاڑ کھائے۔ اوزاعی

کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے ہم کو لکھ کر بھیجا تھا کہ جس نے موت کو زیادہ یاد کیا وہ تھوڑی سی دنیا پر بھی راضی ہو گیا اور جس نے اپنے کلام کو بھی اپنا ایک عمل شمار کیا اس نے سوائے مطلب کے بات بہت کم کی۔ کیا خوب بات فرمائی ہے۔ واقعی ہماری کثرت کلامی بتاتی ہے کہ کلام کی خوبی پر ہمارے لئے کوئی ثمرہ نہیں اور اسکی برائی پر ہماری کوئی گرفت نہیں جو ایک عمل کی نشانی ہے۔ اگر کلام کو ہم عمل شمار کر لیں تو لامحالہ کلام کم کریں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ کس کا نفس خطرات سے زیادہ محفوظ ہے آپؒ نے فرمایا جس کو اپنی زبان پر زیادہ قابو ہو۔

علی بن بکارؒ نے کیا پر اثر بات فرمائی ہے ارشاد ہے کہ ہر چیز کی روک تھام کے لئے ایک دروازہ اور دو پٹ ہوتے ہیں مگر زبان کو کلام سے روک تھام کے لئے قدرت نے دو دروازے اور چار پٹ بنائے یعنی ایک دروازہ دو ہونٹوں والا دانتوں کا اور دوسرا دروازہ دو پٹوں والا ہونٹوں کا لیکن افسوس ناسمجھ انسان دونوں دروازوں کی روک کا خیال نہ کر کے اس کو ہر وقت چلاتا رہتا ہے اور دونوں دروازوں کو کھلا رکھتا ہے۔ بعض حکماء نے قدرت کے اس نکتہ کو ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو کان پیدا فرمائے اور دو آنکھیں مگر زبان صرف ایک پیدا فرمائی اور اس عمل سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ انسان سُنے بہت دیکھے سب کچھ لیکن بولے بہت کم اسلئے اس آلہ کلام کی تعداد صرف ایک رکھی۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ کسی دعوت میں بلائے گئے کھانے سے قبل لوگوں نے گفتگو شروع کر دی اور لگے کسی کی غیبت کرنے

آپ نے چاہا کہ کلام کو بند فرما کر سب کو خاموش فرمائیں اور غیبت کو روکیں تو ایک بڑا پُر اثر اور ذو معنی کلام ادا فرمایا۔ فرمایا کہ ہمارے ہاں گوشت روٹی کے بعد کھایا جاتا ہے اور تم لوگوں نے روٹی سے پہلے گوشت کھانا شروع کر دیا کیونکہ غیبت در اصل بموجب کلام خداوندی مردہ بھائی کی گوشت خوری ہے۔ ایک بزرگ نے نصیحت فرمائی کہ خاموشی کی ایسی ہی رفتہ رفتہ عادت ڈالو جس طرح تم نے کسی وقت بولنے کی عادت کی تھی کیونکہ کلام اگر تم کو راہ ہدایت بتاتا ہے تو سکوت تم کو آفات و گمراہی سے بچاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ منصور بن معتمر چالیس سال تک عشاء کے بعد ایک کلمہ نہ بولے۔ یہ بھی نقل ہے کہ ربیع بن خیثم نے بیس سال تک دنیا کا کلام نہیں کیا قلم دوات پاس ہوتے جو کچھ چاہتے لکھ دیتے۔ سمجھ لیں کہ بزرگوں نے خاموشی میں کیا کچھ خوبیاں پائی ہونگی کہ برسوں اپنے کو کلام سے بچایا اور خاموشی اختیار کی۔ ابو حفص سے نقل ہے کہ اگر بولنے والا کلام کی آفتوں کو بخوبی سمجھ لے تو اگر اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی سی زندگی بھی مل جائے تب بھی وہ خاموش ہی رہے۔

اعضائے جسمانی پر کیفیت سکون و اطمینان ہو عجلت و شتابی نہ ہو۔

فائدہ۔ بعض انسان عجلت و شتابی کے دلدادہ ہوتے ہیں جو کام کرتے ہیں۔ جو بھی امر انجام دیتے ہیں پھرتی کو عمل میں لاتے ہیں۔ یہ

عادت چند وجوہ سے شریعت میں بُری سمجھی گئی ہے اور مومن کو اس سے باز رکھا گیا ہے ایک یہ کہ اس عادت سے کام بگڑتے اور خراب ہوتے ہیں سنورتے اور سدھرتے نہیں کام خراب ہونے پر ان کو پھر دوسری بار اور تیسری بار کرنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر کام اپنے اصلی وقت سے کہیں زیادہ وقت لے لیتا ہے اور پھر بھی حسب منشا طے نہیں پاتا شریعت نے عجلت پسندی کی عادت کو ایک شیطانی حرکت بتا کر چھڑانے کی کوشش کی ہے اور تسلی و اطمینان سوچ بچار سے کام کرنے کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عادت ظاہر کر کے اس کی طرف رغبت دلائی ہے شیطان چونکہ انسان کا دشمن اور اس کی بربادی کا خواہاں ہے اسلئے وہ برائی کی طرف انسان کو لیجاتا ہے سمجھاتا ہے کہ کام جلد کرو تھوڑے وقت میں بہت سے کام کر لوگے حالانکہ کام شتابی ہو اگرچہ بہت سے ہو جائیں لیکن خراب اور خلاف منشا ہوتے ہیں اور تسلی اور اطمینان کے کام گو تھوڑے ہوں مگر درست تسلی بخش اور حسب منشاء ہوتے ہیں۔ اور اہل عقل حضرات کو کاموں کی کثرت سے ان کی اچھائی اور خوبی زیادہ پسند ہوتی ہے حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان۔ کہ کاموں میں تاخیر کرنا (یعنی غور و فکر سے کاموں کو کرنا) خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کاموں میں جلدی کرنا شیطان کی جانب سے۔ (ترمذی)

دوسرے یہ کہ کام دراصل وہ اچھا ہے جس کا نتیجہ اچھا ہو اور نتیجہ کی اچھائی و برائی پتہ چلانے کے لئے غور و فکر تسلی و اطمینان درکار ہے۔

عجلت وتیزی میں غور وفکر کی کہاں گنجائش۔ اسلئے عجلت کے کاموں کے نتائج بربادکن ہوتے ہیں اور اسی سلسلہ کی ایک حدیث پاک منقول ہے حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور مجھکو نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِیْرِ فَاِنْ رَاَیْتَ فِیْ عَاقِبَتِہٖ خَیْرًا فَامْضِہٖ وَاِنْ خِفْتَ غَیًّا فَاَمْسِکْ۔ یعنی ہر امر کو سوچ بچار نتیجہ کی دیکھ بھال سے کر اگر اس کا نتیجہ اچھا دیکھے اسکو کر گذر اگر نتیجہ میں خرابی نظر آئے تو اس کی انجام دہی سے رک جا (شرح السنۃ) واقعی بغیر نتیجہ معلوم کئے کام کے لئے قدم اٹھانا آئندہ چل کر نہایت مایوس کن ہوتا ہے۔

تیسرے تسلی و اطمینان عقل وسنجیدگی متانت و وقار کی نشانی ہے اور عجلت و تیزی کم سمجھی اور ناعاقبت اندیشی کی علامت۔ اسلئے حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو بے پناہ عقل وسنجیدگی اور وقار کے مالک ہوتے ہیں تسلی واطمینان پایا جاتا ہے بلکہ نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے اس کو ایک جزمانا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سرجس رضؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک روش تاخیر وتسلی اور میانہ روی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ہیں۔ (ترمذی)

نیز خود اللہ رب العزت نے اپنے عمل سے ہم کو کاموں میں تسلی واطمینان کا سبق دیا ہے چنانچہ فرمان خداوندی ہے اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ کہ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو چشم زدن میں ان جیسے نہ معلوم کتنے آسمان وزمین پیدا فرما دیتا پھر چھ دن

کیوں لگائے تو اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے اور علما نے بھی کھلے الفاظ میں اس کو لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تسلی و متانت کا سبق دینا مقصود تھا کہ تم بھی اسی طرح ہر کام میں اطمینان سے کام لیا کرو۔

احکام الٰہی کی تعمیل اور ممنوعاتِ شرع سے گریز و احتراز میں سبقت و تیزی ہو

فائدہ:۔ متصل سرخی کے ذیل میں تاخیر و اطمینان کی تعریف تھی اور اس سرخی کے ماتحت سبقت و تیزی کی مدح و توصیف ہے۔ تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر چیز کا موقع و محل ہوتا ہے دنیا کے کاموں میں تاخیر و تسلی زیادہ تر اس غرض کے ماتحت ممدوح قرار پائی کہ نتیجہ اور عاقبت کی بہتری کا پہلے سے پتہ چلا لیا جائے کہ بہتر ہوگا یا بد ظاہر ہے دنیا کے بعض کام نفع بخش ہوتے ہیں بعض ضرر رساں لیکن آخرت کے کاموں میں یہ بات کہاں آخرت کا جو بھی کام ہے وہ بلا شک نفع و فائدہ سے پر ہے جو فعل ممنوع ہے وہ بلا شبہ نقصان و برائی سے بھرا ہے پھر سوچ بچار اسمیں کیوں ہو نتیجہ پر نظر کس لئے ہو۔ چنانچہ اسی فرق کی وضاحت کے لئے ایک حدیث بھی وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلتُّؤَدَةُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ خَیْرٌ اِلَّا فِیْ عَمَلِ الْآخِرَةِ کہ تاخیر و تسلی ہر چیز میں بہتر ہے مگر عمل آخرت میں نہیں۔ یعنی آخرت کے امور میں درنگ و تاخیر روا نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں فرمان خداوندی ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ کہ بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجاؤ۔ یا ارشاد الٰہی ہے وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ کہ اپنے پروردگار سے مغفرت چاہنے میں بہت تیزی سے آگے بڑھو۔ نیز

دینی اُمور میں عجلت اس تخیل پر مبنی ہے کہ موت ہر انسان کی آس کے
سر پر سوار ہے ہوا پر جیتا ہے حکم سے چلتا ہے اس کے رزق کا ایک
ایک دانہ تپا تُلا ہے نہ کم ہے نہ زائد ہے اس کا ایک ایک نفس اور سانس
گنا ہوا اور مقرر ہے۔ کیا پتہ کس وقت تک وہ بقید حیات ہے اور کس
وقت وہ اس قید سے آزاد ہے۔ اسلئے تاخیر میں سراسر خسارہ و نقصان
ہے عجلت میں سر بسر نفع و فائدہ ہے جو کر لیا وہ اپنا ہے جو نہ کیا اس سے
ہمیشہ کے لئے محرومی ہے اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے ارشادات گرامی سے بار بار ثابت کرنا چاہا ہے کہ انسان ہر فرصت
کو غنیمت جانے بھلائی کے کسی سے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ موت
تو پھر موت ہے اس سے عمل کا رشتہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹتا ہے لیکن نہیں
اس دُنیائے فانی میں بہت سے موقعے آتے ہیں کہ انسان عمل سے
لاچار ہو جاتا ہے گذشتہ وقت کو یاد کر کے پچھتاتا ہے۔ سر پیٹتا ہے
کہ ہائے پہلے عمل نہ کیا اب معذور ہوا لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے تاکید فرمائی کہ عمل پر قدرت جب بھی ملے تیزی سے اس کی طرف
قدم بڑھاؤ ایک لمحہ نہ گنواؤ نہ معلوم تمہاری معذوری کب سے شروع
ہو جائے چنانچہ عمرو بن میمون الاودی کہتے ہیں کہ آنجناب ایک شخص
کو نصیحت فرماتے ہوئے فرما رہے تھے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں
سے پہلے غنیمت جانو یعنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے تندرستی کو بیماری
سے پہلے مالداری کو محتاجگی سے پہلے فرصت کو مشغولی سے پہلے اور
زندگی کو موت سے پہلے (ترمذی)

یہ پانچ اوقات قدرت کے ہیں اور پانچ ہی اوقات معذوری

اور پچھتاوے کے اسلئے عقل کا تقاضا ہے کہ انسان قدرت کے اوقات میں عمل سے جان نہ چرائے حیلے حوالے ٹال مٹول نہ لگائے کہ اب نہیں کل کریں گے کل نہیں پرسوں ضرور کریں گے اگر اس کے نصیب میں جینا ہے تو بڑھاپا اس کے انتظار میں کھڑا ہے جو اس کی زندگی کو موت سے ملا دے گا حیات کو ممات کے رنگ میں دکھائے گا اگر اس وقت تندرست و صحیح سالم ہے تو بیماری اس کے سر پر ہر دم منڈلا رہی ہے انسان جسمانی آزار کا نشانہ ہے۔ بیماریوں کا گھر ہے۔ بیماری اشارے میں آتی ہے تندرستی لاکھ جتن سے ملتی ہے۔ اگر اس وقت مالدار و غنی ہے ہاتھ کھلا اور فراخ ہے راحت کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہے تو انقلابات زمانہ اس کی گھات میں بیٹھے ہیں مال بہت محنتوں سے جمع ہوتا ہے اشاروں میں ہاتھ سے نکلتا ہے آج مالدار ہے تو کل فقیر ہے آج فراخ دست ہے تو کل تنگ دست ہے آج داد و دہش کا ہاتھ اونچا ہے تو کل سوال کا ہاتھ نیچا ہے دانہ دانہ کو محتاج ہے۔

اگر اس وقت فرصت و فراغت ہے تو اس کا ایک ایک لمحہ غنیمت ہے نہ معلوم کب تک ہے اور کب نہیں۔ دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ قیمتی چیز فراغت ہے۔ یہاں فراغت کس کو ہے جو ہے اس کو کام کی شکایت ہے اور واقعی دنیا تگ و دو دوڑ دھوپ جد و کد اور محنت و مشقت کا عالم ہے اس عالم میں فرصت نایاب و نادر ہے اس کا ایک ایک منٹ ضائع کرنے اور گنوانے کا نہیں شغل سے پہلے اس کو کام میں لانا ہے۔ اگر آج انسان زندہ ہے تو

کیا پتہ کب تک زندہ ہے۔ ہر ہر لمحہ پر موت کا کھٹکا ہے یہ کالبد انسانی ہر وقت شکست و ریخت کے خطرے میں ہے اس کی ساخت کو دیکھتے ہوئے اس کا وجود اس کے عدم سے زیادہ تعجب خیز ہے لہذا زندگی کا ایک ایک پل بے بدل ہے اور موت سے پہلے کچھ کر لینا ہے اور انہیں حقائق کے ماتحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پانچ حالات میں عمل کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے کی ہدایت فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب پر غفلت کا کچھ غلبہ اور دنیا کی طرف جھک جانے کا خطرہ محسوس فرماتے تو یہ کہکر موت کے خیال سے ان کو بیدار فرماتے "أتتكم المنية راتبة لازمة اما بشقاوة واما بسعادة" دیکھو دیکھو اٹل موت آچکی یا بدبختی لیکر آئی یا خوش بختی دوزخ کا ڈر او الیکر آئی یا جنت کی خوش خبری پیغام موت ابدی لائی یا پیام سعادت سرمدی (ابن ابی الدنیا) اس طرح آپ اپنے ہمراہیوں کی سستی کو مٹاتے اور فوری عمل کے لئے چست کرتے اور موت کے لئے تیار کرتے۔ حقیقت ہے موت جیسی یقینی دنیا میں کوئی چیز نہیں اس پر یقین کا تقاضا تھا کہ انسان اسی سے زیادہ ڈرتا اور اس کے بعد کا کچھ سوچتا مگر حیرت ہے کہ موت پر جس قدر یقین ہے اسی قدر اس سے غفلت بھی ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس نے بڑی پیاری مثال سے دنیا کے قریبی خاتمہ کو ظاہر فرمایا ہے اور بدیں معنی ارشاد ہے کہ سمجھو کہ دنیا ایک کپڑا ہے جو شروع سے آخر تک پھاڑ دیا گیا ہے اور اب اس کے دو ٹکڑے ایک آخری دھاگے سے آپس میں اٹکے رہ گئے ہیں اور وہ دھاگا بھی ابھی ٹوٹنے کے قریب ہے۔ غرض اس طرح اللہ کے مقدس

بندوں نے دُنیا کے خاتمہ اور موت کے قرب کے نقشے کھینچے ہیں اور فوری عمل کے لئے انسانوں کو کھڑا کیا ہے۔ پھر عقلمند انسان مامورات کو عمل میں لانے اور ممنوعات سے احتراز کرنے میں درنگ و تاخیر کس طرح اور کس بناء پر روا رکھے اور جان بوجھ کر اچانک آجانے والے خطرے میں اپنی جان کو پھنسائے۔

حضرت حسنؒ اپنے وعظ میں فرمایا کرتے لوگو جلدی کرو جلدی کرو یہ چند سانس ہیں اگر یہ کبھی روک لئے جائیں تو تمہارے اُن عملوں کا سلسلہ یک بیک ٹوٹ جائے گا جن سے تم ذات خداوندی سے قُرب چاہتے ہو۔ اللہ رحم کرے اُس انسان پر جو اپنے نفس کا خود حساب لیکر اپنے گناہوں کو گنتا رہے پھر آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کہ ہم ان کے سانس گن رہے ہیں پھر اس نفس شماری کا آخر ایک تو وہ گھڑی ہے جب یہ سانس بدن کو چھوڑتا ہے پھر وہ وقت جب انسان عزیزوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہے پھر وہ کٹھن گھڑی جب کہ اس کو سپرد خاک کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ صبر آزما گھڑیاں انسان کے سر پر ہیں تو وہ عمل خیر میں تاخیر کیونکر کرے ممنوعات سے بچنے میں دیر کس طرح لگائے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے ہر انسان جب صبح کرتا ہے وہ دُنیا میں ایک مہمان کی حیثیت سے ہوتا ہے اور اس کا مال ایک مانگے ہوئے مال کی طرح اور مہمان ظاہر ہے جلد ہی جانے والا ہے اور مانگا ہوا مال فوراً واپس کیا جانے والا۔ بزرگوں نے ایک اور دلچسپ مثال سے ثابت کیا ہے کہ چیز کی آمد کی جس قدر جلد امید ہوتی ہے اسی قدر جلد اسکی

تیاری ہوتی ہے۔ اگر ہمارے دو بھائی آنے والے ہوں ایک کل ہی دوسرا ایک سال بعد۔ ظاہر ہے ہم اس بھائی کی آمد کی تیاری میں لگیں گے جو کل ہی آنے والا ہے نہ اس بھائی کی آمد کی تیاری میں جو ایک سال بعد آئے گا بس اسی طرح موت کل ہی یا اسی گھڑی کے بعد آنے والی ہے اور اس کی تیاری آج ہی بلکہ ابھی کرنی ہے یعنی عمل خیر میں ابھی لگ جانا ہے اور ممنوعات شرع سے بھی اسی وقت دست کش ہو جانا ہے۔ خلاصہ کلام یہ نکلا کہ اگر یہ ادب اسلامی ہم میں پیدا ہو جائے تو ہم دنیا میں اسلام کا نمونہ بن کر رہیں اور اسلام کی اپنے عمل سے سچی ترجمانی کر سکیں۔

اعتراض و سوال کا مادہ کم ہو تسلیم و رضا کی عادت زائد ہو

فائدہ۔ سوال و اعتراض کی کمی اور بلا چون و چرا ہر حکم الٰہی کو مان لینا یہ گویا صفت رضا کی صحیح ترجمانی ہے جو ایمان کے بلند درجہ پر مومن کو نصیب ہوتی ہے اور جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی لازم ہوتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ مومنین کی مدح و ثنا ہے اور اُن مقدس انسانوں کا ذکر خیر ہے جنہوں نے کسی حال میں شریعت کے امر میں شک و شبہ اعتراض و سوال کو دل کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا بلکہ دین کی ہر بات کو برضا و رغبت اور بخوشی و رضامندی قبول کیا ہر حکم الٰہی آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہہ کر اس کو سر آنکھوں پر رکھا اللہ تبارک کے دربار سے جس نے جو کچھ پایا

وہ رضا و تسلیم سے پایا اور جو چون و چرا میں پڑا اس نے سب کچھ کھویا بلکہ اپنے مولیٰ کو الٹا اپنے اوپر ناراض کیا کہا جاتا ہے کہ ایک بار موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے باری تعالیٰ مجھکو ایسا عمل بتا جس کے کرنے پر تو مجھ سے راضی ہو جائے جواب میں فرمایا تم ایسے عمل کی طاقت نہیں رکھتے طلب چونکہ سچی تھی سجدے میں گرے اور آہ و زاری کر کے ایسے عمل کی پھر درخواست پیش کی تو بارگاہ الٰہی سے جواب ملا اے موسیٰ ابن عمران میری رضا اس میں ہے کہ تم میرے فیصلوں پر راضی رہو

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر تھے آپ نے سب سے پوچھا تم کون ہو سب نے عرض کیا ہم مومن ہیں فرمایا تمہارے ایمان کی نشانی و علامت کیا ہے عرض کیا ہم مصیبت پر صابر ہیں راحت میں شاکر ہیں اور قضا و قدر پر راضی و خوش ہیں۔ فرمایا رب کعبہ کی قسم تم بیشک مومن ہو۔

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے پوچھا یہ تو بتایئے کہ انسان راضی بقضا کب کہلاتا ہے فرمایا جب وہ مصیبت سے اتنا خوش ہو جتنا وہ راحت سے خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ رضا یہ نہیں کہ مصیبت کا احساس دل سے مٹ جائے بلکہ رضا اس کا نام ہے کہ ہر حکم الٰہی اور ہر فیصلہ مشیت پر زبان شکایت و اعتراض سے قطعی گنگ ہو۔ اور ذرا سوچنے کی بات ہے کہ شکایت ہو بھی تو فائدہ کیا ہوگا وہی جو منظور خدا ہوگا۔

نقل ہے کہ حضرت داؤد وعلی نبینا وعلیہ السلام کی طرف دربار خداوندی سے وحی آئی کہ اے داؤد ارادہ تم بھی کرتے ہو اور ہم بھی اور ہوتا وہی ہے جو ہم ارادہ کرتے ہیں پس اگر تم نے ہمارے ارادے کو تسلیم کیا اور مان لیا تو تمہارا ارادہ خود بخود پورا ہو جائے گا اور اگر تم نے ہمارے ارادے کو نہیں مانا تو ہم تمہارے ارادے کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور بالآخر ہوگا وہی جو ہم ارادہ کرتے ہیں اسی طرح بھی نقل ہے کہ انبیاء پیشین میں ایسے کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دس سال بھوک فاقہ اور جوؤں کی تکلیف سے آزمایا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان تکالیف کی شکایت کی مگر شنوائی نہ ہوئی آخر وحی آئی کہ تم کب تک اپنی تکالیف کی شکایت کرو گے لوح محفوظ میں تمہارے بارے میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ فیصلہ اس وقت ہو چکا ہے جبکہ آسمان وزمین بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور دنیا بھی وجود میں نہیں آئی تھی تو اب تم کیا یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر دنیا کی تخلیق نئے سرے سے کروں اور تمہارے بارے میں جو فیصلہ کر چکا ہوں اس کو بدل ڈالوں اگر ایسا کروں تو گویا تمہاری پسند میری پسند سے بالا وبلند ہو گی قسم ہے میری عزت وجلال کی اگر اب تمہارے دل میں ان شکایات کا خیال تک بھی کھٹکا تو میں تمہارا نبوت کے دفتر سے نام مٹا دونگا۔

قدرت کے کاموں یا احکام الٰہی پر اعتراض تو بہر سنگین چیز ہے ان پر بار بار اور بے جا سوالات اٹھانا یا فضول استفسارات کی بھرمار کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اور دین میں اس بدعادت کی برائی آئی ہے

دیکھئے بنی اسرائیل قدرت سے چون و چرا کا مادہ لیکر پیدا ہوئے تھے ہر امر میں میخ نکالتے اور ہر حکم پر اعتراض و سوال اٹھاتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان پر احکام سنگین سے سنگین تر اترتے چلے جاتے تھے وہ سوالات سے بات کو جس قدر کھولنا چاہتے اسی قدر بات ان کے لئے سخت تر ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو ایک گائے کا مسئلہ تھا کہ اس کے ذبح کرنے کا حکم دربار خداوندی سے ملا تھا اگر سمجھ میں کجی نہ ہوتی بات کو پیچیدہ نہ بناتے پہلے ہی حکم پر گائے ذبح کرکے مطلب برآری کر لیتے مگر نہیں بات میں بات نکالی بلکہ بال کی کھال نکالی چھان بین کی حد کر دی لگے سوالات کرنے کہ کس عمر کی ہو اور رنگ ڈھنگ کی کیسی ہو تو پھر پیش گاہ الٰہی سے بھی سزا کے طور پر قیود سے بھرے جواب آنے لگے آخر خود ہی سیدھی سادی گائے کو چیستاں بنا کر چھوڑا یہ سب بے جا اور بلا ضرورت سوالات کا نتیجہ تھا بعض وقت سوالات سے چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اور سائل اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرم قرار پاتا ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو لوگوں پر حرام نہ ہو پھر محض اس کے سوال کی بنا پر وہ حرام قرار دیدی جائے (بخاری و مسلم) پوری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر حکم الٰہی اور ہر امر قدرت کو برضا و رغبت مان لینا اور تسلیم کر لینا اور زبان اعتراض و سوال قطعی نہ کھولنا ادب اسلامی ہے اور عین تقاضائے دین

اخلاق پاکیزہ پسندیدہ اور دلپذیر ہوں

فائدہ: خلق کی اچھائی اور خوبی انسانی کے محاسن پر چار چاند لگاتی ہے۔ بندوں کے دلوں میں الفت و محبت کا بیج بوتی ہے اللہ تعالےٰ سے قریب و نزدیک تر کرتی ہے۔ دین میں اس کا بہت بلند درجہ ہے قرآن پاک سے بھی اس کی خوبی معلوم ہوتی ہے اور احادیث طیبہ سے بھی اس کی بے شمار مواقع میں تعریف ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مبارک میں اپنے حبیب کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا ہے إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ کہ آپ بہت بلند درجہ اخلاق پر فائز ہیں۔ جس طرح آپ کی ذات گرامی ہر برگزیدہ صفت میں سب سے اعلیٰ وارفع بلند و بالا تھی اسی طرح صفت خلق میں بھی آپ کا مرتبہ بہت اونچا تھا حتی کہ اللہ رب العزت نے آپ کے خلق کی تعریف فرمائی ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو آنحضرتؐ کی بعثت کا زیادہ تر مقصد یہی تھا کہ صحیح اخلاق کا دنیا میں پرچار ہو برگزیدہ اخلاق وعادات دنیا میں پھیلیں اور سب کے سب دنیا میں اچھے اخلاق کا نمونہ بن جائیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ کہ میں اسلئے مبعوث ہوا کہ برگزیدہ اخلاق کو درجہ کمال تک پہنچاؤں (بیہقی)، چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں اُن اخلاق کا ثبوت دیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے۔ دشمنوں کو اخلاق سے رام کیا اُن کی سنگ دلی سخت مزاجی اور درشت

اخلاقی کو پیاری عادات اور محبت آمیز برتاؤ سے سر کیا۔ ایک جگہ ارشاد گرامی ہے کہ میرے پروردگار
نے مجھکو نو باتوں کا حکم دیا ہے ان میں تین چیزیں یہ بتائیں کہ میں اس سے رشتہ جوڑوں جو مجھ سے رشتہ
توڑے اور کاٹے میں اسکو دوں اور بخشوں جو مجھکو محروم اور بے مراد کرے میں اسکے قصوروں اور
کوتاہیوں کو معاف کردوں جو مجھ پر ظلم و تعدی کے پہاڑ توڑے۔ اچھوں کیساتھ اچھے بہت
ہوتے ہیں منصف اور روادار کے ساتھ میل رکھنا سب پسند کرتے ہیں لیکن
نہیں دشمنی کا جواب دوستی سے محرومی کا جواب بخشش سے ظلم کا جواب
درگزر سے دینا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی جوہر ہے اور
ممتاز خلق ہے جو دنیا میں نادر و نایاب ہے۔ آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے
کہ قیامت کے دن میزان اعمال میں سب سے وزنی چیز جو ثابت ہو گی وہ
پرہیزگاری اور خلق حسن ہے اللہ اکبر اعمال خیر مومن کے لئے ایک دو نہیں
بے شمار ہیں اور ایک سے ایک بڑھ بڑھ کر مگر خلق حسن کو سب پر فوقیت
ہے اور ہر اچھے عمل پر بھاری ہے ایک مرتبہ ایک شخص سامنے سے آکر
دین کی وضاحت چاہنے لگا آپ نے فرمایا دین خلق حسن کا نام ہے
وہ نہ سمجھا نہ تسلی ہوئی دائیں جانب سے آیا یہی جواب ملا بائیں سے آیا
پھر بھی یہی جواب ملا آخر پشت کی جانب سے آکر جب یہی سوال کیا
تو جواب میں ارشاد ہوا کہ تم سمجھتے نہیں دین دراصل یہ ہے کہ تم کو غصہ
نہ آئے مادہ غیظ و غضب سے تم پاک ہو جاؤ

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن خلق کا بھی نچوڑ اور خلاصہ
بیان فرمایا حقیقت میں غیظ و غضب حسن خلق کی جڑ کاٹتا ہے اور تمام

حسن برتاؤ کی عمارت کو چشم زدن میں ڈھا دیتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی ایک جگہ جنتیوں کی صفات شمار کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔

آپ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ برگزیدہ اور افضل عمل کونسا ہے آپ نے فرمایا حسن خلق۔ یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ سب سے پہلے جس چیز کو ترازو میں رکھا جائے گا وہ خلق کی اچھائی اور سخاوت ہوگی پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا فرمایا تو اس نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ مجھکو قوت عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن خلق اور سخاوت سے قوی اور مضبوط بنایا۔ اسی طرح کفر نے بھی یہی درخواست کی کہ مجھکو بھی قوی فرما تو اس کو بخل اور بدخلقی سے مضبوط و قوی کیا۔ آنجناب دعا مانگا کرتے اے اللہ جس طرح تو نے مجھ کو چہرہ کا حسن عطا فرمایا میرے اخلاق میں بھی حسن پیدا فرما۔ اللھم احسنت خلقی

حضرت اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ اس وقت میں موجود تھا کہ چند عرب نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سب سے بہتر کونسی چیز ملی ہے آپ نے فرمایا اچھا خلق اور فرمایا کہ تم میں مجھکو سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین وہ شخص ہے جو پاکیزہ ترین اخلاق سے متصف ہو۔ خوش اخلاق انسان اللہ رسول اور سب کو پیارا لگتا ہے سب اس سے الفت و محبت کرتے ہیں۔ بدخلقی انسان کے سارے محاسن و خوبیوں پر پانی پھیرتی ہے۔

ساری صفتوں اور بھلائیوں کو بے قیمت اور بے اثر کرتی ہے۔ اخلاق ہی سے ایک انسان دوسرے انسان سے قریب ہو کر استفادہ کا موقع پاتا ہے۔ قرآن پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ کہ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو آپ کے پاس سے یہ سب مجمع منتشر ہو جاتا) یہ آنحضرتؐ کی خوش مزاجی اور خوش خلقی تھی کہ سب کو آپ کی خدمت بابرکت میں لا جمع کرتی اور اللہ کا پیغام سننے کا موقع بخشتی۔ سب آپ کو پروانہ وار گھیرے رہتے۔ صحبت سے تسلی و تشفی ملتی دوری سے بے چینی اور بے کلی محسوس ہوتی۔ دوست تو دوست کی صفات کو سراہتے ہی ہیں لیکن آپ کے جانی دشمن بھی آپ کے اخلاق کریمانہ کے مداح تھے اور آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ بس اخلاق کی ہی کرشمہ سازی ہے کہ یہ دشمنوں کے دلوں میں بھی گھر کرتے ہیں دلوں سے دشمنی کو نکال کر دوستی کا بیج بوتے ہیں۔

ایک بار حضرت ام حبیبہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور بتائیے اگر ایک عورت کے دو خاوند ہوں اور وہ مر جائے اور اس کے دونوں خاوند بھی مر جائیں اور سب کو جنت نصیب ہو تو وہ عورت ان میں سے کس کو ملیگی آپ نے فرمایا کہ اس کو ملے گی جو ان دونوں میں زیادہ خوش اخلاق ہوگا پھر فرمایا اے ام حبیبہ خوش اخلاقی نے تو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے (طبرانی) واقعی خوش اخلاق

اپنے اندر بے پناہ اثر رکھتی ہے اور بے اندازہ خوبیوں کی جڑ ہے۔
حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے حسن خلق کے باعث آخرت میں بڑے بڑے درجات لیتا ہے اور بڑے باشرف مقامات حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ عبادت میں وہ کمزور ہو (طبرانی) گویا عبادت کی کمی اور کوتاہی کی تلافی خوش اخلاقی کر لیتی ہے اس پر یہ حدیث پاک شاہد ہے لیکن اخلاقی کمزوری کی تلافی عبادت سے نہیں ہوتی اس پر خود انس رضؓ کا قول دال ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ انسان اپنی خوش اخلاقی سے جنت کے بلند ترین درجہ پر فائز ہوتا ہے اگرچہ وہ عابد نہیں ہوتا اور اپنی بدخلقی کی وجہ سے دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں پہنچ جاتا ہے اگرچہ وہ عبادت گذار ہوتا ہے۔ اب اس بارے میں صحابہ کرام اور دیگر بزرگان دین کے مبارک اقوال سنئے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے کسی نے پوچھا حسب کس کو کہتے ہیں آپ نے فرمایا اچھے اخلاق والا ہونا جو تم میں سب سے زیادہ با اخلاق ہے وہ سب سے زیادہ حسب میں بلند ہے پھر فرمایا ہر شے کی بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد حسن خلق ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے ساتھ میل جول پیدا کرو اخلاق سے اور ان سے جدا ہو اعمال سے۔ حضرت یحیی بن معاذ رضؓ نے فرمایا اخلاق کی کشادگی میں رزق کے خزانے ہیں۔ یعنی رزق کی فراخی اخلاق کی کشادگی میں ملتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ ہی نے فرمایا بدخلقی کو نیکیوں کی

کثرت نفع نہیں بخشتی۔ اسی طرح خوش خلقی کو بدیوں کی کثرت ضرر نہیں پہنچاتی
ابن مبارک سفر میں کسی بدخلق کے ساتھ ہو گئے اس کی بدخلقی کو برداشت
کرتے رہے اور درگذر فرماتے رہے جب اس سے جدا ہونے لگے تو
رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھکو
اس بدخلق پر ترس آگیا یہ سوچکر کہ میں تو اس سے جدا ہوتا ہوں مگر اس
غریب کی بدخلقی اس سے جدا نہیں ہوگی۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ چار چیزیں انسان کو بلند درجات پر پہنچاتی
ہیں اگرچہ اس کا عمل اور علم کم ہوں یعنی حلم تواضع سخاوت اور حسن خلق
اور یہی کمال ایمان ہے۔ حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ جس کو جو برتری ملی وہ
حسن خلق کے طفیل میں خلق کا کمال صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو ہی نصیب ہوا اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر وہ شخص ہوگا
جو حسن خلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر پیروی کرے گا۔

اس ذیل میں اب صرف یہ امر قابل بحث رہجاتا ہے کہ حسن خلق کسی
صفت سے عبارت ہے۔ اور کس انسانی خوبی کا نام ہے۔ بزرگان دین
نے اس کے مختلف معانی بتائے ہیں اور مختلف اخلاق انسانی اس کی
تشریح میں پیش فرمائے ہیں۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ خلق کی اچھائی یہ ہے کہ انسان خندہ پیشانی ہو
بخشش سے لوگوں کو مالامال کرے اور ان کی اذیت سے ہاتھ کھینچے رہے
حضرت واسطیؒ کہتے ہیں کہ خوش خلق انسان نہ خود کسی سے جھگڑتا ہے

نہ اس سے کوئی جھگڑتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی معرفت میں کھویا ہوا ہوتا ہے
ایک جگہ کہتے ہیں کہ خوش حالی اور تنگ حالی میں مخلوق خدا کو خوش رکھنا
حُسنِ خُلق ہے۔

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ حُسنِ خُلق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ برداشت
کا مادہ ہو بدلا لینے کا جذبہ نہ ہو اور ظالم پر رحمت و شفقت ہو اور اس کے
گناہوں کی مغفرت چاہی جائے۔ غرض اپنے اپنے نظریہ سے ہر ایک صاحب
نے مختلف الفاظ سے اس کی تشریح کی ہے۔ اسی طرح ہر بزرگ نے مختلف
پہلو سے حُسنِ خُلق کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت فضیلؒ فرمایا کرتے کہ جو شخص
سب قسم کے احسانات کرے لیکن اگر اس کی ایک مرغی ہو اور اس کو وہ دکھ
پہنچائے تو وہ محسن نہیں کہلایا جا سکتا۔ حضرت ابن عمرؓ کے بہت سے غلام تھے
جب آپ ان میں سے کسی کو اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اسکو
آزاد کر دیا کرتے غلاموں نے ان کی یہ عادت پہچان لی تو پھر آپ کے
سامنے آکر خوش اسلوبی سے نماز ادا کرتے اور آپ ان کو آزاد کر دیتے۔
لوگوں نے آپ سے حقیقت بیان کی کہ حضرت یہ غلام آپ کو دھوکا دیتے ہیں
اور فریب بازی سے آزادی حاصل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو اللہ کے
راستہ میں ہم کو دھوکا دیگا ہم اس سے دھوکا کھائیں گے۔

حضرت اویس قرنیؒ کو جب بچے پتھر مارتے تو آپ ان سے فرماتے کہ اگر
تم کو پتھر مارنا ہی ہے تو چھوٹے پتھر مارو اور میری پنڈلی بچاؤ ورنہ تم مجھ کو نماز
سے روک دو گے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم سے پوچھا گیا کہ آپ کبھی دنیا میں

خوش بھی ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بیشک دو مرتبہ ایک مرتبہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نے آکر مجھ پر پیشاب کر دیا دوسری مرتبہ ایک جگہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر میرے ایک تھپڑ مار الیہ یہ ہے دراصل اذیت برداشت کرنے کی مشق اور حسن خلق کا اظہار کہ ستائیں جائیں مگر ستائیں نہیں پیٹے جائیں مگر ماریں نہیں۔ اپنی جان کو حقیر اور دوسرے کی جان کو قیمتی جانیں نہ دل پر میل آئے نہ عمل پر کچھ اثر ہو۔

امیر المومنین حضرت علی رضؓ نے ایک بار اپنے ایک غلام کو پکارا وہ نہیں بولا پھر دوسری اور تیسری بار پکارا پھر بھی نہیں بولا آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر دیکھا تو لیٹا پڑا ہے آپ نے کہا کہ کیا تو میرے پکارنے کی آواز کو سن نہیں رہا تھا اس نے جواب دیا کہ بیشک سن رہا تھا تو پھر پوچھا کہ تو نے جواب کیوں نہیں دیا کہا کہ مجھکو آپ کی طرف سے سزا کا خوف نہ تھا اسلئے سستی کر گیا۔ آپ نے فرمایا اچھا جا تو آزاد ہے

نقل ہے کہ انجیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول لکھا ہے کہ اے میرے بندے غصہ کے وقت تو مجھ کو یاد رکھ میں بھی غصہ کے وقت تجھ کو یاد رکھوں گا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادہ سے کہا تین صفات کے آدمیوں کو تم تین اوقات میں پاسکو گے غصہ کے وقت تم کو حلیم کی شناخت ہو گی لڑائی کے وقت بہادر پہچانا جائے گا اور حاجت و ضرورت کے وقت بھائی کا پتہ لگے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار باری تعالیٰ سے التجا کی کہ اے

پروردگار میرا تجھ سے سوال ہے کہ میرے بارے میں وہ بات نہ کہی جائے
جو مجھ میں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ یہ بات میں
نے اپنے لئے روا نہیں رکھی تو تمہارے لئے کس طرح روا رکھوں گا۔
حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جنگل کی طرف جا رہے تھے کہ ایک سپاہی
راستہ میں ملا اور پوچھنے لگا آبادی کدھر ہے آپ نے قبرستان کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا کہ ادھر اس پر وہ برافروختہ ہوا اور اس نے آپ
کے سر پر ایسی چوٹ ماری کہ آپ کا سر زخمی ہو گیا جب آگے بڑھا تو لوگوں
نے اس سے کہا کہ تو نے کیا غضب کیا یہ تو ابراہیم بن ادھم ہیں جو خراسان
کے مشہور زاہد ہیں یہ سنتے ہی وہ سپاہی آپ کے پاس حاضر ہو کر معذرت
چاہنے لگا آپ نے فرمایا کہ جب تو نے مجھکو مارا تھا اس وقت میں نے
اللہ سے تیرے لئے جنت کی درخواست کی تھی۔ اس نے تعجب سے پوچھا
حضرت یہ کیسے ہیں آپ کو ماروں اور آپ میرے لئے جنت چاہیں فرمایا
جب تو نے مجھ کو مارا مجھے یقین ہو گیا کہ اس ظلم پر مجھکو اجر ملے گا لہٰذا
میں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ تیری طرف سے مجھکو بھلائی ملے یعنی
تیری مار کی وجہ سے مجھ کو اجر نصیب ہو اور میری طرف سے تجھکو برائی
ملے یعنی میری چوٹ کے سبب تجھکو سزا ملے اور تو گناہگار ہو اسلئے میں نے
تیرے لئے جنت کی دعا کی تاکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بھلائی
پائیں۔ یہ ہے دراصل حسن خلق کا بلند ترین معیار اور حلم و بردباری کی
اونچی سے اونچی مثال کہ تکلیف پا کر بھی تکلیف دہندہ کی بھلائی چاہتا

اور خیر رسانی کا جذبہ دل میں رکھنا چاہیے۔ یہی بزرگ دنیا کے سامنے اسلام کے
روشن چراغ بن کر آئے اور اسلام کی خوبی نہ صرف دلوں میں بٹھائی
بلکہ آنکھوں سے دکھائی۔ نفس کشی کے صحیح معنی انھیں بزرگوں نے سمجھے
تھے اور جذبات کو درحقیقت انھیں نے روندا اور کچلا تھا۔

حضرت ابو عثمان حیریؒ کو کسی نے کھانے پر بلایا جب آپ اس کے
دروازے پر پہنچے تو کہنے لگا بزرگ معاف فرمائیے۔ یہ وقت کھانے کے
لئے آنے کا نہ تھا۔ آپ صبر و سکون سے اپنے گھر واپس آئے جب آپ
گھر پہنچے تو پھر وہی داعی دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں
آپ کی واپسی پر بڑا نادم ہوں خیر اب آپ فلاں وقت آئیے اس مرتبہ جب
آپ اس کے دروازہ پر تشریف لے گئے تو پھر اس نے وہی الفاظ ادا کئے
کہ حضرت کھانے کے لئے یہ وقت آنے کا نہ تھا۔ غرض تین چار مرتبہ اس نے
آپ کو اسی طرح ستایا اور آپ بطیب خاطر جاتے اور آتے رہے۔
آخر وہ خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا بزرگوار میں آپ کو آزما رہا تھا
اور آپ کے ضبط و تحمل کو جانچ رہا تھا لیکن واقعی آپ اس امر میں بہت
ہی پختہ ثابت ہوئے اور آپ کی بزرگی کھل گئی۔ آپ نے جواب دیا کہ تو یہ تو
میری اس صفت پر میری تعریف کرتے ہو جو کتوں میں بھی پائی جاتی ہے
ان کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان کو بلاؤ آجاتے ہیں اور جب ان کو جھڑک
دو تو وہیں صبر سے ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ انھیں کے بارے میں یہ بھی
نقل ہے کہ دوپہری کے وقت یہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کسی گلی سے گذر

رہے تھے کہ کسی نے ان پر راکھ کا ایک طشت پھینکدیا۔ ہمراہی بہت بگڑے اور راکھ پھینکنے والے کو سخت سست سنائیں آپ نے فرمایا اس کو کچھ نہ کہو جو اس کا مستحق ہو کہ اس پر آگ پھینکی جائے اگر اس کی سزا کو ہلکا کر کے اس پر صرف راکھ پھینکی جائے تو اس کو شکایت کا حق کب ہے اور غصہ لانے کا مجاز کیونکر ہے۔

ذکر و اذکار وظائف و اوراد پر ہمیشگی و مدامت ہو

فائدہ:۔ ذکر بہت بلند پایہ عمل خیر ہے اس کی مداومت سے بہت آسانی سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے دل صاف و پاک ہوتا ہے عمل سدھرتا اور سنورتا ہے۔ روح میں لطافت و پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اس کی سب سے بڑی تعریف تو یہ ہے کہ اس کا مقابلہ یا جواب ذکر الٰہی سے ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی تم مجھکو یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے کہ ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کی امت کو وہ فضیلت بخشی ہے جو دوسری کسی امت کو نصیب نہیں ہوئی آپ نے پوچھا وہ کونسی فضیلت ہے جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ارشاد خداوندی ہے فاذکرونی اذکرکم۔ فرمایا یہ حرمت و شرف کسی امت کو نصیب نہیں ہوا کہ ادھر بندے ذکر میں مشغول ہوں ادھر رب العزت ان کے ذکر میں لگ جائے۔ وہ غنی بے نیاز اور بے پروا

ذات ہے اس کے سب محتاج و ضرورت مند ہیں اس کی رضا جوئی میں سب مصروف ہیں اس کے ذکر سے زبان کو پاک اور دل کو صاف اور عمل کو نیک کرتے ہیں مگر وہ کسی کا حاجتمند نہیں وہ کسی کا رضا جو نہیں اسکو صفائی اور پاکیزگی کی کوئی ضرورت نہیں وہ خود انتہائی پاک و صاف ہے لیکن اس محلی امت پر انتہائی شفقت و مہربانی کا اظہار ہے کہ ان کے ذکر پر خود کو ذاکر بتایا۔ اور اس طرح اپنے بندوں کو ذکر کا شوق دلایا۔ دوسری کسی امت کو یہ فخر نہیں بخشا۔ ثابت البنانی رحمۃ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے ہم نشینوں سے ارشاد فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ مجھکو کب کب یاد کرتا ہے اور میرا ذکر کرتا ہے۔ سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے کہ آپ یہ کیسے دعوی فرما رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حالات کا کسی کو کیا پتہ۔ عرض کیا بزرگوار آپ کو اس کا علم کیسے ہے فرمایا ارشاد خداوندی ہے فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ لہذا جب میں اس کے ذکر میں لگ جاتا ہوں یقین سے جان لیتا ہوں کہ وہ بھی میرے ذکر میں لگ گیا۔ سب الجھن و پیچیدگی یک بیک دور ہو گئی کیونکہ اس دعوی کا ثبوت خود کلام الٰہی سے پایا۔

ذکر کی دوسری بڑی خصوصیت ہر عبادت کس قدر بھی باشرف وباحرمت ہو وقت کی پابندیوں میں جکڑی ہوئی شرطوں کی بندشوں میں بندی ہوئی ہے۔ ایک چوٹی کی عبادت نماز ہی کو لے لیجئے کہ اگرچہ اشرف العبادات ہے احسن الطاعات ہے لیکن بعض وقت جائز ہے اور

بعض وقت جائز نہیں ہے خاص اوقات کے ساتھ مخصوص ہے پھر ہر نماز جُدا جُدا اوقات میں روا ہے ایک وقت کی نماز دوسرے وقت میں جائز نہیں۔ ایسی مبارک عبادت پھر بھی اس میں بندشیں ایسی برگزیدہ طاعت بایں ہمہ اس میں قیدیں اور شرطیں۔ یہ شرف صرف ذکر الٰہی کو حاصل ہے کہ اس کے ساتھ کسی وقت اور حالت کی قید و پابندی نہیں جب چاہو ذکر کرو جس حال میں مرضی ہو ذکر میں لگ جاؤ۔ چنانچہ مومنین کی صفت میں فرمایا اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ یعنی وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

حضرت عائشہ رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی ہیں کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ۔ کہ آپ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ دوسری جگہ حکم کی شکل میں ان حالات کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ کہ کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں کے بل اللہ کے ذکر میں لگے رہو۔ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں یعنی رات و دن خشکی و تری میں سفر اور اور وطن میں امیری اور فقیری میں بیماری اور تندرستی میں تنہائی اور سب کے حضور میں اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ لہٰذا یہ نضیلت و بزرگی دوسری عبادتوں کو کہاں نصیب ہے۔

ذکر کی تیسری حرمت و بزرگی ہر عبادت کے لئے عدد و شمار ہے کہ اس قدر و اتنی نماز گو افضل العبادات ہے مگر اس کے لئے بھی خاص خاص

تعداد ہے۔ فرضوں اور سنتوں کا شمار ہے وتروں کی تعداد مقرر ہے لیکن ذکر ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تعداد و شمار نہیں جس قدر اور جتنا چاہیں پڑھیں کوئی خاص حد و شمار نہیں چنانچہ فرمایا اُذکرو اللّٰہ ذِکرًا کثیرًا ۔ کہ اللہ کا بہت ذکر کرو۔ اور اس کو عدد و شمار کی پابندی سے بالاتر جانو۔

ذکر کی فضیلت میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں تمہارے اعمال میں بہترین اور تمہارے شہنشاہ مطلق کے نزدیک پاکیزہ ترین اور تمہارے درجوں کو بہت بلند کرنے والا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے لئے راہ خدا میں سونے چاندی کے صرف کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ جہاد میں تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تم کو قتل کریں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ عمل خیر اللہ کا ذکر ہے۔ (ترمذی) حقیقت ہے ذکر کی فضیلت بے پناہ ہے صدقہ و خیرات سے بھی افضل ہے اور جہاد جیسے برگزیدہ عمل سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ خدا تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے اَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ ۔ کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جوں ہی کہ وہ میرے ذکر کیلئے اپنے ہونٹوں کو جنبش دے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ مجھکو اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر مجمع میں (یعنی فرشتوں کے مجمع میں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اُس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میری جانب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ (بخاری مسلم)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا مَرَرْتُم بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالَ وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حَلَقُ (الذِکرِ) کہ جب جنت کے باغوں پر گذرو تو خوب چرو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ ابو ہریرہؓ سے بدیں معنی حدیث ہے کہ آنجنابؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے اے میرے بندے مجھکو نماز صبح اور نماز عصر کے بعد ایک ساعت یاد کر لے میں ان کے درمیانی وقت میں تیرے لئے کافی ہو جاؤں گا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے بدیں معنی حدیث نقل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہو گا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ

سے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔ یہ بھی فرمان نبوی ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کرو کہ لوگ تم کو مجنون کہنے لگیں دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق تم کو ریاکار کہنے لگیں۔

غرض ذکر الٰہی کی تعریف و توصیف میں بہت حدیثیں وارد ہیں جن کے ذکر میں درازی کلام کا اندیشہ ہے۔ ان سب احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا ذکر بہت ہی پسند ہے اور ذکر سے بندے کے مدارج کو بہت بلند فرماتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو اس دنیا اور اس زمین کا قرار ہی ذکر پر ہے اس دنیا کا بستر اسی وقت لپٹے گا جبکہ اس میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ چنانچہ نبیؐ کا ارشاد گرامی ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اللّٰہ اللّٰہ۔ کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا رہے گا اور جب ایک شخص بھی ایسا نہ رہے گا تو قیامت آجائیگی اور یہ ساری دنیا عدم کے نذر ہوگی۔

حضرت کتانیؒ کا قول نقل ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ اپنا ذکر مجھ پر فرض نہ فرماتا تو میں اس کا ذکر ذکر کی بزرگی کو دیکھکر نہ کرسکتا۔ بھلا میں اور اللہ جل جلالہ کا ذکر مبارک اگر کروں تو ہزار بار توبہ کروں اور وہ قبول ہو جائیں تب کہیں جاکر ذکر کی صلاحیت زبان میں پیدا ہو۔ اور میں ذکر میں مشغول ہوں۔ بعض کا کہنا ہے کہ ذاکر انسان کی روح قبض کرتے وقت اس سے اجازت لیجاتی ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ شیرینی تین چیزوں

میں تلاش کرو یعنی نماز ذکر اور قرأت قرآن میں اگر تم کو ان میں حلاوت و مٹھاس نہ محسوس ہو تو سمجھ لو کہ تم پر خیر کا دروازہ بند ہے۔ حضرت ابو عثمانؒ کی مجلس میں کسی نے کہا حضور ہم ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں کچھ مٹھاس نہیں پاتے فرمایا اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے ایک عضوِ بدن زبان کو طاعت میں تو رکھا ہے۔

حضرت شبلیؒ کی ابتدائی زندگی کا حال نقل ہے کہ آپ شاخوں کا ایک گٹھا جمع کراتے اور جب دل ذکر سے غافل ہوتا تو خود کو ایک ٹہنی سے سزا دیتے اور اس طرح کسی دن پورا گٹھا اپنے اوپر توڑ کر ختم کر دیتے۔ کبھی وہ گٹھا شام سے پہلے ختم ہو جاتا اور غفلت محسوس ہوتی تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کو دیوار سے مارتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ذکر کی فضیلت کلام الٰہی فرمان نبوی اور اقوال وحالات بزرگانِ دین سے بے شمار جگہ ثابت ہے۔

فکر و سوچ میں پاکیزگی ہو اور صحیح راستہ میں اس کا استعمال ہو

فکر و سوچ بچار کو دین میں بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ فکر ہی سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے بصیرت پیدا ہوتی ہے علوم کا دروازہ کھلتا ہے معرفت کا راستہ نکلتا ہے فہم و عقل بڑھتی ہے۔ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کی پیدا کردہ اشیاء کی قدر و منزلت بیٹھتی ہے غرض فکر معرفت الٰہی کا پہلا اور آخری زینہ ہے اور معرفت صفاتِ الٰہی کی سیڑھی ہے۔ قرآن پاک میں مومنین

کی صفت بیان فرمائی ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً۔ یعنی یہ وہ ہیں جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت میں۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ چند لوگ اللہ عزوجل کے فکر و سوچ میں مصروف تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ اللہ کی مخلوقات میں سوچ بچار کرو اللہ کی ذات میں فکر نہ لگاؤ کیونکہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں فکر کرنے سے قدرت کے کرشمے عقل پر کھلیں گے اس کی قدرت و عظمت اس کی بزرگی و شان کا مظاہرہ ہوگا غرض نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے کس قدر عجائبات ذہن کے سامنے کھلتے چلے جائیں گے اور اس کی ذات و الاصفات پر ایمان و یقین پختہ سے پختہ تر ہوتا جائے گا دل کو طمانیت و تسلی ملتی جائیگی ایک ایک چیز سے عبرت و نصیحت حاصل ہوگی لیکن اگر مخلوقات کو چھوڑ کر خود خالق میں فکر لگ جائے تو ذہن اور بھٹکے گا عقل اور بھٹکے گی حقیقت کی طرف دوڑے گی۔ مگر حقیقت کو نہ پا سکے گی ماہیت کی چھان بین کرے گی مگر اس کا پتہ نہ لگا سکے گی پھر کہیں غیر حقیقی خیالات دماغ میں آئیں گے جو ذہنی انتشار کا سبب ہوں گے اور دینی مسلمات سے اس کو ہٹا دیں گے۔ غرض ذات خداوندی میں فکر و سوچ سے فائدہ کچھ نہیں بلکہ الٹا خطرہ ہے۔ ایک جگہ قرآن پاک

ہیں ہے اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ کہ آسمان وزمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔ حضرت اوزاعی سے پوچھا گیا کہ آسمان وزمین رات و دن میں کس طرح سوچا جائے فرمایا اس آیت کو پڑھا جائے اور اس کے مطالب ومقصد اور اس کی غایات وغرض کو عقل سے بغور سمجھا جائے۔ بزرگان دین نے اسی فکروغور سے معرفت الٰہی تک رسائی پائی ہے اور بلند بلند درجات حاصل کئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بھلائی میں فکر کرنا عمل کی طرف قدم اُٹھاتا ہے برائی پر شرمندہ کرتا ہے اور اس کے چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بخششوں میں سوچ بچار کرنا بہترین اور خوب ترین عبادت ہے کیونکہ عبادت کی خوبیاں اور بھلائیاں اس کے ثمرات ونتائج اس کے برکات ومحاسن فکر ہی سے کھلتے اور واضح ہوتے ہیں جس قدر تفصیل وبسط سے عبادت کے دنیوی واُخروی ثمرات دل میں جاگزیں ہوں گے اسی قدر رغبت ومحبت سے جذبہ اور ولولہ سے دل عبادت کی طرف متوجہ ہوگا اور شوق وذوق سے عبادت عمل میں آئیگی۔ لہٰذا اگر اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو فکر خود ایک باشرف عبادت بھی ہے اور ساری عبادات کی روح بھی ہے جو عبادت فکر سے خالی ہوگی وہ اثر سے بھی خالی ہوگی۔

ابوسلیمانؒ کہتے ہیں کہ اپنی آنکھوں کو رونے کا عادی بناؤ اور اپنے

دل کو سوچنے کا پھر کہتے ہیں کہ دُنیا کے معاملہ میں فکر آخرت سے حجاب و پردہ ہے اور اہل ولایت کے لئے ایک سنگین سزا ہے اور آخرت کے بارے میں فکر سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور دل زندہ ہوتا ہے۔
حضرت حاتمؒ کا کہنا ہے کہ عبرت و نصیحت سے علم کی بنیاد پڑتی ہے۔ ذکر سے محبت کا آغاز ہوتا ہے اور غور و فکر سے خوف کی زیادتی ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ بہتر مجلسیں وہ ہیں جن میں توحید کے مضمون پر فکر مصروف کار ہو۔ معرفت خداوندی کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں اور شربت محبت الٰہی کا دور چل رہا ہو پھر فرمایا کوئی کیا جانے یہ مجلسیں کس قدر قابل قدر و حرمت ہیں اور محبت الٰہی کا شربت کس قدر لذیذ اور مزیدار ہے۔ مبارک ہے وہ جس کو یہ سب کچھ ملا ہو۔

حضرت شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ خاموشی اور سکوت سے کلام اور گفتگو پر قدرت حاصل کرو۔ اور فکر و سوچ سے نتائج معلوم کرنے میں مدد لو۔

حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ حواریین نے حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت کیا آج آپ جیسا بھی کوئی دُنیا میں ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ شخص ہے جس کا بولنا ذکر جس کی خاموشی فکر ہے اور جسکی نظر عبرت ہے ایسا آدمی میرے ہی مثل ہے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جو گفتگو حکمت سے بھری نہ ہو وہ لغو اور بیکار ہے اور جو خاموشی فکر نہ ہو وہ بھول ہے اور جو نظر عبرت و

نصیحت حاصل نہ کرے وہ فائدہ و نفع سے یکسر خالی ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے جس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھکو میرے پروردگار نے نو چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں آپ نے تین چیزیں ہی گنائی ہیں۔ فرمایا کہ میری خاموشی فکر بن جائے میری گفتگو ذکر بن جائے اور میری نظر عبرت و نصیحت ہو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہ بھی حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اَعْطُوا اَعْیُنَکُمْ حَظَّھَا مِنَ الْعِبَادَۃِ کہ اپنی آنکھوں کو بھی عبادت میں حصّہ لینے دو اور اس سے لطف اندوز ہونے دو۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ یہ کیسے ارشاد ہوا یہ اس طرح کہ نظر قرآن کریم پر ہو ذہن فکر میں ہو اور عجائب قرآن سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہو حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ فکر و دھیان سے دو مختصر رکعتوں کی ادائیگی بغیر دھیان کے ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے تو پتہ چلا کہ فکر ہی سے ہر عبادت کی قیمت بڑھتی ہے قدر و منزلت بلند ہوتی ہے دربار الٰہی میں پیش ہو کر اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کا سبب ٹھہرتی ہے۔

حضرت فضیل کا قول ہے کہ فکر انسان کی اچھائی اور برائی دکھانے کا آئینہ ہے ابو شریحؒ کہیں جارہے تھے چلتے چلتے رکے اور بیٹھ کر منہ پر کپڑا ڈال کر رونے لگے لوگوں نے دریافت کیا حضرت

کیا بات ہوئی فرمایا کہ چلتے چلتے میں نے سوچا ہائے عمر میری گذر گئی عمل میرا تھوڑا ہے اور موت قریب ہے۔ گویا فکر سے یہ حقیقت کھُل گئی کہ عمر ختم ہوا چاہتی ہے دُنیا سے کوچ کا وقت قریب ہے۔ اجل کا فرشتہ کوس رحلت بجانے والا ہے اور سفر آخرت تیار ہے مگر اس سفر کے لئے عمل کا توشہ نہیں سفر کی تیاری نہیں اور سفر کٹھن سامنے ہے خطرات سر پر ہیں اور ان سے بچاؤ کچھ نہیں۔ بس یہی خیال انسان کو لرزا دیتا ہے کہ موت کے بعد کیسی بنے گی اور جب اس قسم کی فکر ہی نہ ہو دماغ اس سوچ بچار کا عادی نہ ہو تو غفلت کا پردہ عقل پر پڑا ہی رہتا ہے نہ گذشتہ بدعملی پر ندامت و شرمندگی ہوتی ہے نہ آئندہ زندگی میں کوئی احتیاطی قدم اُٹھتا ہے گویا اس طرح انسان کا ہر قدم خطرہ ہی کی طرف بڑھتا ہے۔

اعضائے بدنی پر سخت پابندی اور کڑی نگرانی ہو

فائدہ:۔ خلاق عالم نے انسان کو جو اعضائے بدنی دیئے ہیں انہیں سے یہ اپنے سارے مقاصد و مطالب میں کام لیتا ہے عقل کی روشنی میں یہ ان سے ہر طرح کی خدمت لیتا ہے اور ایک بادشاہ اور حاکم کی طرح ان پر حکمرانی کرتا ہے اور اپنی مرضی ان پر چلاتا ہے۔ مگر اسکی حکومت اعضاء پر ذیلی اور ضمنی ہے ثانوی اور بالتبع ہے نیابت کے طور پر ہے اصل حکومت اس پر بھی اور اس کے ہر عضو بدن پر خلاق عالم خدا تعالیٰ

کی ہے جس کی طرف سے اس کو ایک مدت کے لئے بطور آزمائش اختیارات سپرد کر دیئے گئے ہیں اور یہ انسان اپنے ہر فعل و حرکت کا اللہ تعالیٰ کے سامنے پورا پورا ذمہ دار ہے جس طرح ایک ماتحت افسر گو اپنے عملہ پر پورے احکام چلاتا اور نافذ کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے بالا افسر کے سامنے ذمہ دار اور ہر خرابی کا جواب دہ قرار پاتا ہے۔ بس اسی طرح بندہ اگر اپنے خادم اعضاء سے صحیح کام لیگا بالا افسر یعنی رب العزت سے انعام و اکرام اور مزید ترقیات کا مستحق قرار پائے گا اور اگر اس نے اعضاء سے بالا افسر کی مرضی کے خلاف کام لئے یا ان پر کوئی نگرانی نہیں کی اور یہ خواہش نفسانی کے ہاتھوں میں کھیلنے لگے تو محکمہ عالیہ آخرت میں افسر اعلیٰ کے سامنے یہ انسان اس غفلت اور غلط عملی کا پورا پورا جواب دہ ہوگا۔ بلکہ یہ انسان اگر اپنے حقیقی بادشاہ سے بغاوت کر کے جادہ مستقیم سے قدم پھیر لیگا تو اس کے خدام اور نوکر چاکر اعضا بھی قیامت میں اس سے بغاوت کر بیٹھیں گے اور سلطانی گواہ کی طرح اس کے خلاف بولیں گے لہٰذا اس انسان پر اعضاء کی صحیح نگرانی کرنی لازم و ضروری ہے کہ ایسا نہیں یہ غلط راستہ پڑ جائیں اور وبال اس کی جان پر آئے۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ قبل اس کے کہ اس کی جانچ کی جائے یہ خود اپنی جانچ کرلے پہلے اس کے کہ اس کا حساب لیا جائے یہ خود اپنا حساب لیلے قبل اس کے کہ اس کے اعمال تولے جائیں اور کھرے کھوٹے کی پرکھ کی جائے یہ خود اپنے اعمال و افعال کو ناپ تول لے جانچ پرکھ لے جیسا کہ عمر رضہ

فرماتے ہیں حَاسِبُوا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْهَا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا۔ یعنی حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا حساب لیلو تولے جانے سے پہلے تم خود ہی ان کو تول لو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی بڑی کڑی نگرانی ہو رہی ہے اس کی ایک ایک حرکت ضبط تحریر کی جارہی ہے تو اس کو چاہئیے کہ خود بھی اپنی نگرانی کرے تاکہ اس کے خلاف ذخیرہ تیار ہو کر ابدی سعادت اس کے ہاتھ سے نہ چھن جائے۔ اور نگرانی کے لئے اس کے یہی اعضا ہیں جن سے یہ جنت بھی کماتا ہے اور دوزخ بھی یہ اس کو ابدی سعادت بھی دلاتے ہیں اور ابدی شقاوت بھی بس انھیں پر لگام لگائے رکھے اور ان کو شتر بے مہار نہ کرے ان سے کام لینے سے پہلے بھی نگرانی رکھے اور کام کرنے کے بعد بھی۔ کام سے پہلے یہ جانچ ہو کہ ان سے غلط کام تو نہیں لیا جارہا ہے اور اس کام پر خدا تعالیٰ کی رضا مندی نصیب ہو گی یا ناراضگی۔

چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی نے آکر نصیحت چاہی تو آپ نے اس کو نصیحت فرمائی۔

اِذَا اَرَدْتَ اَمْرًا فَتَدَبَّرْ عَاقِبَتَهٗ فَاِنْ كَانَ رُشْدًا فَامْضِهٖ وَاِنْ كَانَ غَيًّا فَانْتَهِ عَنْهُ یعنی جب تو کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے سوچ کہ اس کا نتیجہ کیسا ہے اگر بھلا اور نیک ہو تو اسکو

کر گذر اور اگر بُرا اور زشت ہو تو اس سے رُک جا۔
حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت سعدؓ کو نصیحت کی تھی اِتَّقِ اللّٰہَ عِنْدَ هَمِّكَ اِذَا هَمَمْتَ، کہ کام کے ارادہ کے وقت اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اس سے ڈر کر کام کے لئے قدم بڑھاؤ۔ حضرت حسنؒ کہتے ہیں رحم اللّٰہ تعالیٰ عبداً وَقَفَ عِنْدَ هَمِّهٖ فَاِنْ كَانَ اللّٰہ مَضٰی وَاِنْ كَانَ لِغَيْرِهٖ تَاَخَّرَ۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو کام کے ارادہ کے وقت ذرا ٹھہر کر یہ سوچتا ہے کہ یہ کام اللہ کے لئے ہے یا نہیں اگر اللہ کے لئے ہوتا ہے کر گذرتا ہے اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ہوتا ہے تو اس سے اپنے قدم کو پیچھے ہٹا لیتا ہے
حضرت محمد بن علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مومن بندہ بہت ہوش و گوش اور تسلی پسند ہوتا ہے کام کے ارادہ کے وقت ذرا ٹھہر لیتا ہے وہ رات کو لکڑی چننے والے کی طرح نہیں ہوتا لہٰذا حدیث پاک اور بزرگان دین کے اقوال اسی امر کو ثابت کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ اعضائے بدنی سے کوئی کام کیا جائے ان پر جانچ کی نظر ڈالنا لابدی ہے تاکہ کام ان سے ٹھیک سرزد ہوں دنیا بھی سدھرتی جائے اور آخرت بھی سنورتی جائے دل بھی خوش رہے مولا و آقا بھی راضی اور خوش رہے۔ ورنہ ایسا نہیں کہ یہاں کام نکلے اور آخرت میں وہی کام طوق بن کر گلے میں پڑے دنیا بناتے جائیں آخرت کھوتے جائیں۔

اسی طرح اعضائے بدنی سے جب کام عمل میں آجائے تب بھی اس پر سوچ بچار درکار ہے کہ کہیں ان اعضاء سے دھوکے یا غفلت میں غلط اور ناروا کام تو انجام نہ دے لیا گیا۔ ایسا تو نہیں کہ دنیا میں مطلب برآری ہو اور آخرت میں بربادی اور خواری ہو۔ آج خوشی کا سامان مہیا کر لیا ہو اور کل آخرت میں رونے کے اسباب جمع کر لئے ہوں بہرحال کام کے بعد اس قسم کی جانچ پڑتال لازمی ہے ہر کام کو آخرت کے نظریہ سے دیکھنا ہے آج کا نہیں کل کا خیال رکھنا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا صاف صاف فرمان ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؕ یعنی اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیئے کہ دیکھے ہر نفس کہ کیا بھیجا ہے اس نے کل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے بےشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ پھر یہ اعضاء جن پر ہمیں کڑی نگرانی رکھنی ہے سات ہیں یعنی آنکھ کان زبان پیٹ شرمگاہ ہاتھ اور پاؤں لیں زیادہ تر کام کی ذمہ داری انھیں اعضاء پر رہتی ہے اور نگرانی کے قابل بھی یہی ہیں اور انہیں کے بگاڑ پر انسان دوزخ میں جاتا ہے بلکہ یہ جو فرمایا ہے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ ... لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۔ کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ایک حصہ بانٹا ہوا ہے۔ غالباً یہ سات دروازے انہیں سات اعضاء سے مناسبت رکھتے ہیں گویا ہر عضو سے گناہ کمانے والا اپنے مناسب دروازہ سے دوزخ میں بھیجے جانے کا

مستحق ہوگا۔ بدیں وجہ اشد ضروری ہے کہ ان اعضاء پر نگرانی رکھی جائے مثلاً آنکھ کو غلط کاری سے بچا کر نیک عمل پر لگایا جائے۔ خیال رکھا جائے کہ نظر نامحرم عورت امرد لڑکے پر نہ پڑے۔ کسی مومن کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ اور فضول اور بیکار نظر اِدھر اُدھر نہ گھمائی جائے کیونکہ جس طرح فضول کلام پر باز پرس ہوگی اسی طرح فضول نظر پر بھی باز پرس ہوگی بلکہ نظر کو کارخانہ قدرت پر لگا کر ذات خداوندی کی صفات کمال کا پتہ لگایا جائے۔ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے حدیث پاک کا مطالعہ کیا جائے دینی کتب اور وعظ و نصیحت کی کتابوں کو دیکھا پڑھا جائے اس طرح نظر کو اچھے راستہ لگایا جائے تاکہ غلط جگہ پڑھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اسی طرح کانوں سے ناجائز ہے کہ انسان گانا سنے لغو اور جھوٹی جھوٹی باتیں سنے غیبت یا کسی کی بدگوئی سنے یا ایسے اشعار اور نظمیں سنے جو مذہبی نقطہ نظر سے ممدوح نہ ہوں بلکہ کانوں سے قرآن پاک کی آیات سنے احادیث نبوی اور نصائح بزرگان دین و حکایات سلف صالحین سنے وعظ اور دینی تقریریں سنے۔ زبان پر ان سب سے زیادہ پابندی کی ضرورت ہے یہ بڑی فتور مچاتی ہے یہ بگڑتی ہے تو سب کو بگاڑتی ہے اس کی کچھ گذشتہ اوراق میں بھی بیان ہوئی ہے۔ بہرحال یہ بدن کا بڑا انقلابی عضو ہے یہ گو چھوٹی ہے مگر بڑی کھوٹی ہے اس کو ذرا بھی ڈھیل نہ دی جائے۔ اس پر سخت پابندی رکھی جائے اس سے بہت سے گناہ کبیرہ سرزد ہوتے ہیں اس سے ذرا نظر بچائی یہ اپنا کام بنا لیتی ہے

منٹوں میں گناہوں کے تودے لگا دیتی ہے جھگڑے کھڑے کرنے میں بڑی مشاق ہے اشاروں میں لڑاتی ہے جانی اور دلی دوستوں میں چشم زدن میں کھٹ پٹ کراتی ہے جس طرح یہ بُرے راستہ میں اپنے کارنامے دکھاتی ہے اسی طرح اچھے راستہ میں یہ حیرت انگیز کام کر دکھاتی ہے گہری دشمنیوں کو دوستی میں بدلتی ہے بچھڑے ہوئے دلوں کو پھر ملاتی ہے، روتوں کو ہنساتی ہے، روٹھوں کو مناتی ہے مثلاً اگر یہ بندش سے آزاد ہو جائے جھوٹ بولنے لگتی ہے فریب اور دھوکے کا دروازہ کھولتی ہے انسان کو ایسا بے اعتبار اور ناقابل بھروسہ کرتی ہے کہ اُس کی بات میں بے وزن ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے جھوٹ اللہ کے نزدیک زبردست گناہ ہے فرشتے اس کی بُو سے بھاگتے ہیں اللہ کی لعنت کا انسان نشانہ بنتا ہے۔ اگر غیبت اسی سے نکلتی ہو تو اور زیادہ سنگین گناہ کی یہ مرتکب ہوتی ہے بلکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتی ہے بہت سوں کی عزت و آبرو کو دھول میں ملاتی ہے انکی نیکیوں پر پانی پھیرتی ہے اور ان کی نیکی کو دبا کر اُن کی بُرائی اُچھالتی ہے اگر گالم گلوچ کی یہ عادی بن جائے فحش اور فضول بکواس کا اس کو چسکہ پڑ جائے تو لوگوں کی عزتوں کو یہ الگ داغدار کرتی ہے اور رشتۂ اتحاد و اتفاق کو جدا پارہ پارہ کرتی ہے نیک راستہ میں اگر یہ لگا دی جائے تو بھلائیوں کے پہاڑ کھڑے کرتی ہے ذکر الٰہی کر کے انسان کو دیکھتے دیکھتے محبوب الٰہی بناتی ہے اور اس خاکی بندہ کو

نورانی ذات سے جا ملاتی ہے۔ اگر تعلیم و تعلم میں پڑ جائے تو فرشتے انسان کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں کائنات کے تمام جاندار اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اس کو ضرورت ہی کے وقت کام میں لائے۔ ذکر الٰہی سے بہتر اس کے استعمال کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اسی زبان کو نگرانی اور پابندی میں رکھنے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔ یعنی نہیں بولتا کچھ بات مگر نزدیک اس کے نگہبان ہیں تیار۔ یعنی زبان کے ایک ایک لفظ پر نگرانی ہو رہی ہے تو انسان کو بھی چاہیئے کہ اس کو نگرانی میں رکھے اور پابندیوں کی قید میں اس کو جکڑے۔

اس کے بعد پیٹ ہے یہ بھی زبان سے کچھ کم نہیں اس کے کارنامے بھی مشہور ہیں۔ یہ حرام کا گھر ہے اس میں اگر کوئی چیز پہنچ جائے تو اس کو بدن کے رگ و ریشے میں پھیلا دیتا ہے۔ اگر حرام مال ناجائز کمائی ناروا غذا پیٹ میں پہنچ گئی تو صرف پیٹ گندہ نہیں ہوا سارا بدن گندہ و ناکارہ ہوا ہر عضو بدن اثر پذیر ہوا۔ ہر عضو پر نیکی کا راستہ بند ہوا کیونکہ جب ہڈی گوشت اور رگ و ریشہ میں حرام کھیل گیا اور پورا جسم ناپاک ہو گیا تو اب جس حصہ بدن سے عبادت انجام دیجائیگی نامقبول اور مردود ہو گی بالکل اسی قسم کا مضمون حدیث پاک سے بھی ثابت ہے لہٰذا پیٹ کا معاملہ بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ پوری پوری نگرانی کی جائے کہ اس میں کھری کمائی اور حق حلال کی

روزی پہنچے ۔ اللہ کے مقدس بندوں نے پیٹ کی بڑی نگرانی کی ہے
لوگوں سے میل جول کم کر دیا ہے خورونوش کے سلسلے توڑ لیے ہیں کہ کہیں
کسی راہ سے حرام مال پیٹ میں نہ پہنچ جائے یہاں تک کہ خود اپنے ہاتھ سے
کھیتی باڑی کر کے کھایا پیا ہے ۔ غرض حرام لقمہ کو منہ تک نہیں آنے دیا
ہے ۔ شرمگاہ کی حفاظت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کی ذمہ داری پر جنت کی ذمہ داری لی ہے یہ بھی زنا
جیسے زبردست گناہ کا راستہ کھولتی ہے اور وقتی طور سے ایمان تک دل
سے نکال پھینکتی ہے یہ ذرا سی غفلت سے بڑے بڑے پارساؤں
کی پارسائی کو خاک میں ملا دیتی ہے ۔ قرآن مجید میں بھی اس کی حفاظت
کی تاکید ایک جگہ نہیں بہت سی جگہ آئی ہے اور مومنین کی خاص صفت
اسی کو بتایا ہے ۔ چنانچہ حَافِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وغیرہ الفاظ سے شرمگاہ
ہی کی حفاظت پر زور دیا ہے ۔ اب رہے ہاتھ اور پیر تو انسان
کا بدن ان کا بھی بہت محتاج ہے اور نیک و بد راستے ان کے
لئے بھی کھلے ہیں ہاتھوں سے چوریاں کی جائیں ۔ سودی لین دین
ان سے ہو یا رشوت ستانی کے کام میں یہ آئیں ان تمام صورتوں
میں ہاتھ انسان کو گناہ کے راستہ پر ڈالتے ہیں اور بدی کی راہ
لگاتے ہیں ۔

اسی طرح نیکی کے راستے بھی ان کے لئے کھلے ہیں ان سے قرآن
اور حدیث پاک کو تھام کر پڑھا جائے ان سے زکاتیں بانٹی جائیں

صدقہ وخیرات تقسیم کی جائے اپاہجوں کو ان سے کھانا کھلایا جائے اندھوں کی لاٹھی پکڑ کر ان کو راہ لگایا جائے یہ سب راستے نیکی کے ہیں۔ اسی طرح پاؤں پر انسان چلتا پھرتا ہے گناہ کی جگہیں بھی جاتا ہے اور نیکی کی جگہیں بھی یہی پاؤں انسان کو ناچ گانوں میں لیجاتے ہیں شراب خانوں اور رنگ خانوں میں لیجاتے ہیں تو دوزخ کی طرف انسان کو ڈھکیلتے ہیں اور اس کو عذاب کا نشانہ بناتے ہیں اور یہی قدم انسان کو مسجدوں اور خانقاہوں کی طرف لیجاتے ہیں دینی وعظوں اور تقریروں کے جلسوں میں لیجاتے ہیں تو انسان کو جنت کی طرف بڑھاتے ہیں اور اجر و ثواب کا مستحق بناتے ہیں لہذا ہاتھ اور پاؤں ان دونوں پر سخت نگرانی ہو اور ان کی دیکھ بھال میں کبھی غفلت سے کام نہ لیا جائے۔

اگر اعضائے مذکورہ میں سے کوئی غلط کاری کسی عضو سے وجود میں آجائے تو مناسب ہے کہ تنبیہ کے طور پر اس کو تکلیف میں ڈالیں اور اس صورت سے اس کی عادت کو چھڑائیں اور اس کو برائی کا خوگر نہ ہونے دیں۔ اس بارہ میں بزرگان دین اور بزرگواران اسلام سے مختلف واقعات منقول ہیں۔ بعض نے کسی طریقہ سے اپنی غلط کاری کا علاج کیا ہے اور بعض نے کسی اور طریقہ سے۔

منصور بن ابراہیم نے کہا کہ ایک پارسا عبادت گذار نے ایک نامحرم اجنبی عورت سے بات چیت کی اور ایسی نوبت آگئی کہ اس نے عورت کی ران پر ہاتھ رکھدیا یک بیک چونکا شرمندہ اور نادم ہوا اور

دست حسرت ملا کر یہ میں نے آخر کیا کیا۔ چنانچہ اپنی غلطی کی پاداش میں ہاتھ کو آگ پر رکھ کر سکھا دیا۔ ہاتھ کا قصور تھا ہاتھ ہی کو ختم کیا۔ بنی اسرائیل کے ایک عبادت گذار کا بھی ایسا ہی قصہ مشہور ہے وہ اپنے کسی گرجے میں عبادت کرتا تھا اور ایک بڑی مدت عبادت ہی میں گذار دی ایک دن گرجے کے اوپر چڑھا اچانک ایک عورت پر نظر پڑی اس پر جان و دل سے فریفتہ ہو گیا اور چاہا کہ اتر کر اس کی طرف جائے جونہی کہ اس نے اپنی ٹانگ نیچے جھکائی دل میں بیداری کی بجلی کوند گئی سوچا یہ میں کیا کر رہا ہوں اپنے ارادہ کی پوری قباحت اس پر کھل گئی بہت شرمندہ اور نادم ہوا اب جب پھر گرجے میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا سخت غیرت آئی کہ اس پاؤں کو دوبارہ گرجے میں کیسے رکھے جو گناہ کی طرف بڑھ چکا ہو۔ آخر غیرت نے پاؤں اٹھانے کی اجازت نہیں دی اور اس کو اسی طرح لٹکا ہوا چھوڑ دیا حتی کہ بارشوں ہواؤں برف باری اور دھوپ وغیرہ نے اس کو وہیں سکھا دیا۔ یہ پاؤں کی لغزش تھی۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ابن الکریبی کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ایک رات مجھ کو نہانے کی حاجت ہو گئی رات سخت ٹھنڈی تھی طبیعت نہانے سے سے جھجکی اور دل میں سوچا جانے دو صبح پانی گرم کر کے نہائیں گے یا حمام میں جا کر غسل کریں گے غرض اس وقت نہانے کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے نفس تیار نہیں ہوا ایک دم میری غلطی مجھ پر کھل گئی۔ چونک پڑا

میں سال بھر تک آپ رات کو نہ سوئے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی نقل ہے کہ جب رات ہوتی تو اپنے پاؤں پر دُرّہ مارتے اور فرماتے کہ آج تو نے کیا کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اعضائے بدنی پر پوری نگرانی رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ پہلے تو کام سے پہلے انسان کام کے نتائج سوچ لے اور کام وجود میں آجائے تو پھر ایک نظر سے دیکھے کہ کام کیسا ہوا ایسا تو نہیں دنیا کا کام بنا ہو آخرت کا کام بگڑا ہو۔ اگر پتہ چلے کہ غفلت میں لغزش ہو گئی تو خود آپ کو تنبیہ کرے اور آئندہ کے لئے اس کو محتاط بنائے۔ اگر انسان اس طرح کے محاسبہ کا عادی ہو جائے تو پھر آخرت کے اس عام محاسبہ سے وہ بری ثابت ہو گا جس کا کھلے الفاظ میں کلامِ خداوندی سے اعلان ہے یعنی وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۔ یعنی اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہو گا کسی جان پر ایک ذرّہ اور اگر ہو گا برابر رائی کے دانہ کے تو ہم لے آئیں گے اس کو اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو۔

دل میں سکون و اطمینان ہو، پروردگارِ عالم کی عظمت و بزرگی ہو

فائدہ۔ دل جو حاکم بدن ہے اور پورے بدن پر حکمرانی اور فرمان روائی کرتا ہے یہ بیش از بیش تبدیلیوں کا شکار رہتا ہے صحبتوں سے اور انقلابا

زمانہ سے بہت جلد اثر پذیر ہوتا ہے۔ اس کو کسی حال پر مشکل سے قرار
ملتا ہے۔ آج اگر شیطان کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے تو کل نیکی اور تقوے
میں سر آمد روزگار ہے۔ اس کی زمام اختیار دراصل خدا تعالیٰ کے ہاتھ
میں ہے وہ جدھر چاہتا ہے اس کو پھیرتا ہے جس رُخ میں چاہتا ہے
اس کو موڑتا ہے اُس نے خود فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ
کہ پھیر دینگے ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو۔ چنانچہ دل کی اسی انقلابی
کیفیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگا کرتے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ
ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو
دین پر برقرار رکھ حدیث پاک میں دل کی اسی بدلتی ہوئی کیفیات کی بڑی
پاکیزہ مثالیں دی گئی ہیں کہیں فرمایا ہے کہ دل ایک چڑیا کے مانند ہے
جو ہر گھڑی میں اپنی حالتیں بدلتی اور پلٹتی ہے۔ کہیں فرمایا ہے کہ دل
مانند اس پر کے ہے جو جنگل میں پڑا ہوا ہے اور اس کو ہوائیں اُلٹ
پلٹ کر رہی ہیں۔ غرض دل کو قرار وچین نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ایک
پارہ کی ڈلی ہے جو ہر وقت حرکت میں رہتی ہے۔

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ جس کو ایمان نصیب فرما کر اس کو دینی ذوق عطا
فرمائے اور ایمان کی محبت اس کے دل میں رچ جائے تو واقعی اس
کے دل کو چین و اطمینان تسلی اور سکون صحیح معنی میں ملتا ہے نہ انقلابات
زمانہ اس کو دوسرے رُخ میں پھیر سکتے ہیں نہ بُری صحبت کا اس پر کچھ
اثر ہو سکتا ہے۔ وہ نہایت پُرسکون طریقہ سے اللہ سے (اپنی) لو لگاتا ہے

رکھتا ہے کوئی چیز اس کے ہاتھ سے کھو جائے اس کو قلق و اضطراب بےچینی و پریشانی نہیں کوئی چیز اس کو مل جائے اس کو مسرت و خوشی نہیں وہ ہر حال میں ایک جیسا رہتا ہے۔ دنیا والے جب انقلابات زمانہ کے ہاتھوں سخت بےچینی کے شکار ہوتے ہیں یہ اپنے پروردگار کی محبت میں اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کرتا ہے ایسے دلوں ہی کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ سچ ہے جس نے اللہ سے دل لگا لیا اس نے حقیقی سکون و اطمینان کا مزا چکھ لیا اور جس نے اللہ سے اپنا رشتہ توڑا وہ ہمیشہ بےچینی کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا۔ دوسری جگہ ایسے ہی دل و نفس کو نفس مطمئنہ کے نام سے یاد فرمایا ہے ارشاد ہوا یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ کہ اے اطمینان و سکون کے خوگر نفس اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

پس مومن دنیا میں اسی رضامندی کی فضا میں جیتا ہے جب وہ اپنے رب کے ہاتھ میں ساری طاقت دیکھتا ہے اور دنیا کو اسی کی قدرت کا مظہر پاتا ہے اور اس کے کاموں سے وہ ہر طرح راضی و خوش ہے تو اب ہر حال سے وہ راضی ہے ہر کیفیت سے وہ خوش ہے کوئی بےچینی اس کے دل تک راہ نہیں پاتی کوئی تشویش اس کے مضبوط دل کو نہیں ہلا سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سچا مومن سکون

واطمینان کا مالک ہوتا ہے اضطراب اور بے چینی سے ناآشنا اور ناواقف ہوتا ہے۔

پروردگار کی عظمت و بزرگی جب تک دل میں سرایت نہ کر جائے مومن دینی اور اخلاقی بہت سے مدارج طے نہیں کر سکتا بلکہ اس کے خلاف اس میں مذہبی اور اخلاقی بہت سے عیب پیدا ہو جاتے ہیں دل میں تکبر و غرور کے جذبات موج زن ہوتے ہیں خود پسندی کا مادہ رونما ہوتا ہے خود کو بڑا دوسرے کو چھوٹا جاننے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر فرامین و ارشادات کی قدر و منزلت اس کے دل میں گھٹ جاتی ہے۔ گویا پروردگار کی عظمت سے نظر ہٹنے پر بہت سے مصائب کا دروازہ کھلتا ہے، ظاہر ہے جو مومن اللہ کی عظمت و جلال پر اپنی نظر جمائے رکھے گا اور اسکی بے پناہ سطوت و جبروت کا خیال دل میں باقی رکھے گا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے وجود کو بھی حقیر و ناچیز جانے گا اپنی خلقت کو دیکھکر خود کی حقیقت اس کی نظر سے گر جائیگی تو اس میں تواضع و خاکساری عاجزی و فروتنی جیسی خوبیاں جڑ پکڑیں گی اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ حقیر خود کو جانے گا اور سب سے بڑا اپنے مولا اور آقا خدا تعالےٰ کو اور اپنی حقارت اور اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت کا لامحالہ یہ تقاضا ہوگا کہ یہ اللہ کے سامنے جھکے گا اللہ کے ہر حکم کو بسر و چشم تسلیم کرے گا اور کبھی اس کے فرمان سے سرتابی نہ کرے گا۔ اسی طرح دوسرے انسانوں کے سامنے بھی یہ عاجزی اختیار کرے گا خوش خو اور با اخلاق

ہوگا یا یوں سمجھئے کہ پروردگار عالم کی بڑائی میں سب کی بڑائیاں اور بزرگیاں اس کی نظر میں گم ہوتی معلوم ہوں گی۔ حتیٰ کہ خود کو بھی اس میں گم پائے گا اور بدیں صورت تکبر و غرور جو ایک بہت بڑا مہلک مرض ہے اس کی جڑ کٹ جائیگی اور عجب یعنی خود پسندی جو اخلاقی زندگی کے لئے تقریباً مرض الموت ہے وہ بھی بالکل مٹ جائے گا۔ دوسرے رُخ میں تواضع و خاکساری پیدا ہوگی جو ایک دیندار مومن کا روشن جوہر ہے جس سے ہر چیز میں آب و تاب آتی ہے۔ عبادت مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کو انسان محبوب ہوگا اور بندوں کو بھی پیارا ہوگا۔

غصہ اور غضب کی کمی ہو!

فائدہ:۔ غیظ و غضب بڑی مہلک نفسانی بیماری ہے جھگڑوں کی جڑ ہے لڑائیوں کا گھر ہے دشمنی کا آغاز ہے حسد و کینہ کی ابتدا ہے۔ دنیا میں بھی اس کی خرابیاں صاف اور کھلی ہیں اور آخرت میں بھی یہ بد خصلت تباہ کن ہے۔ انسانوں میں بھی نفرت پھیلاتی ہے اور اللہ کو بھی ناراض و ناخوش کرتی ہے۔ غرض انسان کو یہ بد عادت نہ دنیا کا رکھتی نہ آخرت کا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا آپ نے پھر وہی

جواب دیا کئی بار ایسا ہی ہوا (بخاری)
ملاحظہ کیجئے وہ نصیحت چاہتا ہے اور نہ معلوم نصیحت کی کیا تفصیل دماغ میں لیکر آیا ہے مگر جواب جب صرف ایک بات میں ملتا ہے تو تسلی نہیں ملتی کیونکہ غصہ کے اندر برائیوں کا جو سمندر موجزن ہے وہ اس کی نظر سے اوجھل ہے بار بار سوال کرتا ہے اور بار بار وہی جواب پاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ بار بار جواب سے درپردہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس بات کی وحدت کو نہ دیکھ اس کے بُرے نتائج کی کثرت کو دیکھ یہ ایک بُرائی نہیں بُرائیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ ایک عیب نہیں صدہا عیبوں کا خزانہ ہے۔

ایک بار حضرت ابن عمرؓ نے مختصر الفاظ میں نصیحت کا مطالبہ کیا تو ان کو بھی آنجناب نے غصہ سے روکا اور بار بار سوال کا یہی جواب دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ کہ پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے (بخاری ومسلم)
واقعی نفس پر قابو پانے کے مقابلہ میں بدن پر قابو پانا بہت آسان وسہل ہے۔ کیونکہ بدن تو نفس ہی کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے بدن کے سارے حالات پر نفس ہی کو اقتدار حاصل ہے جب نفس کو قابو میں لے لیا تو گویا طاقت کا انتہائی کارنامہ دکھایا۔ اور غصہ کے وقت انسان

بے قابو ہو جاتا ہے۔ انسان جذبات میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے انتقامی کیفیت جوش میں ہوتی ہے عقل سے دور شیطان سے قریب تر ہوتا ہے۔ اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ الغَضَبَ مِنَ الشَّیطَانِ کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہذا ان کیفیات میں نفس کو شیطانی اثرات سے چھڑانا طبیعت کے جوش اور ابال کو ٹھنڈا کرنا اور تقریباً کھوئی ہوئی عقل کو پھر بیدار کرنا معمولی کام نہیں اور جو اس خطرہ میں اپنی طبیعت پر قابو پا سکتا ہے وہ یقیناً ہر خطرہ نفس کو سر کر سکتا ہے۔ ایک بار آنحضرت نے مثال سے غصہ کی برائی ظاہر فرمائی ہے فرمایا اِنَّ الغَضَبَ لَیُفْسِدُ الاِیمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ العَسَلَ کہ البتہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ درحقیقت غصہ میں ہر چیز خطرہ میں پڑتی ہے عزت و آبرو خطرہ میں جان خطرہ میں اور ایمان تک خطرہ میں بہت سے موقعوں پر انسان غصہ میں کفر کے کلمات بک دیتا ہے نعوذ باللہ اللہ اور رسول کو برا بھلا کہہ بیٹھتا ہے۔ گویا فرماتا ہے کہ ایمان جیسی شیریں اور میٹھی چیز میں غصہ کی بدمزگی اور کڑواہٹ کی ملاوٹ ایمان کی پاکیزگی اور مزہ داری کو ختم کر دیتی ہے۔ مومن میٹھے اخلاق کا ہوتا ہے مرنج و مرنجان ہوتا ہے نہ خود بھڑکتا ہے نہ دوسروں کو بھڑکاتا ہے۔ نہ خود بگڑتا ہے نہ دوسروں کو بگڑنے کا موقع دیتا ہے۔ اسلئے ایمان کے تقاضوں سے یہ بات بالکل خارج ہے کہ انسان کسی امر میں غصہ سے کام لے۔ خود کو بھی برباد کرے اور

دین کو بھی بدنام کرے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے غصہ کو روکا اور دبایا اللہ تعالیٰ نے اس کے عیبوں پر پردہ ڈالا اور حضرت انسؓ سے اس طرح مروی ہے کہ آنجنابؐ نے فرمایا جس نے غصہ روکا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے اس کو بچائے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کا حلم معلوم کرنا ہو اور اس کی بردباری کا پتہ لگانا ہو تو غصہ کے وقت اس کی حالت سے اس کا پتہ لگاؤ اور امانت داری کسی کی جانچنی ہو تو اس وقت اس کے پاس امانت رکھو وہ سخت حاجتمند اور ضرورت مند ہو۔ واقعی ان نفسیاتی خطرات کے وقت ثابت قدمی کا ثبوت دینا بڑی مردمی اور بہادری ہے۔ اور یہ ہر ایک کا کام نہیں سیکڑوں کا قدم لغزش کھاتا ہے ڈگمگاتا ہے اور آخر اختیار کی لگام ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ ایک نبی کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے متبعین سے فرمایا کہ تم میں سے کون غصہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اگر کوئی عہد کرے گا وہ میری زندگی میں میرا اہم درجہ ہوگا اور میرے بعد میرا خلیفہ شمار ہوگا۔ لوگوں میں سے ایک جوان اٹھا اور کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی غصہ نہ لاؤں گا نبی نے پھر دوبارہ کہا جوان نے پھر دوبارہ اعتماد دلایا لہٰذا جب وہ نبی وفات پا گئے تو وہی جوان ان کی جگہہ مانے گئے۔ یہ جوان ذوالکفلؑ تھے جن کا نام نامی قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ بلکہ ان کو ذوالکفل اسلئے کہتے تھے کہ انہوں نے غصہ نہ لانے

کا خود کو کفیل ٹھہرایا تھا۔

اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ غصہ کا مادہ کیا ہمیشہ کے لئے مٹایا جا سکتا ہے تو یہ امر نہ تو قابل عمل ہے نہ ممدوح۔ اگر یہ قابل عمل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس پر قدرت رکھتے حالانکہ آپ کو غصہ آتا تھا یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک تک سرخ ہو جاتے بلکہ خود ہی فرمایا اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ کہ میں بھی بشر ہوں جس طرح بشر کو غصہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ کی ہر بات لکھوں جو آپ فرمائیں خواہ آپ غصہ میں ہوں یا خوشی میں آپ نے فرمایا ہاں لکھو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھکو حق لیکر نبی بنا کر بھیجا ہے اس سے نہیں نکلتا ہے مگر حق ہی اور اپنی زبان مبارک کی طرح اشارہ فرمایا یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ کب آتا ہے کہ غصہ اور خوشی کا سوال اٹھاتے ہو بلکہ فرمایا کہ غصہ مجھکو حق گوئی سے نہیں ہٹاتا جس طرح اوروں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ غصہ میں حق گوئی کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور زبان بلا تمیز جو چاہتی ہے کہتی ہے یہ حدیث غصہ کے وجود کو حق بھی بتاتی ہے اور اس کے لئے جائز حدود بھی قائم کرتی ہے ایک بار حضرت عائشہ رضؓ کو غصہ آیا حضور اقدسؐ نے فرمایا تمہارے پاس تمہارا شیطان آگیا ہے۔ آپ نے کہا حضور آپ کے لئے شیطان نہیں ہے فرمایا ہاں ہے لیکن میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو اس پر قبضہ دیدیا ہے اور وہ اسلام

لے آیا ہے اور اب مجھکو بھلی بات ہی بتاتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ میرے لئے کوئی شیطان نہیں ہے بلکہ ارشاد ہوا کہ شیطان تو ہے بُرائی کی طرف اشارہ کرنے کی اس کو تاب نہیں کہ مثلاً غصہ پر مجھکو اُکسائے یا بھڑکائے یہ اس کی ہمت نہیں۔ یہ جرأت اس کے بس کی نہیں۔

نیز آپ غصہ دُنیا کے کسی معاملہ میں نہ کرتے بلکہ حق کے معاملہ میں آپ کو غصہ آتا یعنی جبکہ حق پائمال ہوتا ہو دین کی توہین ہوتی ہو حدود اللہ کھلے بندوں جسارت سے توڑے جا رہے ہوں تو ایسے موقعوں پر آپ حق کا پاس فرماتے اور مزاج مبارک میں غصہ کی لہر دوڑ جاتی۔ لہٰذا آپ کے عمل مبارک سے ہم اس حقیقت کو اصول کے طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی طبیعت سے غصہ بالکل نہیں مٹ سکتا اور نہ ہی مٹنا چاہیئے اگر مٹ سکتا یا مٹنا اچھا ہوتا تو سب سے پہلے آپ میں غصہ شمہ برابر نہ ہوتا حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ گویا غصہ تھوڑا ضرور ہو مگر آپ ہی کے حال سے اس کا بھی علم ہوا کہ غصہ میں انسان حق گوئی کا دامن کبھی نہ چھوڑے اور غصہ دُنیا کے معاملات میں نہ ہو بلکہ امور آخرت میں ہو اگر ان حدود و شروط سے غصہ آئے تو وہ غصہ نہایت ممدوح ہے یہ غصہ دراصل حمیت حق کہلاتا ہے یعنی حق کے بچاؤ کے لئے آتا ہے جو یقیناً قابل تعریف ہے۔

چنانچہ صحابہؓ کی تعریف قرآن پاک میں بدیں الفاظ آئی ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کہ یہ لوگ سخت ہیں کافروں پر اور رحم والے

ہیں آپس میں۔ اور بزرگ ہستیوں کو دنیوی اور ذاتی معاملات پر غصہ اسلئے نہیں آتا کہ ان کی توجہ تمام تر آخرت کی طرف ہوتی ہے یہاں کی اچھائی برائی کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے۔

حضرت سلمان رضؓ کو کسی نے گالی دی تو بجائے غصے ہونے کے آپ نے فرمایا اگر میرے اعمال ترازو میں قیامت کے روز ہلکے رہے تو میں تیری بات سے زیادہ برا ہوں اور اگر میرے اعمال بھاری رہے تو تیری بات مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ آپ کا دل ہر بات کو آخرت کے نقطۂ نظر سے دیکھ لیتا تھا۔ آپ اچھائی وہاں کی قابل وقعت سمجھتے تھے یہاں دنیا کی اچھائی برائی نظر سے گر چکی تھی اسلئے ان کو غصہ کیوں آتا۔ اور دنیا کا دلدادہ جو دنیا کی ایک ایک چیز پر جان دیتا ہے اور عزت دراصل یہیں کی جانتا ہے اس کو اگر دنیا کا ذرا سا نقصان پہنچتا ہے چراغ پا ہو جاتا ہے اور آپ سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح کا کلام حضرت ربیع بن خیثم کا منقول ہے کہ کسی نے ان کو گالی دی فرمایا اللہ نے تیرا کلام سن لیا۔ اور جنت سے پہلے ایک گھاٹی آرہی ہے۔ اگر میں اس سے صحیح سلامت گذر گیا تو تیری بات مجھکو نقصان نہیں پہنچائیگی اور اگر میں اس سے سلامت نہ گذر سکا تو تیری بات سے بھی زیادہ میں برا ہوں۔ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو کسی نے گالی دی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے میرے عیب جو تجھ سے چھپا رکھے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ آپ کی بلند قدرتی کی وجہ سے آپ اپنے

نفس کو بہت حقیر نظر سے دیکھتے تھے اب اگر کوئی آپ کی توہین کرتا تو آپکو وہ توہین بُری نہ لگتی جو شخص اپنے کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اس کو اپنی ذراسی توہین بہت ناگوار لگتی ہے اور جو خود ہی اپنے کو گھٹیا جانے وہ دوسروں کے گھٹانے کہنے یا جاننے سے کیوں بُرا مانے۔

حضرت مالک بن دینارؒ کو کسی عورت نے کہا " اوریا کار" آپنے جواب میں فرمایا کہ واقعی تجھ سے زیادہ مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ یہ نفس کے معاملات ہیں اور ذاتیات کی بحث ہے اس سلسلہ میں تو واقعی بزرگان دینؒ غصّہ کی جڑ کھود کر پھینک دی تھی۔

حضرت شعبیؒ کو کسی نے گالی دی فرمایا اگر تیری بات سچی ہے تو اللہ تعالیٰ میرے قصور معاف فرمائے اور اگر تیری بات جھوٹی ہو تو اللہ تعالےٰ تیرے قصور معاف فرمائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصل کتاب میں غصہ کی کمی کو جو آداب میں شمار کیا ہے اس کے معنی ان مذکورہ حالات کی روشنی میں یہ قرار پاتے ہیں کہ دُنیا کے معاملات اور ذاتی امور میں مومن غصہ کو جہاں تک ہو سکے اور بن پڑے کم کرے۔

محبت کو چھپایا جائے اور اس کے افشا سے اجتناب ہو

فائدہ:۔ ایمان کا سب سے اہم تقاضا ہے کہ مومن کے دل میں اللہ جل جلالہٗ کی محبت ہو اس کی محبت و اُلفت سے ہر وقت اور ہر دم

دل سرشار رہے۔ لیکن اس محبت کے ساتھ یہ ادب ملحوظ و منظور رہے
کہ اس کا افشا نہ ہو مومن اس کو ایک قیمتی راز کی طرح دل میں جگہ دے
اور قیمتی شے کی طرح اس کو منظر عام پر لانے سے اجتناب کرے۔ کیونکہ
کئی وجوہ سے اس کا اظہار مناسب نہیں اول تو یہ کہ اللہ جل جلالہ کی
بزرگی و عظمت کا تقاضا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اس کے راز سے واقف
نہ کیا جائے جس طرح وہ خود نہیں دکھتا اس کے اسرار و رموز کو بھی نہ دکھایا
جائے بس دل سمجھے یا وہ سمجھے۔ دوسرے محبت کے اظہار اور دعوے
میں غلط بیانی مبالغہ خلاف حقیقت الفاظ نکل جانے کا خطرہ ہے
کیا پتہ محبت کس درجہ کی ہے اور الفاظ سے کیا درجہ ظاہر ہو رہا ہے تو
یہ تو دروغگوئی اور کھلی غلط بیانی ہوئی جو بڑا سنگین گناہ ہے دنیا میں
اس پر عتاب کا خوف ہے اور آخرت میں عذاب کا ڈر ہے اسی طرح
اس میں اور بھی قباحتیں ہیں۔ بہر حال محب اپنے محبوب کی محبت کو
راز ہی میں رکھتا ہے اور اس کے ہر بھید کا اسی قدر احترام کرتا ہے
جس قدر اس کا خود کا احترام اس کو منظور ہوتا ہے۔ ہاں اگر مجبوری
اور معذوری میں اظہار محبت ہو جائے تو وہ محبت کے تقاضوں کے
خلاف نہیں مثلاً محبت بعض وقت عاشق کو بے خود اور بے شعور سا
کر دیتی ہے ایسے وقت کے سارے افعال قابل گرفت نہیں ہوتے
بلکہ قابل معافی ہوتے ہیں۔ اور ہر گرفت سے بالاتر ہوتے ہیں بعض
عارفین باللہ نے محبت کے چھپانے کے سلسلے میں یہاں تک کہا ہے

کہ اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہے جو بار بار جگہ بے جگہ اللہ کی ذات کی طرف اشارے کرے اور اس کی محبت کے حوالے دے اور یوں محبت کے راز کو بے نقاب کرے بلکہ فرمایا ہے کہ یہ تو اللہ کے غصہ اور ناراضگی کا سزاوار ہے۔ نقل ہے کہ ایک بار ذوالنون مصریؒ کسی حبیب خدا کے پاس تشریف لے گئے وہ کسی تکلیف اور آزار میں مبتلا تھے آپ نے ان صاحب سے فرمایا بھائی جس شخص نے تکلیف کا دکھ محسوس کیا اس نے اللہ سے محبت نہیں کی وہ صاحب بولے جی نہیں میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس نے تکلیف سے مزا نہیں لیا اس نے اللہ سے محبت نہیں کی۔ پھر حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس کی محبت مشہور ہو جائے اس نے اللہ سے محبت ہی نہیں کی تو وہ صاحب بولے واقعی اس سے میں بھی معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں یہاں یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ مقامات قرب میں محبت انتہائی منزل ہے اور اس کا اظہار تو ایک بھلائی کا اظہار ہے پھر وہ برا کیوں سمجھا جائے تو یوں سمجھئے کہ محبت بیشک محمود ہے اور اس کا اظہار بھی محمود لیکن قابل مذمت چیز دکھاوا ہے کیونکہ وہ ایک تکبر اور بناوٹ کی شکل ہو جاتی ہے جو محب کے لئے ہرگز زیبا نہیں بلکہ محب صادق تو وہ ہوتا ہے جس کی پوشیدہ محبت پر اس کے افعال واحوال غمازی کرتے ہیں اس کے اقوال نہیں بتاتے۔ البتہ اگر بلا قصد وارادہ محبت کا راز کھل جائے تو مضائقہ نہیں نہ اس فعل

کرنے میں کوئی قباحت ہے جس سے محبت ٹپکتی ہو محب کا مقصد تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ حبیب اس کی محبت سے باخبر ہو جائے باقی یہ کہ دوسرے بھی اس سے واقف ہوں تو محبت کی راہ میں یہ تو شرک ہے اور سچی محبت کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔

پھر فرشتوں کی محبت قابل عبرت ہے ہزاروں اور لاکھوں برس ہو گئے کہ رات و دن یاد الٰہی میں لگے ہوئے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ عبادت سے منھ موڑتے ہیں اور نہ جان چراتے ہیں اور جس کام پر ان کو لگا دیا گیا ہے بس اسی پر مٹے پڑے ہیں اگر کوئی محب عارف ہوگا تو فرشتوں کی ان والہانہ کیفیات و حالات کو دیکھ کر اس کو خود ہی اپنی جان حقیر لگے گی اور خود کو کسی شمار میں نہیں لائے گا۔

چنانچہ ایک صاحب کشف محب کا قصہ نقل ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے مسلسل تیس سال تک اپنی پوری ہمت و طاقت سے اور دل و بدن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور گمان کر بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا کچھ مرتبہ ہو گیا اور مکاشفات کا سلسلہ شروع ہو گیا چنانچہ ایک مرتبہ فرشتوں کی صف میں جا پہنچا میں نے ان سے پوچھا آپ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا ہم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہیں اور تین لاکھ برس سے یہیں اس کی عبادت میں مصروف و مشغول ہیں اس درمیان میں ہمیں سوائے ذات خداوندی کے کسی چیز کا خیال تک نہیں آیا نہ اپنی محبت کا ہم نے کسی سے ذکر کیا وہ بزرگ

کہتے ہیں کہ فرشتوں کا یہ کلام سُنکر مجھے اپنے حقیر عملوں سے اس قدر شرمندگی پیدا ہوئی کہ میں نے اپنے عمل اُس شخص کو بخشدیئے جس کے حق میں دوزخ کی وعید ہے تاکہ ان عملوں سے اس کا دوزخ کا عذاب ہلکا ہوجائے۔ واقعی جس نے اپنے نفس کو جان لیا اور اپنے پروردگار کی بھی معرفت کی اور پھر اس کو خود پر شرمندگی محسوس ہوئی تو اُس کی زبان اظہارِ محبت سے گنگ ہوگئی اور اس راستہ میں دعوے کی اس کو کبھی جرأت نہ ہوسکی۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اُستاد شیخ سریؒ ایک مرتبہ بیمار پڑے ہم نہ ان کی بیماری کو پہچانے نہ اس کے علاج کو مجھے ایک طبیب حاذق سے معاملہ رجوع کیا اُس نے ایک قارورہ طلب کیا میں شیخ کا قارورہ لے گیا طبیب اس کا معائنہ کر کے بولا یہ قارورہ تو کسی عاشق کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ طبیب کے یہ الفاظ سُنکر میں بیہوش ہوکر گر پڑا اور قارورہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور ٹوٹ گیا۔ میں نے واپس آکر حضرت شیخ کو یہ سارا قصہ سنایا آپ مسکرائے اور فرمایا اللہ اس کا بُرا کرے اُس نے کیسے پہچان لیا میں نے دریافت کیا کہ بزرگوار کیا محبت قارورہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔

اللہ اکبر محبت عاشق کے رگ رگ سے جھلکتی اور نمودار ہوتی ہے نہ وہ چھپائے سے چھپتی نہ دبائے سے دبتی۔ گو زبان کچھ نہ کہے مگر چال ڈھال رفتار و کردار رنگ و بو چہرہ مہرہ غرض ہر چیز محبت کی جاسوسی کرتی ہے

اور اس کے راز کو بے نقاب کرتی ہے۔

ہر کام میں ہمیشہ اخلاص یعنی صرف خدا تعالےٰ کی خوشنودی ورضامندی پیش نظر ہو

فائدہ:۔ خدا تعالیٰ نے بندہ کو پیدا فرمایا اور اس سے اپنی عبادت کا تقاضا کیا اور اسی تقاضے کے ماتحت دین بھیجا پھر صاف اور کھلے الفاظ میں یہ بھی فرما دیا کہ دین کی ساری قدر و قیمت اخلاص میں مضمر اور پوشیدہ ہے۔ اگر اخلاص ہے چھوٹی سے چھوٹی عبادت مقبول ہے اگر اخلاص نہیں بڑی سے بڑی عبادت اکارت و رائگاں ہے۔ اخلاص دین کے ہر کام کی روح وجان ہے۔ اخلاص سے خالی عمل لاشہ بے روح ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوئی قیمت نہیں۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۰ یعنی میں نے اتاری تمہاری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر واللہ کی خالص کرکے اس کے واسطے بندگی سنتے ہو اللہ ہی کے لئے ہے بندگی خالص۔ ملاحظہ کیجئے بار بار بتاکر کے بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین خالص کی مانگ ہے اخلاص والی عبادت درکار ہے۔ ریاء اور دنیوی اغراض سے بھری بندگی کا اثر کیا کرتا ہے اور کیا نا انصافی کی بات ہے بندہ اسی کا دین اتارا ہوا اسی

کا اور وہ اپنے بندہ سے مطالبہ کرے کہ اس میرے دین سے تو میری خوشنودی طلب کر اور وہ لگے اپنے جیسے بندوں کی رضامندی ٹٹولنے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے، یہ اس کی سراسر ناانصافی ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی صاف فرمایا وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ یعنی ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی۔

غرض قرآن پاک میں بہت سی جگہ اخلاصِ عبادت کی تاکید آئی ہے اور مطلب یہی ہے کہ خالص عبادت مقبول ہے اور دنیوی اغراض سے بھری مردود۔

احادیث پاک میں بھی بہت سے مقامات میں اخلاص عمل کی زبردست اہمیت وارد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور ایک ایک کر کے گنائے گا اور وہ سب کو یاد کرے گا پھر فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا وہ کہے گا میں تیرے راستہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو غلط کہتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ تو تو اسلئے لڑا کہ تجھ کو بہادر کہا جائے تو ایسا کہہ دیا گیا پھر ان کو دوزخ میں منہ کے بل گھسیٹ کر ڈالدیا جائے گا پھر عالم دین کو بلایا جائے گا اور نعمتیں یاد دلاکر اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے ان کے

شکر نہیں کیا گیا وہ کہے گا میں نے علم سیکھا سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹ بولتا ہے غلط بیانی سے کام لیتا ہے تو نے تو علم اسلئے پڑھا کہ تجھکو عالم کہیں قرآن اسلئے پڑھا کہ تجھکو قاری کہیں تو یہ سب کچھ کہا جا چکا پس اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹوا کر دوزخ میں ڈلوا دیا جائے گا پھر ایک سخی مالدار کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا جس کا وہ اقرار اور اعتراف کرے گا پھر فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا وہ کہے گا کہ میں نے کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں پیسہ صرف کرنا تجھ کو پسند ہو اور میں نے اس میں پیسہ صرف نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو غلط کہتا ہے دروغ گوئی سے کام لیتا ہے تو نے پیسہ اسلئے صرف کیا کہ تجھ کو سخی کہیں تو ایسا کہہ دیا گیا پھر اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹوا کر دوزخ میں ڈلوا دیا جائے گا۔ اللہ اکبر چوٹی کے اعمال کہ ہر ایک عمل خلاصہ دین نظر آتا ہے مگر نیت کے بدلنے سے ارادے کے ہیر پھیر سے اُن کے کرنے والوں کو دوزخ میں لے گرے جب ایسے بڑے عمل نیت کے کھوٹ سے اللہ کی نظر سے گر جائیں تو چھوٹے عملوں کی تو کیا چلائی ان کا تو کہنا ہی کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ پورے دین اسلام کی بنیاد اور اساس خلوص نیت پر برقرار ہے اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے یا بگڑ جائے تو پورے دین کی عمارت زمین پر آرہتی ہے اور دین وبال جان بن کر رہ جاتا ہے اسی طرح بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی

سے فرمایا اَخلص العمل یجزاک منہ القلیل۔ عمل کو خالص کرو تھوڑا عمل بھی تمہارے لئے کافی ہے۔ یعنی کثرت پر نظر رکھو بغیر خلوص کے بہت کچھ کچھ نہیں اور خلوص کے ساتھ کچھ بھی بہت کچھ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا لَاتَھتَمُّوا لِقِلَّۃِ العَمَلِ وَاھتَمُّوا لِلقُبُولِ۔ کہ عمل کی کمی کی پرواہ مت کرو بلکہ عمل کی قبولیت کی پروا کرو یعنی خلوص پر دھیان رکھو خلوص کے ساتھ تھوڑا بھی بہت ہے۔

بزرگانِ دین کی زبانی اخلاص کی کچھ تشریح سنئے پھر اسی کے بارے میں چند نکتے ذہن نشین کیجئے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ طاعت میں حق سبحانہٗ کو اپنا مقصد بنانا یعنی طاعت سے صرف اللہ تعالیٰ سے تقرب چاہنا در اصل اخلاص ہے۔ اب اس کے خلاف صورتیں بہت سی ہیں مثلاً یہ کہ لوگوں سے تعریف کا سننا مقصود ہو واہ واہ کے نعرے کانوں کو پسند ہوں یا اور کوئی دنیاوی نفع پیش نظر ہو یہ سب صورتیں اخلاص کے خلاف ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ عمل میں لوگوں سے نظر پھیر لی جائے اور ان کا دھیان ہی نہ لایا جائے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کی علامتیں تین ہیں ایک یہ کہ عام لوگوں کی طرف سے تعریف و مذمت کا فرق و تمیز نظر سے اٹھ جائے دوسرے یہ کہ اعمال کی ظاہری نمود سے نظر ہٹالی جائے تیسرے یہ کہ آخرت میں ثواب عمل کا دھیان نہ لایا جائے۔

ابو یعقوب سوسیؒ کہتے ہیں کہ جب انسان نے اپنے عمل میں

اخلاص دیکھ لیا تو گویا اب اس کے اخلاص میں بھی اخلاص کی ضرورت ہے یعنی اخلاص کا احساس ہوتے ہی ریار کا شائبہ آتا ہے کہ اب میرے کام میں اخلاص آگیا اب میں مخلص ہو گیا تو یہ خیال ہی اخلاص چاہتا ہے۔ غرض نیت کا معاملہ بہت ہی نازک ہے۔ اور یہ راستہ پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا ہے۔ حضرت یحیٰی بن معاذؒ کہتے ہیں کہ اخلاص عمل کو عیبوں سے ایسا نکھارتا ہے جس طرح دودھ گوبر اور خون سے نکھر کر پیٹ سے نکل آتا ہے۔

حضرت مکفوف رح کہتے ہیں کہ مخلص وہ شخص ہے جو اپنی نیکیوں کو ایسا چھپائے جس طرح وہ اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ خود کو مارتے اور فرماتے جاتے اَخْلِصِی تَخْلِصِی اخلاص پیدا کر نجات پا جائے گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جس شخص کی نیت خالص ہو گی اللہ تعالیٰ اس کے اور مخلوق کے درمیانی معاملات میں کافی ہو جائے گا۔ اگر انسان کی نیت پاک ہو اور ارادے میں کوئی کھوٹ نہ ہو تو درحقیقت اگر اس کے ہاتھ سے کچھ حق تلفی یا ظلم تعدی وقوع میں آجائے تو اللہ اس کو نہیں پکڑے گا اور وہ گرفت کے خطرے سے بچ جائے۔ گویا نیت ہی انسان کو پھنساتی ہے اور نیت ہی انسان کو چھڑاتی ہے۔

حضرت ایوب سختیانی رح نے کہا نیت کا خالص رکھنا سارے

عملوں سے زیادہ مشکل ہے۔ ایک بزرگ صوفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عرفہ کے دن عصر کے وقت میں حضرت ابو عبید تستری رح کے پاس کھڑا ہوا تھا اور آپ زمین پھاڑ رہے تھے اچانک آپ کے کوئی رفیق ابدال آپ کے پاس آئے اور آپ سے خفیہ کوئی بات چیت کی میں نے اس قدر سنا کہ آپ نے فرمایا "نہیں" یہ سنکر وہ بزرگ ہوا کی طرح نکل گئے۔ میں نے حضرت ابو عبیدؒ سے پوچھا حضرت یہ کیا کہہ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ کہہ رہے تھے کہ آؤ میرے ساتھ حج کو چلو میں نے کہا نہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ نے انکار کیوں فرمایا کہا کہ حج کے لئے میری نیت تو تھی نہیں بلکہ نیت تو یہ ہے کہ رات تک اس پوری زمین کو پھاڑ لوں تو مجھے یہ خوف ہوا کہ میں ان کے کہنے سے حج کر لوں اور اللہ کے غصہ کا نشانہ بھی بنوں کیونکہ ایسی صورت میں ایسے برگزیدہ عمل میں غیر اللہ کی خوشنودی کو دخل ہوتا لہٰذا ایسے ستر حجوں سے میں اپنے اس کام کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

ملاحظہ کیجئے نظر کی باریک بینی کو کہ نیت کے ذرا سے فرق کو تاڑ گئے اور ایسے بلند مرتبہ عمل سے دست کش ہو گئے آج ہمارے سامنے صرف عمل کا ڈھانچا آ گیا نیت کی حقیقت دل سے مٹ گئی۔ ہم نے عمل کے ظاہری رخ سے بحث رکھی نیت کو نہیں ٹٹولا نہ اس کی چھان بین اور پرکھ کی نتیجہ اس ناعاقبت اندیشی کا یہ ہوا کہ ہمارے عملوں میں سے اثر اٹھا لیا گیا۔ عمل کرتے ہیں اثر نہیں پاتے۔ سب کچھ کرتے ہیں مگر بنتے سدھرتے نہیں۔

لوگوں سے نظر ہٹی ہو حق سبحانہ سے امید بندھی ہو ساری مخلوق سے امید ٹوٹی ہو

فائدہ: یہ ادب دراصل صفت توکل سے عبارت ہے۔ یعنی ہر معاملہ میں بھروسہ اور اعتماد صرف ذات خداوندی پر کیا جائے تمام مخلوق اور جمیع اسباب دنیاوی سے اپنا رشتہ امید توڑ کر ہر مقصد کی لو خدا سے لگائی جائے۔ یہ عقیدہ درحقیقت اصل ایمان سے عبارت ہے گویا پورے دین اسلام کی جڑ و بنیاد ہے جو اس عقیدہ میں کچا اور سست ہے وہ اسی قدر ایمان میں خام اور نادرست ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی یہی ہیں کہ دنیا کی ساری طاقتیں اس ذات عالی صفات میں ہیں جو سب کا معبود حقیقی ہے سب اس کے دست نگر ہیں سب اس کے زیر اثر ہیں۔

چنانچہ فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ مومنین کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ دوسری جگہ فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو صاف اشارہ ہے کہ توکل تمہارا ایمانی تقاضا ہے بلکہ ایمان کی شرط اولین ہے نیز رب العزت نے اپنی ذات والا سطوت پر بھروسہ دلایا اعتماد پیدا کرایا اور فرمایا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ کہ جو اللہ تعالےٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جب اس کی ذات ہر مہم و مشکل کیلئے

بندہ کو کافی و وافی ہے تو بندہ کو کیا پڑی ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کو پکڑے اس کے در سے منہ موڑ کر دربدر پھرے ایمان الگ خراب کرے خود کو خدا خوار اور برباد کرے۔ ایک جگہ توکل کرنے والوں کے ساتھ اپنی محبت ثابت فرمائی اور فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ کہ اللہ تعالےٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ایک اور جگہ تعجب و حیرت سے سوال واستفسار کے رنگ میں فرمایا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ کہ کیا اللہ بندہ کو کافی نہیں یعنی کیا بندہ اپنے معبود کو اس قدر کم طاقت والا جانتا ہے کہ اس پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی اور انسانی طاقت سے بھی مدد لینے کی وہ ضرورت محسوس کرتا ہے اور اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف دوڑتا ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ساری طاقت کا مالک وہ تمام قوت کا دھنی وہ پھر اور جگہ طاقت و قوت کیونکر ملے۔

حدیث پاک میں بھی جگہ جگہ پُرزور الفاظ میں تاکید ہے کہ مومن اپنے جمیع سوالات اور اپنی تمام آرزوئیں اور امیدیں خدا تعالیٰ کے سامنے رکھے اور سوائے اس کے کسی کو اپنا کارساز نہ بنائے سوائے اس کے کسی میں طاقت نہ سمجھے۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے خدا کے احکام امر و نہی کو محفوظ رکھ خدا تعالےٰ تجھکو اپنی حفاظت میں رکھے گا اور محفوظ رکھ تو اللہ کے حق کو تو تو اللہ کو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو سوال کا

ارادہ کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد چاہے تو خدا سے مدد چاہ اور یہ بات یاد رکھ کہ ساری مخلوق اگر جمع ہو کر تجھکو کچھ نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھکو نفع نہ پہنچا سکے گی مگر صرف اتنا جتنا کہ خدا نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا کر رکھ دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے (احمد ترمذی) یعنی نفع ونقصان کی قوت خدا کے ہاتھ میں ہے پھر دنیا کی طاقتیں جو سوال پورا نہیں کر سکتیں ان کے سامنے دست سوال کیوں دراز کیا جائے ان سے فضول امیدیں لگا کر اپنے مولیٰ حقیقی کو ناراض کیوں کیا جائے۔

حضرت خواص فرماتے ہیں کہ جو مومن بندہ آیت وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ کو پڑھے اور اس پر یقین رکھے وہ کیسے اپنے مقاصد میں خدا کو چھوڑ کے دوسرے کو پکڑے زندہ رہنے والے سے اپنا رشتہ توڑ کے مرنے والے اور مٹنے والے سے اپنا تعلق جوڑے۔

حضرت سہل بن عبداللہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی ایک بڑی پاکیزہ مثال دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والا بندہ اللہ کے سامنے ایسا ہوتا ہے جیسا کہ مردہ غسل دینے والے کے سامنے کہ وہ اس کو جیسا چاہتا ہے الٹ پلٹ کرتا ہے مردہ کو جنبش کرنے کی طاقت نہیں ہوتی پس متوکل انسان اپنے کو مردہ اور صرف خدا کو زندہ اور با اختیار جانتا ہے تو پھر وہ اپنی مردہ لاش پر یا اپنے جیسے مردوں پر بھروسہ کیسے کرے اور ان سے کیا مانگے کیا چاہے۔ حضرت ابو یعقوبؒ کا کہنا ہے کہ توکل

اور بھروسہ تو در اصل وہ ہے جس کا مظاہرہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ والسلام سے ہوا کہ ہیبت ناک خطرہ سامنے ہے بچنے کے کوئی آثار نہیں ظاہر میں کوئی مددگار نہیں اور ایسے کٹھن وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو کوئی حاجت ہے فرمایئے لیکن تم سے نہیں یہ اسلئے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات گرامی ہر وقت سامنے تھی اور اس کے سامنے دُنیا کی ساری طاقتیں ماند تھیں جس کی نظر اُمید خدا تعالٰی پر جمی ہو اس کی نظرِ حاجت کس کی طرف اُٹھے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے بھروسہ اور توکل کے معنی دریافت کئے فرمایا ساری طاقتوں کو چھوڑ دو اسباب سے اپنا رشتہ کاٹ دو عرض کیا گیا حضرت مزید تشریح فرمائیں فرمایا تو یوں سمجھو کہ توکل اس کا نام ہے کہ اپنی جان کو محض عبودیت میں ڈالنا ربوبیت سے اس کو نکالنا یعنی اپنے کو پورا پورا دست نگر جاننا اور اپنی ساری طاقتیں سلب سمجھ کر خدا میں جاننا۔

حضرت ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی مجھ سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ رہو میں نے یہ سوچکر انکار کیا کہ ان کے ساتھ رہنے میں گو ان کے اوپر اعتماد ہوگا اور تسلی ملیگی مگر توکل میں سخت رخنہ پڑے گا۔ لہذا میں ان سے جُدا ہو گیا حضرت شبلیؒ کے پاس ایک شخص سخت پریشانی میں آیا اور آپ سے شکایت کی کہ حضرت کیا کروں بال بچے بہت ہیں اور آمدنی کچھ نہیں آپ نے

فرمایا اچھا گھر جا اور گھر والوں میں سے جس کسی کو تو ایسا دیکھے کہ اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہ لی ہو اس کو گھر سے نکال دے اللہ اکبر کیا سبق دیا ہے اس مختصر سے جملہ میں کیا نصیحت بھری ہے ظاہر میں کچھ نہیں کہا اور در پردہ سب کچھ کہہ دیا

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ متوکل آدمی اس بچہ کی طرح ہے جس کو اپنی ماں کے پستان کے سوا کہیں تسلی نہیں ملتی بس اسی طرح متوکل کو ہر امر میں اپنے پروردگار ہی کے پاس تسلی ملتی ہے۔ بعض نے توکل کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس سے دل لگا لینا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے دل اٹھا لینا توکل ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں ایک آدمی تھا سفر میں روانہ ہوا اس کے پاس روٹی کی صرف ایک ٹکیہ تھی اس نے سوچا کہ اگر یہ کھا لوں گا تو پھر کیا کھاؤں گا مر جاؤں گا لہٰذا اگر دوسری مل جائے تو اس کو کھاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اس پر مقرر فرمایا اور اس کو ندا کر دی کہ اگر یہ شخص یہ روٹی کی ٹکیہ کھا لے تو اس کو اور ٹکیہ دے دینا اور اگر نہ کھائے تو نہ دینا۔ چنانچہ اس شخص نے آخر ٹکیہ نہیں کھائی اور یوں ہی بھوک سے مر گیا۔

ملاحظہ کیجئے توکل کی کمی یہ رنگ لاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چھپی طاقتیں ہماری مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں مگر یہ جب کہ ہم اس پر بھروسہ کریں دوسروں سے اپنی امید توڑیں اگر یہ شخص اپنی ٹکیہ

کھالیتا تو اسی وقت فرشتہ کے ذریعہ اس کو دوسری ٹکیہ پہنچ رہتی مگر افسوس کہ بے توکلی نے اس غریب کو مار لیا۔ کہتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنے جیسے انسان پر بھروسہ کرے ایک جگہ اس طرح بھی آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بندوں سے عزت چاہی اللہ نے اس کو ذلیل کیا (ابن حبان)

عمل ریاکاری دکھاوے اور نام نمود سے پاک ہو کھرے اخلاص پر مبنی ہو

فائدہ: عمل کا ریاء اور دکھاوے وغیرہ سے پاک ہونا اشد ضروری بلکہ قطعی لازمی ہے عمل وہی بارگاہ ایزدی میں قبولیت کا درجہ پاتا ہے جو نام نمود سے خالی ہو صرف خلاق دوجہاں کے لئے کیا جائے اسی کی رضامندی اور خوشنودی ملحوظ ہو۔ قرآن پاک میں ریاء کاری کی بہت سی جگہ مذمت آئی ہے مثلاً نمازی کے معاملہ میں ریاکار کو آخرت کی بربادی سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۔ یعنی پس خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو عبادتیں اپنی خوشنودی کے لئے بتائی ہیں بندہ اپنی ناسمجھی سے جب عبادت سے بندوں کو

خوش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت ناراضگی سے عبادت کو رد فرما دیتا ہے
اور الٹا عبادت گذار کو مستوجب عذاب ٹھہراتا ہے۔ دوسری جگہ
فرمایا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ
بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ سو جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ
کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی
کو یعنی جس کو آخرت کا خوف ہو قیامت کے دن رب سے ملاقات
اور اس کے سامنے عاجزانہ پیش ہونے کا دھیان ہو وہ نیک کام کرکے
اسی روز کی بھلائی کا ذخیرہ جمع کرے اس دن کی سرخ روئی کے
اسباب یہیں سے مہیا کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت و پرستش
میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یہاں وہ شرک مراد نہیں جس کے مرتکب
مشرک ہیں اور جس کو شرک جلی (کھلا شرک) کہتے ہیں یہاں شرک
خفی مراد ہے جس کو دوسرے الفاظ میں ریاکاری کہتے ہیں یعنی
عمل اور عبادت وغیرہ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی چاہنا
ریاکاری کی بیماری عمل کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے بلکہ سنکھیا
کی طرح عمل کیلئے مہلک اور برباد کن ہے۔ اخلاص کے سلسلہ میں
آپ معلوم کر چکے آئے ہیں کہ شہادت قرأت سخاوت جیسے برگزیدہ
اعمال ریاکاری کی وجہ سے قیامت کے روز منہ پر مار دئیے
جائیں گے بلکہ ان کے عاملین کو دوزخ میں ڈلوا دیا جائے گا۔
احادیث پاک بھی ریا کی مذمت و برائی سے بھری پڑی

ہیں۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ نجات کس طرح مل سکتی ہے فرمایا اَنْ لَا یَعْمَلَ الْعَبْدُ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ یُرِیْدُ بِھَا النَّاسَ یعنی اس طرح کہ بندہ طاعت کو خدا کے سوا کسی اور کے لئے انجام نہ دے۔ حالانکہ طاعت وعبادت انسان کی نجات بخشش اور خلاصی کی راہ ہے۔ اس کے ذریعہ وہ اپنی جان عذاب الٰہی سے چھڑاتا ہے مگر ریاکاری کی طاعت وعبادت اس کو اور عذاب میں گرفتار کراتی اور پھنساتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے مومنین کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے معاملہ میں جس چیز سے سب سے زائد ڈرتا ہوں وہ چھوٹا شرک ہے سب نے عرض کیا یا رسول اللہ چھوٹا شرک کونسا فرمایا ریاکاری پھر فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو ان کے عملوں کا بدلہ دیگا تو ریاکاروں سے فرمائے گا تم ان کے پاس جاؤ جن کو تم دنیا میں اپنے عمل دکھایا کرتے تھے اب دیکھو کہ وہ تم کو کیا بدلا دیتے ہیں۔

ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرکاء کے شرک سے بیزار ہوں یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت سے راضی ہو جاتے ہیں میں راضی نہیں ہوتا بلکہ میں شرکت سے بیزار ہوں اگر کوئی

شخص عبادت کرے اور وہ اس میں میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرے تو میں اس کو اور اس کے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس شخص سے بری ہوں وہ یا اس کا عمل اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے وہ عمل کیا ہے۔ (مسلم)

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کونسی چیز رلاتی ہے آپ نے فرمایا میں اپنی امت کے بارے میں شرک سے خائف ہوں وہ بت، سورج، چاند اور پتھر کو تو نہیں پوجیں گے لیکن وہ عملوں کو ریاء کاری سے کریں گے۔ (ابن ماجہ)

نقل ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو نماز میں اپنی گردن جھکاتے ہوئے دیکھا (جس سے خشوع کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے) آپ نے فرمایا اے فلاں اپنی گردن اونچی کر خشوع گردنوں سے نہیں ہوتا بلکہ خشوع دلوں سے ہوتا ہے۔ یعنی اس شکل سے ریاء کی کیفیت پیدا ہوتی ہے دکھاوے کا رنگ آتا ہے اس سے بھی آپ نے روک دیا۔ یہ انتہائی اخلاص کی نشانی ہے دل کا خلوص صرف خدا دیکھتا اور جانتا ہے اور بدن کا جھکاؤ بندے بھی دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ شیطان کو یہ بہکانے کا موقع ملتا ہے کہ لوگ میرے بارے میں کہتے ہوں گے کہ واقعی یہ نماز خشوع و خضوع سے پڑھتا ہے دیکھو کیسا عاجزی کا پتلا بنکر کھڑا ہوتا ہے گویا اپنے پروردگار کے سامنے خم ہے۔

بس اگر یہی خیال آگیا تو انسان شیطان سے مار کھا گیا۔ دل کے خشوع میں شیطان کا کوئی وار نہیں چلتا۔

حضرت ابو امامہ باہلی نے ایک بار ایک آدمی کو مسجد میں سجدہ میں روتے ہوئے دیکھا فرمایا ارے ارے کیا اچھا ہوتا یہ تم اپنے گھر میں کرتے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ریاء کار کی یہ علامتیں ہیں۔ سست ہوتا ہے جب تنہا ہوتا ہے چست ہوتا ہے جب لوگوں میں ہوتا ہے۔ عمل میں بڑھتا ہے جب اس کی تعریف کی جائے عمل میں گھٹتا ہے جب اس کی برائی کی جائے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں پہلے لوگ عمل کرتے اور ریاء کاری برتتے اور آج وہ زمانہ ہے کہ عمل نہیں کرتے اور پھر عمل دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا اب ایسا زمانہ آگیا کہ لوگ عمل سے بھی سست پڑ گئے۔ حضرت عکرمہؒ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نیت پر وہ کچھ دیتا ہے جو عمل پر نہیں دیتا کیونکہ نیت میں ریاء کا کھٹکا نہیں ہوتا۔

حضرت ابو سلیمانؒ نے فرمایا عمل کرنا اس قدر دشوار نہیں جس قدر عمل کر کے اس کو عیوب ریاء کاری اور دکھاوے وغیرہ سے پاک کرنا دشوار اور مشکل ہے۔ کسی نے حضرت سہل بن عبداللہ سے پوچھا کہ حضرت نفس پر کونسی چیز زیادہ سخت اور بھاری ہے آپ نے فرمایا کوئی عمل صرف خدا کے لئے کرنا یعنی اخلاص سے کیونکہ نفس کو اس میں کچھ ملتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ خلوص نیت تو نیند اور پرہیزگار

میں ایک چھپا راز ہے۔
چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ خلوص نیت اللہ اور بندہ میں ایک پوشیدہ راز ہے نہ اس کو فرشتہ جانتا ہے کہ لکھ لے نہ اس سے شیطان باخبر ہے کہ اس کو خراب کر دے نہ خواہش نفس کی اس تک رسائی ہے کہ اس کو اپنی طرف جھکا لے۔
حضرت فضیلؒ اخلاص کی تعریف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ لوگوں کی خاطر عمل کو چھوڑ نا ریا ہے لوگوں کی خاطر عمل کو کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان دونوں بیماریوں سے شفا بخشے۔
حضرت ذوالنون مصری فرماتے اخلاص عمل وہ چیز ہے جس پر تمہارے دشمن کا قابو نہ چل سکے کہ اس کو بگاڑے۔ حضرت حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں کہ ریاکاری کا عمل میں نہ ہونا اس سے عبارت ہے کہ بندہ کے افعال ظاہر اور پوشیدہ ایک ہو جائیں۔ بزرگوں نے ریاکاری سے اس قدر بچایا اور ڈرایا ہے کہ حضرت ابوبکر دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مخلص اپنے اخلاص کو سمجھے کہ واقعی اب مجھ میں اخلاص پیدا ہو گیا تو یہ اس کے اخلاص کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو کھرا اخلاص نصیب فرماتا ہے تو اس کی نظر سے اخلاص کے وجود کو بھی ہٹا لیتا ہے تو اب وہ مُخلَص (برگزیدہ اور منتخب شدہ) ہوا مخلص نہیں ہوا۔
حضرت سہلؒ کہتے ہیں کہ ریا کو دراصل اسی نے پہچانا جو صحیح معنی

میں مخلص ہوا۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا حضرت اخلاص عمل کس کو کہتے ہیں فرمایا جس عمل پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی گواہی نہ دے سکے
حضرت ابو سلیمانؒ کہتے ہیں کہ جب بندہ اپنے عملوں کو خالص اللہ کے لئے کر لیتا ہے تو اس کے دل سے دین کے بارے میں شکوک اور وسوسے مٹ جاتے ہیں۔

بات میں صداقت و سچائی ہو دروغگوئی و غلط بیانی سے کلی اجتناب ہو

فائدہ زبان کی سچائی بات کی صداقت انسان کی بڑی اخلاقی خوبی ہے جس طرح جھوٹ دروغگوئی انسان کی بدترین خصلت اور نہایت نابکار عادت شمار ہوتی ہے۔ جھوٹا آدمی نہ خود اپنا وقار کھوتا ہے اپنا اعتبار تلف کرتا ہے بلکہ انسانوں میں فساد و بربادی خرابی و بگاڑ کا بیج بوتا ہے۔ آپس میں لڑواتا ہے دوستی کو دشمنی سے بدلتا ہے پھوٹ ڈالتا ہے دیرینہ تعلقات میں رخنہ پیدا کرتا ہے۔ ناچاقی برپا کرتا ہے ایک امن و چین کی فضاء میں بے چینی اور بدامنی کا ایک طوفان برپا کرتا ہے غرض جھوٹا جہاں کسی جماعت میں پہنچ جائے کانٹے کی طرح سب کو چبھتا ہے اور ایک اژدہا کی طرح سب کو ڈستا دیتا ہے۔ اس کے خلاف صادق القول آدمی سب کو پیارا ہوتا ہے سب کی آنکھوں

کا تارا ہوتا ہے جو بات کہتا ہے مان لی جاتی ہے جو خبر سناتا ہے تسلیم کر لی جاتی ہے کان قبول کرتے ہیں دل باور کرتا ہے۔ خود بھی سکھ و آرام عزت و وقار سے رہتا ہے دوسروں کو بھی امن و چین محبت و پیار سے رہنے دیتا ہے جھوٹ کی یہ برائیاں صداقت کی یہ خوبیاں ہم رات و دن اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں دین اسلام میں بھی صداقت کی بہت تعریف آئی ہے اور صادقین کو بہت سراہا ہے اور اس کے مقابلہ میں جھوٹ کی بہت مذمت و برائی آئی ہے۔ قرآن میں بھی ہر دو صفات کا بیان ہے اور حدیث پاک میں تو تفصیل و بسط کے ساتھ ایک ایک کے محاسن اور معائب گنائے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ یعنی اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔ گویا صداقت کو چھوڑنا دل سے اللہ کا خوف و ڈر نکال دینا ہے اور ایمان میں سخت خلل پیدا کرنا ہے اسی طرح متعدد مقامات پر جھوٹوں کی برائی ہے۔

غرض دین اسلام نے انسان کی اس بدترین خصلت اور اس تباہ کن عادت کو بیخ و بن سے اکھیڑنے کی کوشش کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صداقت شرافت انسانی کا سب سے بڑا جوہر ہے اگر انسان یہ جوہر اپنے اندر سے کھو دے تو سر تا سر رذالت و کمینگی کا جامہ پہن لیتا ہے اور لوگوں میں تباہی پھیلانے میں درندگی کی مثال

ہوجاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے غیظ و غضب عتاب و عذاب کا نشانہ بنتا ہے
ایمان خراب اور دین برباد کرتا ہے۔

ہماری اجتماعی زندگی میں جھوٹا آدمی جس بے دردی سے لوگوں کے
عقیدوں سے کھیلتا ہے اور سادہ لوح انسانوں کو بے وقوف بناتا ہے
اس کا ذکر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حضرت سفیان
بن اسد حضرمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
سُنا ہے کہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی سے کوئی
بات کہے اور وہ اس بات کو سچ اور درست سمجھے اور حقیقت میں تو نے
اس سے جھوٹ بات کہی ہو۔ واقعی یہ بدکرداری جھوٹ بھی کہلائی جاسکتی
ہے اور خیانت بھی کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن بھائی پر اعتماد
و اعتبار رکھے اور اس کی بات کو اعتبار کی نظر سے سُن کر اس پر نتائج
قائم کرے اور اس پر اپنے عمل کی عمارت کھڑی کرے اور پھر تحقیق
سے وہ بات جھوٹی اور بے اصل نکلے تو یہ کھلی بددیانتی اور صاف خیانت
ہے اور سراسر انسانیت و شرافت کے خلاف رویہ ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اِنَّ الْکِذْبَ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ النِّفَاقِ ہ کہ جھوٹ نفاق کے دروازوں
میں سے ایک دروازہ ہے ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ جب وہ بات
کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ حقیقت میں جھوٹ بھی نفاق سے ملتی جلتی

ایک بد اور زشت صفت ہے بلکہ منافق بنانے کا پہلا زینہ ہے۔ منافق بھی حقیقت کو چھپاتا ہے یعنی کفر کو ایمان کے پردہ میں رکھتا ہے گندگی کو اچھائی کا لباس پہناتا ہے لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتا ہے اور اُن کی عقلوں سے کھیلتا ہے اسی طرح جھوٹا بھی سچ کو جھوٹ کی آڑ میں چھپاتا ہے سچ کو جھوٹ کا رنگ دیتا ہے واقعات اور حقائق کو پس پردہ رکھتا ہے ہوتا کیا ہے بتاتا کیا ہے۔ لہٰذا جو بد صفت نفاق سے جا ملے اور انسان کو منافق کے قریب کر دے اس صفت کی بُرائی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ منافق تو قرآن کی مقررہ سزا کے مطابق کافر سے بھی زیادہ بدتر شمار ہوتا ہے کہ فرمایا منافقین دوزخ کے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔

غرض جھوٹ بڑی مہلک اخلاقی بیماری ہے خدا تعالیٰ اس سے ہر مومن کو امن و حفاظت میں رکھے۔

جھوٹ جب معاملات اور لین دین میں بولا جائے تو معاملات اور لین دین کو تباہ کر چھوڑتا ہے حق حلال تجارت کو حرام بناتا ہے دھندے رُک جاتے ہیں نام بدنام ہوتا ہے پہلے پہلے انسان کو یہ شیطانی وسوسہ ستاتا ہے کہ جھوٹ بول کر اور اس پر قسم کھا کر کسی صورت سے چیز نکال دوں اور خریدار سے رقم کھینچ لوں مگر اس بد حرکت کا تلخ تجربہ دنیا ہی میں انسان دیکھ جاتا ہے کہ سارا کاروبار مندے میں بیٹھ جاتا ہے اس دغاباز کا نام زشت شیطان کی طرح مشہور ہو جاتا ہے اور اس کا مارا ہوا

پھر اس کے پاس نہیں پھٹکتا بلکہ دوسروں کو اس کے پاس جانے سے روکتا ہے اور اس طرح تجارت یا کوئی دوسرا کاروبار دیکھتے دیکھتے ٹھکانے لگتا ہے۔ یہ ناکامی کا منہ اس جھوٹ کی خاطر دیکھنا پڑتا ہے یہ ناقابل برداشت خسارہ اس بدخصلت کے طفیل بھگتنا پڑتا ہے۔

اب دینی نقطۂ نظر سے اس کے خسارہ کا اندازہ لگائیے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تاجر فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام کو سخت حیرت ہوئی آنجناب سے دریافت کیا یارسول اللہ! اللہ نے تو بیع کو حلال فرمایا (یعنی جب بیع بروئے قرآن حلال ہوئی تو پھر تاجر فاسق کیسے ہوئے)، فرمایا بیشک بیع حلال ہے لیکن یہ تاجر قسمیں کھاتے ہیں اور گناہگار ہوتے ہیں بات چیت کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں (احمد و حاکم)، لہذا جھوٹا تاجر دنیا کا نقصان اُٹھاتا ہے اور آخرت کا خسارہ بھی بھگتتا ہے کہ حق پیشہ کو حرام بنا دیتا ہے حق و حلال روزی کو حرام روزی میں تبدیل کر دیتا ہے اور اپنے لئے فسق و فجور کا نابکار طعنہ حاصل کرتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حفاظت کرنے والے فرشتے جھوٹ کی بو سے میل بھر دور چلے جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ایک جھوٹ سے کیا کیا انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ نام بدنام تجارت اور دھندا ناکام حلال روزی حرام۔ پھر فرشتے اس سے نفرت کریں۔ اور گھن کھائیں اور

جھوٹ بولنے پر میل بھر دور بھاگیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پُر آفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق خطبہ دینے کھڑے ہوئے اوّل آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ اسی جگہ لگلے سال حضور اکرمؐ بھی کھڑے ہوئے تھے اور پھر فرمایا لوگو سچ بولو کیونکہ سچ نیکی کے ساتھ رہتی ہے اور یہ دونوں جنت میں ہوں گے۔ پھر فرمایا جھوٹ سے بچو کیونکہ وہ بدذینی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں دوزخ میں ہوں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑی خطا کار جھوٹی زبان ہے اور یاد رکھو سب سے بڑی ندامت قیامت کی ندامت ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے جھوٹی بات زبان سے نہیں نکالی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب تک ہم نے تم کو نہیں دیکھا ہے تم میں محبوب ترین ہم کو وہ ہوگا جو نام کا اچھا ہو اور اگر دیکھ لیا تو محبوب ترین وہ ہوگا جو اخلاق میں بہتر ہو اور جب تم کو آزما بھی لیا تو محبوب ترین وہ ہوگا جو بات کا سچا ہو اور امانت میں پختہ ہو۔ احمد بن خضرویہ نے کہا کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رہے تو وہ سچ بولے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ کہ اللہ سچوں کے ساتھ رہتا ہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ ہلاکی کے وقت حق بات کہنا سچ ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اُن مقامات میں سچ بولنا جہاں بغیر جھوٹ کے نجات کا راستہ نہ ملتا ہو درحقیقت سچ ہے۔

حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا سچ اللہ کی ایک تلوار ہے کہ جس پر اس کو رکھدیا اسی کو اس نے کاٹ دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اپنے باطن کو بات سے ملانا سچ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سچ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے نہایت مفید اور فائدہ بخش ہے اور جھوٹ ہر دو نوع زندگیوں کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہر مومن کو سچ کا عادی بنائے اور جھوٹ کی عادت اس سے چھڑائے۔

اطلاع و خبر کی دیکھ بھال چھان بین اور تحقیقات ہو

فائدہ:۔ یہ ادب ہماری زندگی کا نہایت اہم پہلو ہے۔ دُنیا ہر طرح کے انسانوں سے بھری پڑی ہے طرح طرح کی خو وخصلت گوناگوں مزاج وعادت بہت سے دُنیا میں امن وآشتی پھیلاتے ہیں بہت سے فساد اور جھگڑے پیدا کرتے ہیں۔ پھر سمجھیں بھی الگ الگ اور جدا ہیں بعض کیا سنتے ہیں کیا سمجھتے ہیں بعض کیا سمجھتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ غرض ان رنگا رنگ حالات وکوائف کا یہ تقاضا ہے کہ انسان ہر شخص کی خبر پر کان لگانے کے بعد اس کو عقل کی ترازو میں تولے اور پرکھے جانچے اور سمجھے واقعات کا پتہ چلائے حالات کے بارے میں معلومات

بہم پہنچائے خبر رساں کو بھی دیکھے بھالے جب یہ ساری تحقیقات خبر سے اتفاق کریں تو پھر انسان عمل کے لئے قدم اٹھائے اور اپنے ارادوں کو عمل میں لائے۔ قرآن پاک میں اس امر کی طرف صاف اور کھلا حوالہ ہے ارشاد باری ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۔ یعنی اے ایمان والو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس خبر لیکر آئے تو تحقیق کرلو ایسا نہ ہو کہ ایذا پہنچاؤ تم کسی قوم کو نادانی کے ساتھ پس ہو جاؤ اپنے کئے پر پشیمان۔ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ بھائی حضرت عثمان رضؓ کو زکاۃ لینے کے لئے بنی المصطلق کی طرف بھیجا اور ان کے اور بنی المصطلق کے درمیان رنجش تھی جب انھوں نے سنا کہ ولید آرہے ہیں یہ سب ان کے استقبال کے لئے نکلے یہ یہ سمجھ گئے کہ یہ آمادہ پیکار ہیں یہ یہ رنگ دیکھکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ وہ تو مرتد ہو چکے اور زکاۃ دینا نہیں چاہتے رہتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے مقاتلہ کا ارادہ کرلیا تب یہ آیت اُتری اور اس میں ایک عام ہدایت کی گئی کہ ہر خبر کو سنتے ہی نہ مان لو سوچ بچار کرو دیکھ بھال کرو۔ لانے والا معتبر ہے مانو ورنہ خبر کو اہمیت نہ دو نیز یہ بھی جانچو کہ غلطی فہمی تو نہیں ہوئی ہے اگر تم نے خبر کو نہ پرکھا اور خبر پر اعتماد کرکے کسی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور جب جا نہیں کو نقصان پہنچایا

کسی ایک فریق کو اور پھر خبر کی پوری حقیقت کھلی تو پھر ندامت وحسرت کے سوا کچھ نہیں شرمندگی اور پریشانی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ پہلے ہی خبر کی حقیقت کو عقل کی کسوٹی پر کس لیا جائے تاکہ بعد میں پشیمانی نہ اٹھانی پڑے اور جانی اور مالی جو نقصان اٹھانا پڑے وہ اس سے جدا ہو۔ ایسی غلطی کرنا ایمان کے خلاف ہے۔ فراست وسمجھداری ایمان کا تقاضا ہے۔ مومن دہوکا نہیں کھاتا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ تَعَالیٰ ۔ کہ مومن کی فراست وسمجھ سے ڈرو یعنی بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے معلوم ہوا کہ ہر چیز کو جانچنا دیکھنا یہ ایمان کی نشانی ہے۔ یہ ہمارا رات ودن کا تجربہ ہے کہ جس نے ہر خبر کو مانا ہر اطلاع کو دل میں جگہ دی اور اسی کے مطابق عملی قدم اٹھایا تو اکثر وبیشتر وہ پِستا یا اپنی عجلت وتیزی پر سر پکڑ کر رویا۔ مومن کی یہ بھی صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اگر اتفاق سے ایک بار دھوکا کھا بھی لیتا ہے تو پھر دوبارہ اس کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ فرمان نبوی ہے لَا یُلْدَغُ الْمُؤمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ ۔ یعنی مومن آدمی ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاسکتا بار بار دھوکا کھانا نقصان برداشت کرنا ایمان کی نشانی نہیں۔ آج وہ مسلمان جو اپنے کو نئی روشنی سے متاثر پاتے ہیں اور اس پر فخر کرتے

ہیں وہ پرانی وضع کے مومنین پر پھبتیاں کستے ہیں ان کا مذاق بناتے ہیں اور اس غلط فہمی میں ہیں بلکہ زبانوں سے کہتے ہیں کہ یہ بیچارے دُنیا سے ناواقف ہیں سمجھ بوجھ سے کورے ہیں ہر شخص ان کو دھوکا دے سکتا ہے اور ان کو بہلا پھسلا سکتا ہے یہ دُنیا کے سمجھداروں کے ہاتھوں میں گویا کھلونے ہیں جن سے ہر طرح کھیلا جا سکتا ہے۔
نعوذ باللہ یہ خیال بالکل بے اصل بے حقیقت اور سراسر لچر و لغو ہے مومنین بہت سمجھ رکھتے ہیں پتہ کی سوچتے ہیں دور کی کہتے ہیں ان کو کوئی چکر میں نہیں لا سکتا مروت سے یا کسی مصلحت سے یہ خاموش ہیں یہ امر آخر ہے۔
چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کے کئی غلام تھے جب کوئی غلام اچھی نماز پڑھتا اس کو آزاد کر دیتے تھے غلاموں نے جب آپ کی یہ عادت دیکھی تو ان کو آزادی کا ایک آسان راستہ مل گیا اب ہر غلام آپ کے سامنے آکر عمدہ نماز پڑھ کر دکھلانے لگا اور آپ اس کو آزاد کرنے لگے آپ سے لوگوں نے کہا حضرت یہ تو آپ کو اس طرح دھوکا دیر ہے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا مَنْ خَدَعَنَا فِی اللّٰہِ انْخَدَعْنَا لَہٗ۔ کہ اللہ کے راستہ میں جو ہم کو دھوکا دے گا ہم اس کا دھوکا کھالیں گے۔ بس انھیں واقعات سے کسی کو دھوکا لگے کہ مومنین کم عقل اور سمجھداری سے دور ہوتے ہیں تو یہ اس کی خود کی کم عقلی ہے اور اس کی کوتاہی سمجھ کی نشانی ہے ہاں بیشک بدی اور بے ایمانی کی راہوں میں وہ اپنی عقل

سے کام نہیں لیتے نہ ان پر اپنا دھیان دیتے ہیں ان راہوں میں ان کی عقل کو جانچنا عبث ہے۔ وہ ان راہوں کے مرد میدان نہیں مثلاً دنیوی چال بازیوں دغا بازیوں عیاریوں اور چالاکیوں میں وہ اپنا کوئی تجربہ نہیں رکھتے اور اس قسم کا تجربہ نہ رکھنا ان کا کوئی عیب شمار نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی ماہر چور کے داؤں گھات کسی شریف آدمی کو نہ آتے ہوں تو یہ جہالت اس کے لئے کوئی عیب نہیں بلکہ عین خوبی ہے ہاں چور کی نظر میں عیب ہوا کرے۔

عبادات کو ان پر ہمیشگی برت کر زندہ و پائندہ رکھے

فائدہ: عبادات الٰہی اللہ تعالےٰ سے قرب و نزدیکی کا سبب اور اس کی خوشنودی و رضامندی کا باعث ہیں مگر ان پر مداومت شرط اولین ہے اور ان پر پابندی لابدی اور ناگزیر ہے۔ ان کے اثرات استقامت سے کھلتے ہیں اور بغیر ہمیشگی کے یہ بے اثر اور مردہ ہوتی ہیں۔ ہر عمل کا یہی حال ہے استقامت و مداومت ہر عمل کی جان ہے چنانچہ حضرت مسروق رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا اَیُّ الْعَمَلِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا آپ نے فرمایا اَلدَّائِمُ یعنی وہی عمل سب سے زیادہ محبوب تھا جس پر سب سے زیادہ استقامت و مداومت برتی گئی ہو اور وہ ہمیشہ عمل میں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف بدیں الفاظ فرمائی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی جنہوں نے کہا کہ پروردگار ہمارا اللہ ہے پھر قائم رہے اسی پر تو ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ابو علی جوزجانی فرماتے ہیں کُنْ صَاحِبَ الْاِسْتِقَامَۃِ لَا طَالِبَ الْکَرَامَۃِ استقامت پر قابو پاؤ شرافت کے طالب نہ ہو۔ فَاِنَّ نَفْسَکَ مُتَحَرِّکَۃٌ فِیْ طَلَبِ الْکَرَامَۃِ وَرَبُّکَ عَزَّ وَجَلَّ یُطَالِبُکَ بِالْاِسْتِقَامَۃِ۔ یعنی تمہارا نفس کرامت و شرافت کی طلب میں حرکت کناں ہے اور تمہارا پروردگار عز و جل تم سے استقامت و مداومت کا طالب و خواہاں ہے۔ بلکہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ استقامت خود کرامت کا سبب بنتی ہے۔

چنانچہ فرمایا وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّاءً غَدَقًا۔ یعنی اور وحی کی گئی میری طرف کہ اگر یہ لوگ قائم رہتے راہ پر البتہ پلاتے ہم ان کو پانی وافر۔ غرض عمل کی ساری خوبیاں ہمیشگی سے چمکتی ہیں استقامت سے نکھرتی ہیں۔ بعض بزرگوں نے استقامت کی تعریف میں فرمایا ہے کہ استقامت بات چیت میں یہ ہے کہ غیبت نہ ہو افعال میں یہ ہے کہ بدعت سے وہ پاک ہوں اعمال میں یہ ہے کہ بیچ میں فاصلے بڑیں ناغائیں نہ ہوں۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ بعض بزرگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ سے دریافت کیا کہ سورہ ہود میں کس آیت نے آپ کو بوڑھا کیا تو فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یعنی جس طرح تم کو حکم دیا گیا ہے اسی طریق پر قایم و دائم مستقل و برقرار رہو۔

حقیقت میں اعمال میں استقامت بڑی کٹھن چیز ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندوں سے نبھ سکتی ہے۔

عبادت اس نہج اور کیفیت سے نہ ہو کہ لوگ اسکی طرف اشارے کرنے لگیں

فائدہ:۔ یہ ادب اگلے بیان کردہ ادب اخلاص عمل سے ملتا جلتا ہے اور عمل میں ریاکاری اور دکھاوے کو روکتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ وہ عبادت پسند ہے جس میں زیادہ سے زیادہ خلوص برتا گیا ہو۔ اس میں بندوں کی رضامندی و ناراضگی خوشنودی و ناخوشی سے قطعی بحث نہ رکھی گئی ہو۔ بندے شرکت سے راضی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ جس چیز سے بہت ہی ناراض ہوتا ہے وہ اس کی عبادت میں شرک ہے۔ وہ اپنی عبادت میں کسی کی شرکت کسی قیمت پر گوارا

نہیں کر سکتا۔ اور یہ اس کی انتہائی ناراضگی کی نشانی ہے کہ ہر گناہ کو معاف فرما دے گا مگر بندے کے شرک کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا لہٰذا مسلمان کا فرض اولین ہے کہ پہلے ہر قسم کے شرک سے اپنی عبادت کو بچائے اور ریاکاری کی اس میں بو تک نہ آنے پائے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام میں میانہ روی کی تعلیم فرمائی اور درمیانی راہ اختیار کرنے کی تاکید کی۔ اور اسی راہ میں آپ اس عبادت سے باز فرمایا جس میں اس قدر مبالغہ برتا گیا ہو کہ لوگوں کی انگلیاں اس کی طرف اٹھنے لگیں اور سب کے اشاروں اور حوالوں کا وہ مرکز بن جائے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو شہرت کے لئے عبادت میں زیادتی سے کام لیتے ہیں یہ بھی قطعی ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث نقل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةٌ وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ فَإِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوهُ وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوهُ۔ کہ ہر چیز میں حرص ونشاط ہے (یعنی زیادتی وانہماک ہے) اور ہر زیادتی میں سستی ہے۔ (یعنی ہر اس فعل میں جو زیادتی کے ساتھ کیا جائے سستی پیدا ہو جاتی ہے) پس اگر عمل کرنے والے نے میانہ روی سے کام لیا اور میانہ روی کے قریب رہا (افراط وتفریط سے بچا رہا) تو اس کی نجات پا جانے کی امید ہے (اس کی کامیابی کی امید ہے) اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا گیا (یعنی اس نے عبادت میں

مبالغہ کیا کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا یا مشہور ہونے کے لئے اُس نے عبادت میں زیادتی کی تو تم اس کو (صالح اور عابد) شمار نہ کرو۔ (ترمذی) واقعہ ہے کہ عبادت حد سے زائد بڑھ جانے میں دو خطرات اکثر سامنے آتے ہیں ایک یہ کہ شیطان آن دباتا ہے۔ زیادتی عبادت سے شہرت ہوتی ہے شہرت پر تعریف وثنا کے پُل بندھتے ہیں لوگ اس کی مدح خوانی میں لگتے ہیں اور یہ صدائیں خود عابد کے کانوں تک پہنچتی ہیں اور نفس ان سے حظ و لطف لینے لگتا ہے لوگ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی عبادت کی تعریف کرتے ہیں عبادت میں اس کو نمونہ اور مثال بناتے ہیں بس پھر کیا ہے عابد شیطان کا آسان لقمہ ہے ریاء کاری سے اس کو جلد ہی مار لیتا ہے اور اس کی عبادت کو ٹھکانے لگاتا ہے۔ عبادت کو اللہ کی نظر میں شمار سے نکالتا ہے اور خود عابد کو اللہ کی نظر سے گراتا ہے۔ دوسرا خطرہ یہ درپیش ہوتا ہے کہ انسان قدرت کی طرف سے نپی تلی طاقت لیکر پیدا ہوا ہے۔ کام میں مبالغہ نبھتا نہیں ہمیشہ چلتا نہیں کچھ دن اسی طرح گذرنے کے بعد عبادت کی رفتار ہلکی پڑنے لگتی ہے قوٰی میں سستی راہ پانے لگتی ہے اور یہ سستی اس قدر بڑھنے لگتی ہے کہ عبادت اپنے درمیانی درجہ سے بھی گرنے لگتی ہے۔ یہ غلط نتیجہ مبالغہ کا ہوتا ہے اسلئے اس سے شریعت نے روکا ہے۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ انسان شروع ہی سے درمیانی رفتار اختیار کئے رہے اور آگے قدم نہ بڑھنے دے۔ پھر

میانہ روی کی ویسے بھی ہر کام میں تعریف آئی ہے۔ لہٰذا ان ہر دو وجوہ سے عبادت میں مبالغہ سے روکا ہے اور یہ عام حالات کا تقاضا ہے لیکن جن مقدس انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طاقتیں عطا فرمائی ہیں اور ان کو اپنے نفس پر بھی بے پناہ قابو حاصل ہے وہ بیشک مبالغہ کے ہر دو خطرات سے باہر ہیں اور وہ بزرگ انسان ممانعت کے تحت نہیں آتے۔

اسی ریاکاری کے کھٹکے سے بچنے کے لئے ایک حدیث میں اس طرح بھی وارد ہے کہ حضرت انسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ۔ کہ انسان کی برائی کے لئے اتنا کافی ہے کہ دین و دنیا میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے مگر وہ شخص جس کو خدا تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ (بیہقی)

دنیا میں تو نام و نمود بُرا ہی ہے مگر دین میں بھی یہ پسندیدہ نہیں کیوں کہ اگر دین کے معاملہ میں مثلاً عبادت میں شہرت انسان کی بڑھی۔ نام نے فروغ پایا ملک میں انسان نمونہ و مثال بنا اور لوگوں کی اسی کیطرف نظریں اٹھنے لگیں اور انگلیوں کے اشارے بھی اس کی طرف ہونے لگے کہ دیکھو عبادت گذار ہو تو ایسا ہو جیسا کہ یہ شخص دیندار ہو تو اس طرح ہو جس طرح یہ انسان تو سمجھ لیجئے کہ اب یہ شخص نہایت خطرہ کے مقام پر آکھڑا ہوا۔ اس کا نفس سخت اور کڑی آزمائش گاہ میں ہے

اگر اُس نے لوگوں کے اشاروں سے ذرہ برابر لطف و حظ حاصل
کر لیا تو اس کا قدم پھسلا لوگوں کی نظروں پر چڑھا اللہ کی نظر میں
گرا۔ عبادت مقدار و تعداد میں بظاہر بڑھی لیکن اللہ کے نزدیک
اجر و ثواب میں گھٹی۔ عبادت کا مقصد منظور خدا بننا ہے منظور
خلق نہیں طاعت سے خالق کی خوشنودی ڈھونڈھنا ہے مخلوق کی
رضامندی ڈھونڈھنا نہیں۔ لپس دین کا حقیقی راستہ یہی ہے لیکن
یہ امر خصوصی نہیں عمومی ہے۔ ورنہ بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی
ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں کہ جو مخلوق کے کسی حال سے قطعی کوئی
سروکار نہیں رکھتے۔ مخلوق خواہ ان کی تعریف کرے یا نہیں چاہے
ان کو پہچانے یا نہیں ہر حال میں ان کی نظر اپنے خالق پر جمی ہوتی ہے
تو ایسے مقدس انسان اس مذکورہ حکم سے خارج ہیں اس لئے
حدیث پاک میں ایسے بزرگ انسان کو حکم سے نکالدیا ہے اور فرمایا
ہے اِلَّا مَنْ عصمہ اللّٰہ مگر جس کو اللہ تعالیٰ اس خطرہ سے بچنے کی
توفیق عنایت فرمائے۔

اپنی طرف سے کسی کو فائدہ اور نفع پہنچانے پر اس کا اظہار و اعلان نہ ہو

فائدہ:۔ یہ ایک اہم دینی اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ ایک

انسان دوسرے انسان کو خصوصاً ایک مومن دوسرے مومن کو حتی المقدور فائدہ پہنچائے اور اس کی خیر رسانی میں ذرہ برابر دریغ نہ کرے۔ اس دنیا کی زندگی میں ہمارا دکھ سکھ یہ آپس کی مددو معاونت پر ہے بلکہ ہماری آخرت بھی اسی پر موقوف ہے اگر یہاں آپس میں محبت و پیار شفقت و محبت سے رہیں گے اللہ تعالےٰ خوش ہوگا ہماری آخرت بھی بنے گی اور دنیا بھی ہماری سدھرے گی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس کے اتحاد اور ایثار کی بڑی پاکیزہ مثال پیش فرمائی ہے فرمایا مَثَلُ الْاَخَوَیْنِ مَثَلُ الْیَدَیْنِ تَغْسِلُ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی۔ کہ دو بھائی دو ہاتھوں کی طرح ہیں وہ آپس میں مل کر ایک دوسرے کو دھودیتے ہیں تو دونوں ہاتھ دھل جاتے ہیں لہٰذا انسانی اخوت کا تقاضا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور فائدہ پہنچائیں لیکن اس فائدہ رسانی کے کچھ آداب و شروط ہیں اگر ان کی رعایت نہ ہو تو یہ فائدہ رسانی نہیں ہوتی بلکہ ضرر رسانی ہوتی ہے اوّل شرط تو یہی ہے جو سُرخی میں بیان ہوئی یعنی یہ کہ اس فائدہ کا اظہار اور اعلان نہ ہو قرآن پاک میں صدقہ و خیرات اور خرچ مال کے سلسلہ میں کئی جگہ یہ قید لگائی گئی ہے ایک جگہ ارشاد ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

یعنی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انھیں کے لئے ہے ثواب ان کا ان کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ اور خرچ مال کے بعد دو چیزوں سے خاص طور سے روکا ہے ایک یہ کہ احسان نہ جتائیں اپنے فائدہ کا اظہار نہ کریں نہ دوسروں پر نہ خود فائدہ لینے والے پر کیونکہ یہ صاف اور کھلی ریاء کاری ہے جس سے عمل اکارت جاتا ہے اور عامل مستحق سزا ٹھہرتا ہے۔ عمل وہی مقبول ہوتا ہے جس سے محض اللہ کی رضا مندی مقصود ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ملحوظ ہو۔ بہت سے انسانوں کی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کے سامنے اپنی داد و دہش کا ڈنکا پیٹتے پھرتے ہیں اور اپنی شہرت کا ڈھول بجاتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے سامنے اپنی سخاوت کے گیت گاتے ہیں ایسی سخاوتیں اُلٹی منہ پر ماردی جائیں گی اور ثواب و اجر کے معاملہ میں بالکل بے اثر اور بے سود ثابت ہوں گی دوسری شرط یہ رکھی ہے کہ خرچ مال کے بعد اذیت کا پہلو بالکل نہ اختیار کیا جائے مثلاً یہ کہ سائل کو ڈانٹا جائے مارا جائے جھڑکا جائے اور دھکے دیکر اس کو نکلوا دیا جائے۔ ایسا عمل بھی اپنے کئے کام پر پانی پھیرنا ہے اور اپنے عمل کو خود مٹانا ہے چنانچہ بعض مغلوب الغضب اور بخیلوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ سائل نے اگر چپ زبان لے لیا تو اس کی خیر رہی اور اگر اس نے کچھ مزید مطالبہ کیا یا کسی اور چیز کی درخواست کی تو اس کی جان کے لالے پڑ گئے یہ حرکت

بڑی نکمی اور ناپکار ہے۔

صدقہ اور خیرات یا فائدہ اور نفع کا زبان سے اظہار تو بڑی چیز ہے شریعت میں تو کسی کے سامنے صدقہ دینا بھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ حدیث پاک میں ہے اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ اِلٰى فَقِيْرٍ فِيْ سِرِّہٖ۔ کہ سب سے بہتر خیرات کم معاش فقیر کی ہے جو وہ کسی فقیر کو خفیہ طور سے دیتا ہے بعض علما نے کہا ہے نیکی کے تین خزانے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خیرات پوشیدہ طریقہ سے دیجائے ایک حدیث اس طرح بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا بندہ ایک عمل پوشید گی میں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پوشید گی ہی میں لکھ لیتا ہے اور اگر سب کے سامنے کرتا ہے تو اس کو اس عمل میں شمار کرتا ہے جو سب کے سامنے کیا جائے اور اگر وہ اس کو زبان سے ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو ریاء میں لکھ لیتا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر خطرہ کا مقام ہے عمل خاموشی سے مقبول ہے زبان ہلانے سے نامقبول ہے دکھلانے سے گھٹتا ہے کہنے سے مٹتا ہے۔ آج ایسا نازک دور ہے کہ اوّل تو نیکی نایاب و نادر ہے اگر کسی کو توفیق ہوتی بھی ہے تو وہ نہ معلوم کس قدر شرعی قباحتوں سے بھری ہوتی ہے کسی میں احسان ہے کسی میں اذیت ہے اور اگر یہ سب کچھ نہیں تو اعلان اور شہرت تو ضرور ہے اس طرح ہماری بہت سی خیراتیں یا نفع رسانیاں حبط و سوخت اور ضائع ہو جاتی ہیں اور ہم یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم نے نیک کام کر لئے۔ ایک حدیث

مشہور ہیں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالےٰ
کی سایہ میں امن ملے گی ان میں سے ایک وہ خیرات دینے والا ہوگا جس
کے سیدھے ہاتھ نے دیا ہوگا اور اس کے اُلٹے ہاتھ کو اس کا کچھ پتہ نہ ہوگا
کہ سیدھے ہاتھ نے کیا دیا۔

ایک حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ خفیہ خیرات رب کے غصّہ
کو بجھاتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اور اگر تم اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دو تو وہ بہتر ہے
تمہارے لئے۔

بزرگان دین نے اس معاملہ میں اس قدر احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ
جو خیرات لیتا ہے اس کو بھی پتہ نہ چلے کہ کس نے دی ہے چنانچہ بہت
سوں نے اسی خیال کے ماتحت اندھوں کو خیرات دی ہے کہ ان کو یہ
معلوم نہ ہو کہ کون خیرات دے رہا ہے بعض نے فقیر کی گذرگاہ پر پیسے
ڈال دیئے ہیں کہ فقیر اٹھالے اور دینے والے کا پتہ نہ چل سکے یا فقیر
کی بیٹھک اور نشست گاہ میں کچھ ڈال دیا ہے کہ اس کو مل جائے اور
دینے والا نہ معلوم ہو۔ کسی نے تھیلیہ میں لپیٹ کر فقیر کے کپڑے میں
اس وقت ڈال دیا ہے کہ وہ سو رہا تھا۔ بعضوں نے یہ ترکیب اختیار
کی ہے کہ کسی اور آدمی کو بیچ میں واسطہ ڈال کر اور اس کو یہ فہمائش
کر کے فقیر کو خیرات بھیجی ہے کہ دینے والے کا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ
سارے جتن اسلئے تھے کہ خیرات اور ان کی نفع رسانی کہیں ریاکاری

میں تبدیل نہ ہو جائے اور بجائے اللہ کی خوشنودی کے اس کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے۔

نیز فائدہ کا اگر اظہار ہو تو ایک زبردست قباحت اس میں یہ بھی ہے کہ بعض وقت غریب سائل کی توہین اور تذلیل ہوتی ہے بعض انسان باوجود شرافت نفس کے حالات زمانہ میں گھر کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو اگر نفع پہنچانے والا اپنا نام فخر سے اچھالے گا تو اس کا نام ذلت سے اچھلے گا اور یہ دوسرے کی عزت سے بلا وجہ کھیلنا ہوا نفع پہنچانا تو ایک طرف یہ تو دل دکھانا ہو گیا۔ خیر رسانی کدھر ضرر رسانی ہو گئی۔ چلے تھے بھلائی پہنچانے اور لگے نقصان دینے۔ عزت دنیا میں بڑی قیمتی چیز ہے مسکین فقیر کا قابل رحم حال ہوا ملے چار پیسے گئی عزت ہزاروں کی۔

نام بدلنے پر غیرت و شرم محسوس ہو

فائدہ: ناموں کی اچھائی برائی کو انسان کی شخصیت میں بڑا دخل ہے نام برائے نام نہیں بلکہ بیشتر وجوہ سے اس کی اہمیت میں کسی کو کلام نہیں۔ نام شرافت خاندانی کو بتاتا ہے ماں باپ کی علمیت و سنجیدگی تربیت وصحبت کو بے نقاب کرتا ہے اسلئے آپ دیکھیں گے کہ نیچ تو میں جو گھٹیا شمار ہوتی ہیں علم سے بے بہرہ ان پڑھ ہوتی ہیں ان کے ہاں بچوں کے نام بے معنی مہمل اور کریہہ الصورت

ہوتے ہیں۔ بخلاف تعلیم یافتہ طبقہ کے یا شریف خاندانوں کے کہ
ان میں بچوں کے نام بامعنی دل پسند و دل پذیر ہوتے ہیں یا کسی
بزرگ مقدس ہستی یا کسی تاریخی شخصیت کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ دین
میں بھی ناموں کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے افعال و اقوال مبارک سے ناموں کے بارے میں ہمیں کافی ہدایت
ملتی ہیں جن کا لحاظ ازبس ضروری ہے۔ ناموں کو بگاڑنے کی ممانعت
تو خود قرآن پاک میں آچکی ہے فرمایا ہے وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ یعنی مت بدنام کرو بُرے
لقبوں کے ساتھ بُرا نام ہے بدکاری ایمان کے بعد۔ گویا مومنین کے
لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ اچھے نام چھوڑ کر چھیڑ کرنے کے لئے بُرے بُرے
لقب سے ایک دوسرے کو پکاریں جب اللہ نے مومن جیسا پیارا
نام انسان کو عطا کیا تو اب بُرے لقبوں سے اس پیارے نام پر
بٹا لگانا بڑی نازیبا حرکت ہے اور بُرا ناروا عمل ہے۔ حقیقت میں
نام انسان کا سب سے پہلا تعارف ہے اور سامع کے ذہن میں
نقش اولین ہے اگر بُرا مکروہ نام کانوں کے ذریعہ دل میں اتر
گیا تو انسان کا وقار یہیں گر گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ناموں کو بڑی اہمیت دیتے اگر کسی کا ایسا نام سنتے کہ جس کے معنی
اچھے نہ ہوتے تو اس نام کو بدل ڈالتے اور دوسرے نام سے اس
کو پکارنے کا حکم دیتے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اِنَّ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برا نام بدل ڈالا کرتے۔ آپ نے اچھے نام رکھنے کی طرف ترغیب اس طرح بھی دی کہ فرمایا تدعون یوم القیمۃ باسمائکم واسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم کہ قیامت کے دن تم کو اور تمہارے باپوں کو ناموں سے پکارا جائے گا اسلئے تم اپنے اچھے نام رکھو۔

اب جس طرح یہ معلوم ہوا کہ برے نام نہ رکھے جائیں اگر برے نام رکھ لئے جائیں تو ان کو اچھے ناموں سے تبدیل کر لینا مناسب ہے اسی طرح ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ نام اچھا ہو اور غفلت اور لاعلمی میں یا مزاق اور دل لگی میں کوئی بگاڑے برے نام یا برے لقب سے پکارے تو اس پر انسان کو غیرت و شرم ہو۔ اس غلط رسم کو ابھرتے ہی مٹائیے اس کی جڑ شروع ہی سے کاٹیے ورنہ برا نام پڑنے کے بعد مٹائے سے نہیں مٹتا بھلائے سے نہیں بھولتا مومن جیسا پیارا لقب ملنے کے بعد مومن کے لئے نہ یہ زیبا رہتا ہے کہ وہ کسی کو برے لقب سے پکارے نہ یہ مناسب ہوتا ہے کہ اپنا نام بگڑنے دے۔ ناموں کی درستی ہماری اجتماعی زندگی کی اصلاح کا بڑا اہم پہلو ہے۔ برے نام عزت کو گھٹاتے ہیں بلکہ نحوست پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میرے دادا جن کا نام حزن تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آنجناب نے ان سے

پوچھا تمہارا کیا نام ہے انہوں نے کہا میرا نام حزن ہے آپؐ نے فرمایا نہیں آج سے تمہارا نام سہل ہے میرے دادا بولے کہ جس نام کو میرے باپ نے رکھا ہے میں اس کو تبدیل کرنا نہیں چاہتا۔ پھر ابن مسیب نے کہا کہ اس بُرے نام کی وجہ سے ہمارا خاندان اب تک سختیوں کا شکار ہے۔ حَزْنٌ کے معنی سخت زمین کے ہیں اور سَہْلٌ کے معنی نرم زمین کے ہیں ابن مسیب کے دادا اگر حضورؐ کی نصیحت مان لیتے تو ان کے خاندان کو سختیوں سے نجات ملتی سہولت سے پلتے پھولتے مگر صرف ایک بُرے نام کے باعث سارا خاندان سختیوں کا شکار رہا۔ لہٰذا اس واقعہ سے صاف پتہ چلا کہ نام کی اچھائی اور بُرائی کا اثر انسان کی حالت پر بڑا گہرا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود جب ٹوٹتے ہوں اور ممنوعات شرع عمل میں آتے ہوں تو طبیعت میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ جائے

فائدہ: غضب کے معائب و مضرات اس کے بُرے نتائج و اثرات کا ذکر گذشتہ اوراق میں آچکا۔ اس میں شک نہیں غصہ انسانی کی اخلاقی کمزوری کو بے نقاب کرتا ہے تہذیب سے گراتا ہے سنجیدگی سے نکالتا ہے بلکہ ایک انسان کو درجہ انسانیت سے اتار کر حیوانیت تک لیجاتا ہے لیکن ساتھ

ساتھ یہ بھی قابل تسلیم حقیقت ہے کہ ایک چیز ایک جگہ بری ہوتی ہے دوسری جگہ اچھی شمار ہوتی ہے۔ ایک موقع پر ناشائست ہے دوسرے موقع پر خوب ہے۔ چنانچہ غصہ کی بھی یہی کیفیت ہے کہ دنیاوی معاملات اور ذاتی اغراض و مقاصد میں غصہ آئے ممدوح نہیں بلکہ اس وقت حلم بردباری اور درگذر مستحسن ہے اور اگر دین کے بچاؤ کا معاملہ درپیش ہو محرمات الٰہیہ کی توہین ہوتی ہو ممنوعات رواج پا رہے ہوں احکام مٹ رہے ہوں غرض کسی صورت سے دینی حمیت کا سوال اٹھ کھڑا ہو اور مذہب کی لاج خطرہ میں پڑ گئی ہو تو ایسے موقعوں پر غصہ آنا پسندیدہ ہے اور باعث اجر و ثواب ہے اور اس وقت غصہ نہ لانا ایمان کی زبردست بلکہ مایوس کن کمزوری کی نشانی ہے

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین تھے صفات حسنہ وحمیدہ کا مجسمہ تھے غضب و غصہ سے ناآشنا تھے حلم و بردباری تحمل و درگذر کا پتلا تھے دین کے معاملہ میں آپ کو بھی غصہ آتا۔ مزاج میں سخت تکدر پیدا ہو جاتا چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا غرض طبیعت پاک میں ایک انقلاب رونما ہوتا۔ پھر وہی ذات جس کو دیکھ کر سب کو الفت و محبت ہوتی انس و یگانگت ہوتی اسی کو دیکھ کر ہیبت و خوف طاری ہوتا بدن پر لرزہ اور کپکپی کے آثار ظاہر ہوتے اور اس وقت مارے خوف کے کوئی چہرہ اقدس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام جو ہر

وقت وہر دم صحبت اقدس میں رہتے تھے اور آپ سے بہت ہی مانوس

. . . . اور ملے سے تھے لرزہ بر اندام ہو جاتے اور

خوف و ڈر سے سوائے ان الفاظ کے کچھ کہتے نہ بنتی نَعُوذُ بِاللہِ مِنْ

غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا کر پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ کے ذریعہ اللہ کے غصہ سے اس

کے رسول کے غیظ و غضب سے ہم اللہ کو اپنا رب مانکر راضی ہو گئے

اور اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی۔ ان

الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال جمال میں تبدیل ہونے

لگتا اور خوشی و مسرت کے انوار پھر چہرہ مبارک پر چمکنے لگتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنجناب کے حالات بیان فرما رہی ہیں کہتی ہیں

کہ آپ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کرنے کے

لئے کہا آپ نے ان میں سے آسان اختیار فرمایا اگر وہ گناہ نہ ہوا

اور اگر وہ گناہ ہوا تو اس سے آپ سب سے زیادہ دور رہے اور

آپ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ اور انتقام نہیں لیا

البتہ اگر حدود اللہ توڑے جاتے تو ضرور انتقام لیتے (بخاری مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری حدیث اسی سلسلہ کی مروی ہے۔

کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے

ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو مگر یہ کہ آپ کسی جہاد

میں شریک ہوتے تو دشمنوں پہ ہاتھ اٹھاتے اور ان کو مارتے اور

اور جب آپ کو جسمانی یا روحانی تکلیف پہنچتی تو آپ اس کا انتقام کبھی نہ لیتے البتہ اگر دینی اور خدائی احکام پامال ہوتے دیکھتے تو ضرور انتقام لیتے (مسلم) لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ انتقامی جذبہ دینی حمیت کے باعث پیدا ہوتا اور یہ جذبہ محمود تھا۔

صحابہ کرام میں بھی دین کے معاملہ میں سختی اور درشتی تھی غیروں پر غصہ اور تشدد تھا اپنوں پر کرم اور رحم تھا اسلئے ان کے حالات

میں حضرت رب العزت

کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں۔

لہذا دین کے بچاؤ کے لئے غصہ لانا اسی قدر پسندیدہ ہے جس قدر آپس میں اور ذاتیات میں غصہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ حمیت دینی میں سختی اور درشتی غصہ اور تندی برتنے کا ہم کو حکم خداوندی ہے صاف ارشاد الٰہی ہے یٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ یعنی اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے اور چاہیئے کہ وہ پائیں تمہارے اندر سختی بلکہ ایک جگہ خود اکرم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ اے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کریں کافروں اور منافقوں سے اور تند خوئی کریں اُن پر۔ غرض ان تمام حوالوں سے پتہ چلا کہ دین کے بچاؤ کے لئے مذہب کی حمایت و نصرت میں غصہ اور سختی تندی اور درشتی پسندیدہ ہے اور آپس میں نرمی و خوش اخلاقی اچھی ہے۔

ہمیشہ ذات خداوندی کی طرف سے ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو

فائدہ۔ ذات خداوندی سے خوف و ڈر اصل ایمان کا تقاضا ہے بلکہ یہی ایمان کے تقاضوں کو پورا کراتا اور دین کی راہ پر چلنا آسان کرتا ہے۔ دین انہیں اصحاب کے لئے ہدایت و نصیحت ہے باعث فلاح و بہبود ہے جو جلال خداوندی کا خوف اور خشیہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور اس کے عذاب سے لرزتے اور کانپتے ہیں۔

چنانچہ توریت کے متعلق فرماتے ہیں ھُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ کہ اس میں ہدایت و رحمت تھی ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں خوف ہی انسان کو برائی اور بھلائی دکھاتا ہے خیر و شر سے واقف کرتا ہے گویا دل کی آنکھیں کھولتا ہے بصارت بڑھاتا ہے عقل چمکاتا ہے۔ حضرت ابوحفص کہتے ہیں کہ خوف دل کا چراغ ہے دل اسی کے ذریعہ خیر و شر میں تمیز کرتا ہے اچھے برے

میں فرق کرتا ہے۔

حضرت واسطیؒ کہتے ہیں کہ خوف و رجاء نفس کے لئے دو نگاہیں ہیں جن سے وہ اپنی کج روی کی راہیں چھوڑتا اور ان سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اس کی تعریف بہت جگہ آئی ہے ایک جگہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا۔ یہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع اور ڈر سے۔ اگرچہ مومن کے دل پر خوف و امید دونوں کے اثرات ہوتے ہیں اور انہیں اثرات کے ماتحت یہ ایمان پر چلتا ہے لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ غلبہ خوف کا ہی ہونا چاہیئے۔

چنانچہ ابوسلیمان درانیؒ فرماتے ہیں يَنْبَغِي لِلْقَلْبِ اَنْ لَا يَكُونَ الْغَالِبُ عَلَيْهِ اِلَّا الْخَوْفُ فَاِنَّهُ اِذَا غَلَبَ الرَّجَاءُ فَسَدَ الْقَلْبُ کہ دل پر خوف ہی کا غلبہ ہونا چاہیئے کیونکہ اگر امید کا اس پر غلبہ ہوا تو دل فساد پذیر ہوگا اور اصلاح سے وہ محروم ہوگا۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں مومنین کے سلسلۂ بیان میں ارشاد ہے يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا کہ یہ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو خوف اور لالچ سے۔ بہر حال مومن کے دل سے خوف خدا کبھی نہیں نکلتا اس کا ڈر اس کو کبھی نہیں چھوڑتا ایمان کے ساتھ آتا ہے اور جان کے ساتھ جاتا ہے۔ اگر یہ نکل جائے ایمان کے لالے پڑ جائیں

کیونکہ ایک جگہ حضرت عزاسمہ نے ایمان کے وجود کے لئے اس کو ضروری ٹھہرایا ہے فرمایا ہے وَخَافُونِ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ ۔ کہ مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ حدیث پاک سے بھی خوف کی بڑی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ کہ چوٹی کی حکمت اللہ سے ڈرنا ہے جس کے دل میں خوف سما گیا اس کے سامنے دین کا راستہ کھل گیا خوف کے ذریعہ شیطان سے دوری ہوتی ہے خدا تعالےٰ سے نزدیکی ملتی ہے دین کے لئے بدن میں چستی پیدا ہوتی ہے سستی اور کاہلی مٹتی ہے حیلوں اور بہانوں کا دروازہ بند ہوتا ہے حضرت ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں اَلْخَوْفُ اَنْ لَّا تُعَلِّلَ نَفْسَکَ بِعَسٰی وَسَوْفَ یعنی خوف یہ ہے کہ تم اپنے جی کو یہ کہکر نہ بہلاؤ کہ ابھی ابھی کرتا ہوں عنقریب اور بہت جلد عمل میں لاتا ہوں۔ یہ حیلے بہانے خوف کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں اور خوف کی زیادتی سے کافور ہو جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے آخرت میں ملنا چاہتے ہو تو میرے بعد دل میں خوف بہت رکھا کرو۔ حضرت فضیلؒ کا کہنا ہے کہ جو اللہ سے ڈرا ہر بھلائی کی راہ اس کے سامنے کھل گئی۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں جس روز بھی اللہ سے ڈرا میرے سامنے حکمت اور عبرت کا ایسا دروازہ کھل گیا جو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے قسم ہے میری عزت کی میں اپنے بندے پر دو خوف اور دو امن ایک جگہ جمع نہیں کرتا اگر وہ دنیا میں مجھ سے امن میں اور بیخوف ہو کر زندہ رہا تو قیامت کے دن اس کو ڈراؤں گا اور اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرتا رہا تو قیامت کے دن اس کو بے خوف اور امن سے رکھوں گا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کو ہر چیز سے ڈراتا ہے۔

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص خوف الٰہی سے رویا وہ دوزخ میں ہرگز نہیں جا سکتا جس طرح تھن سے نکلا ہوا دودھ پھر واپس تھن میں نہیں جا سکتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انسان اگر دوزخ سے اس قدر ڈرے جس قدر کہ وہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہے تو یقیناً جنت میں چلا جائے۔ حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ڈر قریب قریب معنی کے تین نام رکھتا ہے ایک خوف دوسرا خشیہ اور تیسرا ہیبت۔ خوف کو اللہ تعالیٰ نے شرط ایمان ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ اور خشیہ کو علم کی شرط ٹھہرایا ہے فرمایا ہے وَإِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ کہ اللہ کے بندوں میں عالم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں اور ہیبت کو معرفت کی شرط بتایا ہے ارشاد ہے وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ۔ کہ اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔ ابو عمرو

دمشقی ؒ کہتے ہیں کہ خوف دراصل اس کے دل میں ہے جو شیطان سے اس قدر نہ ڈرے جس قدر اپنے نفس سے ڈرے بعض نے کہا کہ خائف وہ نہیں جو روئے اور اپنے آنسو پونچھے بلکہ خائف وہ ہے جو اُس عمل کو چھوڑ دے جس سے عذاب کا خطرہ ہے۔ شاہ کرمانی ؒ کہتے ہیں خوف کی علامت یہ ہے کہ ایک غم کی کیفیت انسان پر ہمیشہ طاری رہے۔ حضرت جنید ؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت خوف کس کا نام ہے فرمایا کہ ہر سانس پر عذاب کا ڈر ہو۔

حیاء و شرم کا احساس ہو خوف و ہیبت کا مادہ ہو

فائدہ۔ حیا مومن کی بڑی اہم اور ضروری صفت ہے۔ حیاء رکھنے والا انسان ہر رذیل اور کمینہ حرکت سے بچتا ہے ہر نازیبا و ناشائستہ امر کو چھوڑتا ہے غرض شرافت و انسانیت کی راہ سے ایک انچ ہٹنا پسند نہیں کرتا۔ حیا انسان کو دین پر بہت جلد لگا دیتی ہے اور پھر دین پر برقرار رکھتی ہے۔ انسان کے قدم کو لغزش سے بچاتی ہے۔ غلطی کی راہ سے ہٹاتی ہے کیونکہ حیاء کی وجہ سے انسان سوچتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا احسانات و انعامات ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر تا ایں وقت انسان اس کی عنایتوں میں از سرتا پا ڈوبا ہوا ہے اور پل بڑھ رہا ہے انسان کا ایک ایک رُواں اللہ تعالیٰ کا مرہون احسان ہے پھر کس طرح اپنے خالق و منعم حقیقی کی عدول حکمی کرے اور اس کے فرمان سے باہر ہو یہ بڑے شرم کی

بات ہے کہ اگر یہ احسانات کے بدلے سے عاجز ہو اور اس کے کرموں کا بدل نہ دے سکتا ہو تو پھر مزید اس کی عدول حکمی بھی کرے اس کے فرمان کو قبول کرنے میں پس وپیش کرے۔ چنانچہ حیاء کی اسی اہمیت کی بناء پر حدیث پاک میں ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ کہ حیاء ایمان کا جزء ہے۔ گویا حیاء بھی ایمان کی تکمیل کا ایک عنصر ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حیاء کے مادہ کو بڑے پاکیزہ طریقے سے ابھارا ہے اور بڑے لطیف پیرایہ میں غیرت دلائی ہے فرمایا اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ کیا یہ (کافر) نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ کافر کو اس کی بد کرداریوں سے ڈرا رہے ہیں کہ کیا اس کو یہ نہیں پتہ کہ اللہ دانا اور بینا ہے اس کی نظر اس پر لگی ہوئی ہے وہ اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے اور نظر میں رکھ رہا ہے پھر کس قدر شرم کی بات ہے کہ اس کی نظر کے سامنے دیدہ دلیری کی جائے اور اپنی ڈھٹائی کا ثبوت ثبوت دیا جائے۔ پیٹھ پیچھے یا نظروں سے اوجھل ہو کر بہت سوں کو تصور کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے مگر نظر کے سامنے بے غیرت سے بے غیرت کی بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے جرأت جواب دیجاتی ہے مگر یہ ایسا بے غیرت بے خیال ہے کہ اللہ کی نظر سے بھی نہیں شرماتا اور اپنے قصور پر دلیری سے ڈٹا ہوا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے شرمانے کا حق ادا

گر دوستوں نے عرض کیا حضور ہم تو بحمد اللہ اللہ سے شرماتے ہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں جو اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کرتا ہے وہ اپنے سر اور اُن ارادوں اور وسوسوں کی حفاظت کرتا ہے جو اس کے سر میں سمائے ہوئے ہیں وہ پیٹ کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور اس غذا کی جو اس میں بھری ہے اور موت اور دیگر آنے والے خطرات ومصائب کو یاد کرتا رہتا ہے اور جس کا مقصد آخرت ہو وہ دنیا کی زینت کو خیرباد کہتا ہے اب جس نے یہ سب کچھ کیا اُس نے درحقیقت حیاء کا حق ادا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ایک حیاء سے دین کی ساری کڑیاں ٹھیک بیٹھ جاتی ہیں ہر کام راستی کے رشتہ میں تُڑ جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ حیاء کا خوف وہیبت سے بڑا گہرا رشتہ ہے حیاء سے ایک ہیبت کی کیفیت انسان پر طاری ہوتی ہے اور اس کیفیت کے باعث انسان کا قدم جادہ مستقیم سے نہیں ہٹتا۔ چنانچہ ابن عطا کہتے تھے کہ علم اکبر ہیبت اور حیاء ہیں جس شخص میں سے یہ دونوں چیزیں جاتی رہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ بھلائی کا راستہ اس پر بند ہو گیا حضرت ذو النون مصری فرماتے ہیں کہ حیاء دل میں اس ہیبت کی کیفیت کا نام ہے جس سے اپنے پچھلے گناہوں پر دہشت ہوتی ہے اور ایک گھبراہٹ سی اس کو دامنگیر رہتی ہے پھر آپ ہی فرماتے ہیں اَلْحُبُّ یَنْطِقُ وَالْحَیَاءُ یُسْکِتُ وَالْخَوْفُ یُقْلِقُ۔ کہ محبت زبان کھلواتی ہے حیاء زبان بند کرتی ہے اور خوف قلق و بے چینی پیدا کرتا ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ قرآن پاک میں جو آیا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔ اس میں قدرت (برہان) سے مراد یہ ہے کہ اس وقت عورت نے گھر کے ایک گوشے میں رکھے ہوئے بت پر کپڑا ڈال دیا تھا یوسف علیہ السلام نے دریافت فرمایا یہ تو کیا کرتی ہے اس نے کہا میں اس سے شرماتی ہوں حضرت یوسف علیہ السلام بولے تو میں اپنے پروردگار سے شرمانے کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَجَاءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ یعنی پھر آئی ان کے پاس ان دونوں میں سے ایک جو چلتی تھی شرم و حیاء سے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے آئی ہیں اور ان کو اپنے باپ کے پاس لیجا رہی ہیں مگر نہایت شرم و حیاء سے آکر خطاب کیا چہرہ کو چادر سے چھپا لیا۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے ان کی شرم کی تعریف فرمائی ہے کیونکہ بزرگ خاندانوں اور خدا ترس لوگوں کے لئے شرم و حیاء بہت بڑا جوہر ہے۔

بعض علماء نے حیاء کی کئی قسمیں بتائی ہیں ایک وہ حیاء جو قصور اور لغزش کی بناء پر انسان کو لاحق ہوتی ہے جس طرح حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ساتھ واقعہ پیش آیا کہ آپ سے جب لغزش ہوئی تو آپ حیران اور ترساں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اللہ تعالےٰ نے فرمایا

أَفِرَارٌ مِنَّا اے آدم کیا ہم سے بھاگتے ہیں انہوں نے عرض کیا اے پروردگار نہیں میں تو آپ سے شرما رہا ہوں۔ یا حیاء اپنی تقصیر اور کوتاہی کے باعث ہو جس طرح فرشتوں نے کہا تھا سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ یا حیاء بزرگی کے مقابلہ میں ہو جس طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام نے جلال خداوندی سے شرما کر خود کو بازوؤں سے ملبوس کر لیا یا حیاء کرامت و شرافت کے باعث ہو جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شرافت نفس کی وجہ سے شرم آتی تھی کہ اپنی امت کے ان لوگوں سے جو آپ کے گھر میں جم کر بیٹھ جاتے تھے، کہیں کہ تم چلے جاؤ آخر پھر خدا تعالیٰ نے خود ہی حکم نازل فرمایا اور لوگوں کو اس حرکت سے روکا۔ فرمایا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ یعنی تمہاری اس بات سے نبی کو تکلیف تھی پھر وہ تم سے شرماتے ہیں۔ یا حیاء حشمت کے باعث ہو جس طرح حضرت علیؓ نے مذی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار میں حضرت مقدادؓ کو واسطہ ڈالا تھا کیونکہ آپ کے گھر میں حضرت فاطمہؓ تھیں اسلئے آپ کو حجاب ہوا اور براہ راست مسئلہ دریافت کرنے سے شرم آئی۔ یا حیاء حقارت کی وجہ سے ہو کہ مثلاً نقل ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار عالم سے عرض کیا اے باری تعالیٰ

میں دُنیا کی حقیر چیز تجھ سے مانگنے میں شرماتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں مجھ سے حقیر سے حقیر چیز بھی مانگو یہاں تک کہ آٹا گوندنے کے لئے نمک بھی اور اپنی بکری کے لئے چارہ بھی مانگو۔

حضرت جنید رحؒ سے کسی نے حیاء کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ ایک طرف خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا اور دوسری طرف اپنے قصوروں کو دیکھنا ان دونوں باتوں سے جو کیفیت انسان میں پیدا ہوتی ہے بس اُسی کو حیاء کہتے ہیں۔

حضرت ابو بکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں مگر ادائیگی کے بعد جو میں لوٹتا ہوں تو مجھ کو ایسی شرمندگی لاحق ہوتی ہے جیسے کہ میں چوری کر کے واپس آرہا ہوں۔

خدا تعالےٰ نے بندہ کیلئے رزق کی جو ذمہ داری لی ہے اس پر اعتماد کر کے سکون و تسلی سے رہے اور اسی طرح خدا تعالیٰ نے بندہ کیلئے جو بھی صورت اختیار فرمائی ہو اس کی خوبی پر یقین رکھتے ہوئے اُسی پر بھروسہ اور توکل ہو۔

فائدہ:- اس ادب میں توکل کا سبق ہے۔ توکل دُنیا کی زندگی میں جنت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت سے نظر

ہٹاکر اپنی طاقت پر نظر رکھتا ہے اور اپنی سمجھ بوجھ کو دُنیاوی زندگی میں موثر خیال کرتا ہے تو زندگی میں جن جن ناکامیوں اور نامرادیوں سے اس کو سابقہ پڑتا ہے وہ اس کے لئے عذاب ہو جاتی ہیں اور ان میں خود ہی کو مجرم ٹھہرا کر دست حسرت ملتا ہے افسوس کرتا ہے اور صف ماتم بچھاتا ہے یہ خیال نہیں کرتا کہ اس پر حالات کس کے ہاتھوں آرہے ہیں اور یہ دُنیا کا کارخانہ کس مصلحت سے چل رہا ہے۔ کوئی دیتا ہے تو ملتا ہے وہ نہ دے تو کچھ نہ ملے چاہے انسان لاکھ جتن کرے سر رگڑے پاؤں پیٹے دوڑے بھاگے پھر بھی کچھ نہ کر سکے توکل کے بارے میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ نہایت مختصر سا بیان یہاں بھی پیش ہے۔

حضرت ابو سعید خراز نے توکل کو نہایت مختصر جامع اور موزوں الفاظ میں سمجھایا ہے فرماتے ہیں اَلتَّوَکُّلُ اِضْطِرَابٌ بِلَا سُکُوْنٍ وَّسُکُوْنٌ بِلَا اِضْطِرَابٍ کہ توکل نام ہے اس بے چینی کا جس میں سکون نہ ہو اور اس سکون کا جس میں بے چینی نہ ہو۔ یعنی جس طرح بچہ ماں سے جدائی و علیحدگی میں روتا دھوتا تڑپتا چلتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے اس کو قرار نہیں ایک پل بھر اسے چین نہیں لیکن جب ماں کے سینہ سے لگ جاتا ہے اس کو پورا سکون ملتا ہے اور اس کی بے چینی کافور ہوتی ہے اسی طرح بندہ خدا تعالےٰ سے ہٹ کر بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہوتا ہے۔ دُنیا کی طاقتیں اس کی تسلی کا

ساماں بہم نہیں پہنچا سکتیں لیکن جب اس کا بھروسہ اور اعتماد خدا تعالیٰ پر قائم ہو جاتا ہے اور اس سے اپنا دل لگا لیتا ہے تو اس کو کلی اطمینان و آرام ملتا ہے پھر وہ بے چینی کا منہ نہیں دیکھتا ہے بلکہ سکون کے گہوارہ میں پلتا بڑھتا ہے۔ اور ساری زندگی میں امن وچین کی بانسری بجاتا ہے (یہ عقل کا زبردست دھوکا ہے کہ بندہ کو اسباب دنیاوی سے تسلی دلاتی ہے حالانکہ اسباب کے لئے خود اسباب ہیں پھر انسان رب الاسباب سے رشتہ کیوں نہ جوڑے اس نے میل کرکے اسباب کے کچے دھاگہ کو کیوں نہ توڑے۔

حضرت ابوعبداللہ قرشیؒ سے کسی نے پوچھا حضرت توکل کسے کہتے ہیں فرمایا اَلتَّعَلُّقُ بِاللّٰہِ فِی کُلِّ یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق پیدا کر لینا۔ سائل کو تسلی نہیں ہوئی عرض کیا حضرت مزید تشریح فرمائیں فرمایا تَرْکُ کُلِّ سَبَبٍ یُوْصِلُ اِلٰی سَبَبٍ حَتّٰی یَکُوْنَ الْحَقُّ ھُوَالْمُتَوَلِّیْ لِذٰلِکَ یعنی ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو دوسرے سبب تک پہنچائے یہاں تک کہ حق سبحانہٗ انسان کا کارساز بن جائے جو سارے اسباب کا سبب ہے۔

توکل سے تسلی ملنے کا راز اس میں بھی مضمر ہے کہ متوکل اللہ تعالیٰ کی اس ذمہ داری پر بھروسہ رکھتا ہے جو اس نے ہر مخلوق کی دیکھ بھال کے لئے لی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے اور اس کے رزق و روزی کی کفالت نہ فرمائے۔ حضرات سے

اس کو نہ بچائے دنیا میں زندگی کے اسباب اس کے لئے مہیا نہ کرے۔

حضرت شبلیؒ کا قول اس سلسلہ میں بہت ہی نصیحت بخش ہے جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آکر اہل وعیال کی زیادتی کی شکایت کی اور اپنی آمدنی کی قلت کا رونا رویا آپ نے فرمایا اِرجع اِلیٰ بیتِکَ فَمَن لَیسَ رِزقُہٗ عَلَی اللّٰہِ فاطرُدہُ عَنکَ۔ یعنی واپس گھر جا اور گھر والوں میں جس کا رزق اللہ پر نہ ہو یعنی اس کی ذمہ داری خدا تعالےٰ نے نہ لی ہو اس کو گھر سے نکال باہر کر۔ ایسا کون نکل سکتا ہے جس کی ذمہ داری خدا تعالیٰ نے نہ لی ہو اس کو گھر سے نکال باہر کر۔ ایسا کون نکل سکتا ہے جس کی ذمہ داری خدا نے نہ لی ہو مطلب یہی ہوا کہ جب خدا نے ہر ایک کے رزق کی خود ذمہ داری لی ہے تو انسان کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ نیز متوکل یہ بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے جو صورت زندگی کی پسند کی ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہے اور اس کے لئے بالکل مناسب ہے اس یقین سے بھی بے چینی دور ہو جاتی ہے۔ ہر حال میں سکون ملتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ سے توکل کے معنی پوچھے تو فرمایا بس اپنے کو اللہ کے ارادے کے سپرد کر دینا۔

ابو تراب نخشبیؒ کا کلام نقل ہے التوکُّلُ ھُوَ طَرحُ البَدَنِ فِی العُبودِیَّۃِ توکل بدن کو فرائض عبودیت میں لگا دینا و تعلق القلب

بالرُّبُوبِیَّۃِ اور دل کو صفت ربوبیت سے جوڑ دینا جس کے معنی ہیں خود پرورش ہے۔ وَالطُّمَانِیَّۃُ اِلَی الْکِفَایَۃِ اور جو کچھ ضرورت کو کافی مل جائے بس اس پر مطمئن و صابر رہنا گویا رضا بقضا رہنا۔ بس یہی صحیح توکل ہے اور یہی حقیقی ایمان ہے۔

سردی کی شدت وغیرہ کے باوجود وضو خوب اچھی طرح تمام فرائض و سنن اور آداب و شرائط کی رعایت کے ساتھ کرے

فائدہ۔ نماز عبادات میں جو ٹی کی عبادت ہے۔ یہ انسان کے دل کو نور ایمان سے منور کرتی ہے بدن کو ظاہری میل کچیل سے بھی پاک صاف رکھتی ہے۔ چنانچہ شریعت نے اس مقدس عبادت کے لئے طہارت فرض فرما کر وضو ضروری ٹھہرایا تاکہ ظاہری صفائی سے باطن کی صفائی میں مدد حاصل کی جائے وضو چونکہ نماز ادا کرنے کا ذریعہ اور واسطہ ہے اسلئے اس کا اہتمام بھی نماز ہی کی طرح لازم ہے اور اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام آداب و شرائط نہایت تفصیل و بسط سے قول سے بھی سکھائے اور عمل سے بھی ان کو واضح فرمایا۔ تاکہ اس میں غلطی نہ ہو اور پھر وہ غلطی کہیں نماز کے خراب ہونے کا ذریعہ نہ ٹھہرے۔ آنجناب نے بڑی بڑی تاکید سے فرمایا کہ وضو خوب اچھی طرح کیا کرو وضو کی تکمیل

گویا نماز کی تکمیل ہے وضو میں خامی چھوڑنا گویا نماز میں خامی رکھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف واپس ہوئے راستہ میں پانی پر ٹھہرے تو لوگوں نے عصر کی نماز کے لئے وضو کرنے میں عجلت و تیزی سے کام لیا جب ہم ان کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی ایڑیاں سوکھی ہیں پانی سے تر نہیں ہوئی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایڑیوں کیلئے "ویل ہے" آگ سے (یعنی دوزخ میں جلائی جائیں گی) پھر فرمایا کہ وضو اچھی طرح کیا کرو۔ یعنی فرائض واجبات اور سنن وغیرہ کا پورا لحاظ رکھ کر وضو کیا کرو اور دیکھ لیا کرو کہ کوئی عضو وضو سوکھا تو نہیں ہے اگر تم نے وضو ناتمام کیا تو اس نماز کا ادا ہونا اور اس سے اجر و ثواب ملنا تو ایک طرف اور اُلٹا اس زبردست اور سنگین غلطی کا گناہ تمہارے ذمہ عائد ہوگا اور اس کی سزا کے تم مستوجب ٹھہروگے اور سزا بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ یہ کہ ویل جو دوزخ کے ایک نالہ کا نام ہے اس میں یہ سوکھی ایڑیاں جلائی جائیں گی۔ اس واقعہ سے اچھی طرح وضو کرنیکی بے پناہ اہمیت نکلتی ہے۔

اسی طرح یوں بھی روایت ہے کہ لقیط بن صبرۃ رضؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو بتائیے آپ نے فرمایا تم وضو اچھی طرح کیا کرو اور انگلیوں میں خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح پہنچاؤ مگر جب کہ تم روزہ دار ہو۔ یعنی بحالت روزہ ناک میں پانی اچھی طرح پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ ان روایات سے پتہ چلا کہ وضو بے غوری پن

سے کرنا سخت گناہ کی بات ہے اور اس پر مومن سزا کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ اگر ایسے نازک حالات ہوں کہ شدت کی سردی پڑ رہی ہے عضو بدن کو دھونا تو کجا پانی کا بدن کو چھونا قیامت ہے۔ ہر شخص ہے کہ وضو سے جی چرا رہا ہے مگر کیا کیجئے حکم شرع ہے وضو تو کرنا ہی ہے آپ ان حالات میں اسباغ وضو (وضو اچھی طرح کرنے) کا تو حکم بدستور ہے لیکن نازک حالات کے ماتحت اور اس اصول کے مطابق کہ اجر بقدر مشقت ہے شریعت نے اس وقت اچھی طرح وضو کرنے کا اجر و ثواب بہت بڑھا دیا ہے۔ ایسے سخت موسم میں وضو اچھی طرح کرنا بہت بڑے ثواب کے اعمال میں شمار ہوتا ہے جس کو سنکر عقل حیران ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو خواب میں بہترین صورت میں دیکھا، خدا نے مجھ سے پوچھا ملائکہ مقربین کس معاملہ میں جھگڑتے ہیں میں نے عرض کیا اے پروردگار تو ہی اچھی طرح جانتا ہے یہ سنکر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا جس کی سردی میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور مجھ کو آسمانوں اور زمین کی تمام درمیانی چیزوں کا علم حاصل ہو گیا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ یعنی اسی طرح دکھایا ہم نے ابراہیم کو تصرف آسمانوں اور زمین کا تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل ہو جائیں (دارمی) ترمذی نے بھی یہ حدیث

عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے اور حضرات ابن عباسؓ اور معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ خداتعالیٰ نے پوچھا اے محمدؐ تم جانتے ہو مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا جی ہاں میں جانتا ہوں وہ ان اعمال پر جھگڑتے ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہیں اور وہ یہ ہیں مسجدوں میں ٹھہر کر دوسرے وقت کی نماز کا انتظار کرنا اور جماعتوں میں شرکت کے لئے مسجد کی طرف پیدل چل کر جانا اور تکلیف و دقت کے وقت (مثلاً سخت ٹھنڈ میں) اچھی طرح وضو کرنا جس شخص نے یہ نیک کام کئے وہ خیر وبھلائی کے ساتھ زندہ رہے گا اور خیر وبھلائی کے ساتھ مرے گا۔ اور گناہوں سے ایسا پاک ہوجائے گا گویا کہ اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے۔

ملاحظہ ہو وضو ذریعہ عبادت اور واسطہ نماز ہے مگر تکلیف کے حالات میں اس کو مستقل عبادت کا درجہ نصیب ہوا اور وہ بھی معمولی عبادت نہیں بلکہ وہ عبادت جو گناہوں کا کفارہ ہوجائے وہ عبادت جو پوری زندگی کو خیر وبرکت سے بھر دے وہ عبادت جو انسان کا خاتمہ بھی خیر وبھلائی پر کرائے وہ عبادت کہ جو انسان کو ایسا پاک کرے کہ گویا یہ ابھی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا ہے۔ اللہ اکبر خداتعالیٰ بڑا نکتہ نواز ہے۔ اس کے فضل وکرم کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اور فرشتوں کا جھگڑنا یہ کہ ہر فرشتہ کوشش کرتا ہے کہ یہ عمل خیر میں دربار الٰہی میں لیجا کر پیش کروں۔

اور یہ فخر مجھ کو نصیب ہو۔

ایک نماز ختم ہونے پر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے

فائدہ۔ نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ عبادت ہے اور نہایت اونچے درجہ کا برگزیدہ عمل ہے ہر عبادت انجام وہی سے باعث اجر و ثواب ہوتی ہے عمل میں لانے سے خیر و برکت کا سبب بنتی ہے لیکن نماز ہی ایک ایسی انوکھی عبادت ہے کہ اس کی ادائیگی جس اجر و ثواب کا باعث ہے وہ تو اپنی جگہ ہے لیکن اس کے صرف انتظار میں بیٹھنا بھی ایک عبادت ہے اور وہ بھی معمولی نہیں بڑی بھاری عبادت۔ ابھی ابھی آپ نے معلوم کیا کہ نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے انتظار کرنا اور مسجد میں ٹھہرا رہنا وہ عبادت ہے جو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے زندگی اور موت کو خیر و برکت کا کرتی ہے اور معصوم بچّہ کی طرح گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ ایک حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ انتظارِ نماز کا درجہ نماز ہی کا ہے۔ چنانچہ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشا کی۔ آپ گھر سے باہر تشریف نہیں لائے یہاں تک کہ گذر گئی آدھی رات کے قریب پھر تشریف لا کر فرمایا اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے لیکن تم نماز کا انتظار کر رہے ہو پس تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمہارا یہ سارا وقت نماز ہی میں

شمار ہوگا۔

ملاحظہ کیجئے رحم و کرم کو کہ انتظار نماز کو بھی نماز میں شمار فرمالیا۔ یہ اسلئے کہ کمزور ایمان والوں پر یہ وقت بڑا بھاری ہوتا ہے۔ انتظار بڑا شاق ہوتا ہے۔ خصوصاً بوقت عشاء شیطان نرم نرم بستر کی یاد دل میں لاتا ہے نیند الگ ستاتی ہے جسم گو مسجد میں ہوتا ہے مگر دل گھر میں ہوتا ہے۔ اور دوسرے اوقات میں دنیا کے کاروبار انسان کو جو کما تے ہیں بھولے ہوئے دھندے یاد آجاتے ہیں اور شیطان بہکاتا ہے کہ اٹھ کر چلے چلو۔ لہٰذا اس ذہنی انتشار میں اور اس خیالی کشمکش میں جو شخص جما رہا اور کسی باطل خیال کو اس نے دل میں جگہ نہیں دی اُس نے اللہ تعالیٰ سے بے اندازہ اجر و ثواب حاصل کیا۔

اس خوف سے ہر وقت دل لرزاں اور ترساں رہے کہ

فرض نہ چھوٹ جائے

فائدہ۔ شریعت کی بتائی ہوئی عبادات کے باعتبار اہمیت و غیر اہمیت کئی اقسام و انواع ہیں مثلاً فرائض و سنن اور مستحبات وغیرہ ان میں فرائض کو تمام عبادات و طاعات میں زیادہ اہمیت و برتری نصیب ہے یہ کسی دم انسان سے نہیں چھوٹتے یہ انسان کے سانس کے ساتھ چلتے ہیں اور سانس ہی کے بند ہونے سے بند ہوتے ہیں اور اگر یہ چھوڑ دیئے جائیں تو ایمان خطرہ

میں پڑ جاتا ہے عمل تو عمل خود عقیدہ کے لالے پڑ جاتے ہیں یوں تو سب ہی عبادات وطاعات اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کے ذرائع ہیں لیکن فرضوں کی ادائیگی سے انسان کو بہت جلد اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ۔ کہ میری محبوب وپسندیدہ چیزوں میں سے کوئی چیز بندہ عمل میں لاکر میری طرف اس قدر قرب ونزدیکی حاصل نہیں کرتا جس قدر کہ وہ ان فرضوں کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں۔ فرضوں کی یہی اہمیت ہے کہ سچا مومن جان جائے مگر فرضوں کو نہیں جانے دیتا دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت چھوٹ جائے مگر فرضوں کو نہیں چھوٹنے دیتا۔ بلکہ ہر وقت اس خوف میں رہتا ہے کہ ایسا نہیں غفلت وسستی سے یا دنیا کے دھندوں اور بکھیڑوں میں گھر کر فرض ترک ہو جائیں اور وہ اللہ کے نزدیک سزاوار عتاب وعذاب ٹھہرے۔ جسم سے بظاہر کسی کام میں لگا ہو مگر دل اس کا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں اٹکا ہوتا ہے۔ ابھی ایک نماز سے فارغ ہوا فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہوا اور بظاہر دوسری نماز تک یہ فارغ ہے مگر نہیں دل اس کا فارغ نہیں۔

اب دوسری نماز کی فکر ہے دوسرے فرض کا انتظار ہے۔

کان اذان پر لگے ہیں دل مسجد میں پڑا ہے کھٹکا یہ ہے کہ غفلت و مشغلہ میں وہ فرض کی ادائیگی سے نہ چوک جائے جماعت سے نہ بچھڑ جائے۔ ادھر اذان کی آواز کان میں پڑی ادھر اس نے اپنے سب دھندوں سے دل اٹھایا۔ ہر کام سے ہاتھ کھینچا اور دنیا کے مشغلوں سے بے تعلق سا ہو کر مسجد کی طرف ادائیگی فرض کے لئے چل پڑا اور اب یہ دنیا کا نہیں آخرت کا ہو لیا۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت بیان فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُہٗ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ کَاَنَّہٗ لَمْ یَعْرِفْنَا وَلَمْ نَعْرِفْہُ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بات چیت کرتے ہوتے اور ہم آپ سے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو یک بیک ایسی توجہ ہم سے ہٹا لیتے کہ گویا ہم کو آپ جانتے ہی نہیں اور ہم آپ کو نہیں جانتے۔ ملاحظہ کیجئے یہ ایک دم قطع تعلقی کیوں اور اچانک بے توجہی کس سبب سے یہ سب اسلئے کہ کہیں فرض ترک نہ ہو جائیں اور یہ اہم ترین عبادت چھوٹ نہ جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات اشخاص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز کہ خدا تعالیٰ کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک امام عادل دوسرا وہ جوان جو اپنی جوانی کو خدا تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرے تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہو۔

جب وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے تو جب تک مسجد میں واپس نہ جائے بےچین رہتا ہے (آخر حدیث تک) لیجئے ان میں تیسرا شخص کون ہے وہی جس کے دل کو نماز کا کھٹکا نہیں چھوڑتا۔ یہ جسم سے مسجد سے نکلتا ہے مگر دل اس کا مسجد ہی میں رہتا ہے۔ اس کی بےچینی کا سبب دراصل وہ عتاب الٰہی ہے جس سے شارع علیہ السلام نے ترک نماز پر ڈرایا ہے کہ ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ کہ جس نے جان کر قصد وارادہ سے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا۔ یا آپ کا فرمان گرامی سامنے ہے مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ مُضَيِّعٌ لِلصَّلٰوةِ لَمْ يَعْبَأِ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ ۔ کہ جو اللہ سے بروز قیامت اس حال میں ملا کہ وہ نماز کا ضائع کرنے والا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کی پروا نہیں کرے گا۔ یا وہ یہ ارشاد نبوی سنکر بےچین و بےکل ہے اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو چھوڑ دیا تو اس نے گویا دین کو ڈھا دیا۔ نیز اس کو یہ لالچ مضطرب و پریشان رکھ رہی ہے کہ فرمان نبوی ہے مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ ۔ یعنی جنت کی کنجی نماز ہے۔

ہمیشہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور خدا تعالیٰ سے معافی چاہے اس ڈر سے کہ کہیں گناہوں پر اصرار نہ ہو جائے

فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے مقدس دین سے نوازا دین اور بر د

نواہی دونوں پر مشتمل تھا یعنی بعض باتوں کا حکم کیا اور بعض سے روکا
بعض کو عمل میں لانے کے لئے کہا بعض کو عمل میں لانے سے باز رکھا
انسان بھول چوک غلطی و لغزش فطرت سے لیکر پیدا ہوا ہے دین
پر چلنے کا اس کے لئے بڑا اہم سوال تھا۔ گناہ سے دامن بچانا اس
کے لئے سخت مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مزید کرم فرمایا کہ اس کے
لئے توبہ کا دروازہ کھولدیا اور اس کی کمزوری کا ایک گونہ علاج نکالا
حضرت حسن کا کہنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ
السلام کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتے آپ کے پاس مبارک باد کے
لئے آئے اور حضرات جبرئیلؑ و میکائیلؑ بھی آئے اور دونوں نے
کہا اے آدمؑ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرما کر آپ کی آنکھوں کو
ٹھنڈا کیا حضرت آدمؑ نے جواب دیا اے جبرئیلؑ اگر اس توبہ کے بعد
سوال ہوا اور پرسش کا موقع آیا تو پھر میرا کہاں ٹھکانہ ہے اس پر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اے آدمؑ تم نے اپنی ذریت کو
مشقت و دقت و رنج میں دی اور میں نے ان کو توبہ کا تحفہ دیا اسلئے
ان میں جو بھی مجھ سے دعا کرے گا میں اس کی دعا ایسی ہی قبول کرونگا
جس طرح میں نے تمہاری دعا قبول کی ہے اور جو مجھ سے مغفرت
چاہے گا میں مغفرت کرنے میں بخل سے کام نہیں لونگا اس لئے
کہ میں اس کے قریب ہوں دعا قبول کرنے والا ہوں اور اے آدم
میں توبہ کرنے والوں کو قیامت کے دن خوش خوش اٹھاؤنگا قبر ولی

سے ہنستے کھیل کھلاتے اٹھیں گے اور ان کی دعا مقبول ہوگی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر بہت جگہ اور مختلف پہلو سے کیا ہے ایک جگہ اپنی ذات کریمی کی شناخت اس طرح کرائی اور فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ یعنی اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی بدیوں کو معاف فرماتا ہے ایک جگہ اس طرح اپنا تعارف کرایا غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ کہ وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ایک جگہ توبہ کے لئے حکم صادر فرمایا اور سب ہی کو اس حکم میں شامل فرمایا ارشاد ہوا وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ یعنی اے مومنو سب کے سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم بھلائی پاؤ۔ قربان جائیے اس ذات کریمی پر کہ اس نے اپنے بندوں پر مہربانیوں کی کیسی بارش فرمائی کہ گناہ سے معافی کا راستہ خود ہی بتایا اور ان کی غلطیوں کا علاج خود ہی تجویز فرمایا۔

حدیث پاک میں بھی توبہ کا بیان مختلف پیرایوں سے بسط و تفصیل سے وارد ہے۔ عدول حکمی اور خلاف ورزی آقا کی نظر میں ماتحت کی قدر و منزلت کو گھٹاتی ہے اس کے درجے کو گراتی ہے۔

غرض گئی ہوئی آبرو پھر نہیں لوٹتی مگر خداوند قدوس کی رحیمی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ خوشخبری صاف سنائی اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔ کہ گناہ سے

سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔
پھر انسان اپنے ماتحت کے گناہ خاص خاص حالات کے ماتحت اور کچھ موقع و محل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر معاف کرتا ہے مگر دل میں کدورت کے اثرات نہیں مٹتے۔ رنجش کا جو ایک گھاؤ دل پر لگ جاتا ہے اس کے نشانات باقی رہتے ہیں۔ خداوند برتریں یہ بات نہیں وہ توبہ قبول کر کے خوش ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد خوش ہوتا ہے کہ انسان اطاعت سے خوش ہوتا ہے بلکہ ہم اس کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی خوشی کی ایک بڑی عمدہ مثال سے وضاحت فرمائی ہے کہ فرض کرو ایک شخص لق و دق میدان میں چلتے چلتے اتر پڑا ہے اور اس کا کھانا پینا اس کی سواری پر ہے جس کو وہ سرہانے باندھ کر سو جاتا ہے جب جاگتا ہے تو سواری غائب ہے بھوک پیاس کی شدت سے سواری کو ادھر ادھر تلاش کرتا ہے کہیں نشان نہیں پاتا آخر زندگی سے مایوس ہو کر وہیں آتا ہے جہاں سواری کھوئی تھی اور اب مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ذرا سی جھپکی لگتی ہے اور پھر جو آنکھ کھلتی ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ سواری مع کھانے اور پینے کی چیزوں کے سرہانے کھڑی ہے۔ ذرا کوئی اندازہ لگائے کہ اس شخص کی خوشی کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرما کر اس انسان سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

بلکہ کلام پاک میں تو صاف ہی فرمادیا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے۔ بلکہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث نقل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو مٹا کر دوسری کسی ایسی قوم کو پیدا فرماتا جو گناہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت چاہتے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔ اللہ اکبر کیا عبرت کا مقام ہے جب خداوند قدوس کی طرف سے بندہ پر ایسے کرم و احسان کے دروازے کھلے ہوں اور بندہ غلطی پر غلطی کرے لغزش پر لغزش کرے یعنی ایک غلطی و لغزش تو یہ کہ ارتکاب گناہ کیا دوسری لغزش و غلطی یہ کہ توبہ اور استغفار میں درنگ و تاخیر کرے آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں یا ابھی نہیں پھر کرے۔

قدرت اس پر رحمت و عفو کے دروازے بند کر رہی ہے اور بخشش کی راہیں کھول رہی ہے اور یہ اسی طرح غفلت و سستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ بندہ کیا یہ نہیں جانتا کہ گناہ سے فوری بیداری پر اور توبہ نصوحہ کرنے پر گناہ کبیرہ بھی بفضل خدا اعمال نامہ سے مٹ جاتا ہے اور گناہ پر جمے رہنے سے گناہ صغیرہ بھی گناہ کبیرہ کی حیثیت لے لیتا ہے۔ گناہ کرنا تو ایک فطری سی چیز ہے انسان جب تک انسانیت کے

جامہ میں ہے اس کا لغزش سے بچنا سخت دشوار ہے لیکن گناہ کر کے توبہ کی طرف قدم نہ بڑھانا یہ فطری نہیں بے عقلی ہے یہ تقاضائے انسانیت نہیں بلکہ تقاضائے سوئی قسمت ہے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔ کہ ہر انسان خطا کار ہے لیکن خطا کاروں میں بہتر خطا کار وہ ہیں جو خطاؤں کے بعد توبہ کرنے والے ہیں۔

پھر خطا کار بندہ بڑا شکی اور وہمی ہوتا ہے اور جس طرح خود نیک عمل میں کمزور ہوتا ہے اسی طرح العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ کو بھی فیض رسانی میں کمزور خیال کرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ میں نے اس قدر بڑے گناہ کئے ہیں یا اتنے گناہ کئے ہیں یہ کیسے معاف ہوں گے حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ گناہ کرنے والے سے گناہ مٹانے والا زیادہ طاقت ور اور زبردست ہے بہرحال گناہ گار کے اس کھٹکے کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام پاک سے مٹایا اور فرمایا لَوْ عَمِلْتُمُ الْخَطَايَا حَتّٰى تَبْلُغَ السَّمَاءَ ثُمَّ نَدِمْتُمْ لَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ کہ اگر تم خطائیں اتنی کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں اور پھر تم اپنی خطاؤں پر ندامت اور شرمندگی محسوس کرو تو البتہ اللہ تعالےٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

لہٰذا بہتر ہے کہ انسان توبہ اور استغفار کسی دم اور کسی وقت نہ بھولے گناہ پر اصرار کا موقع نہ آنے دے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا کہ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں پھر گناہ کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں۔ لیجئے ادھر سے بار بار گناہ اُدھر سے بار بار معافی اِدھر سے غلاموں اور نوکر چاکروں کی سی خصلت وعادت ادھر آقاؤں اور سرداروں کی سی پردہ پوشی اور مروت حضرت فضیلؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بشارت دیجئے گناہگاروں کو کہ اگر انھوں نے گناہ کئے تو میں ان کو معاف کروں گا اور ڈرا دیجئے صدیقین کو کہ اگر میں نے انصاف سے کام لیا اور تم پر عدل چلایا تو تم کو عذاب دونگا۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں نجات اور چھٹکارا ہے اور عدل وانصاف میں گرفتاری اور پکڑ ہے۔ بندہ اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کر سکے عبادات کے اجر و ثواب کا حقدار بنے اس کے احسانات بے گنتی اور بے شمار اور بندہ کی عبادتیں گنی گنائیں پھر عبادتیں احسانات الٰہی کا بدل کیسے بنیں دوسرے عبادتیں بھی قصوروں اور کوتاہیوں سے بھری۔ لہٰذا بندہ کا خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی بیڑا پار ہوتا ہے۔

حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بندہ پر اس قدر زبردست ہیں کہ بندہ ان سے عہدہ برآ ہو نہیں سکتا لیکن بندہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ صبح بھی توبہ میں گذارے اور شام بھی توبہ میں گذارے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو بندہ خطا اور قصور کرنے کے بعد لرز گیا اور کانپ گیا تو اس کا گناہ لوح محفوظ سے مٹا دیا گیا۔

نقل ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی نبی سے کوئی لغزش ہوئی اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میری عزت کی قسم اگر اب کے تم نے لغزش کی تو میں تم کو عذاب دوں گا وہ نبی بولے اے پروردگار تو تو ہی ہے اور میں ہی ہوں تیری عزت کی قسم اگر تو نے مجھ کو لغزش سے نہیں بچایا تو میں تو پھر بھی لغزش کر بیٹھوں گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو لغزش سے بچالیا۔

اسی سلسلہ میں بزرگان دین نے توبہ کی وضاحت میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی ذہن نشین فرمالیں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ صحت توبہ کے لئے تین امور کا ہونا لازمی ہے یعنی یہ کہ جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس پر پوری پوری ندامت ہو اور فی الوقت وہ عمل سے نکال دیا گیا ہو اور پختہ ارادہ ہو کہ آئندہ وہ اس گناہ کے پاس نہیں پھٹکے گا۔

حضرت ابو علی دقاقؒ نے فرمایا [illegible] قسم کی ہوتی ہے ایک توبہ دوسری انابہ تیسری اوبہ توبہ عام [illegible] لئے ہے کہ فرمایا وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ انابہ اولیا اور مقربین کے لئے کہ فرمایا وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ اور لایا دل رجوع کرنے والا۔ اور اوبہ انبیاء اور رسل کے لئے کہ فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ بہت خوب بندہ ہے وہ اور البتہ وہ رجوع کرنے والا ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سری علیہ الرحمہ کے پاس گیا

دیکھا کہ فکرمند سے ہیں میں نے پوچھا حضرت کیا ہوا کہا کہ ابھی ایک جوان آیا اور اُس نے توبہ کے بارہ میں مجھ سے پوچھا میں نے کہا توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے تو وہ لگا مجھ سے بحث کرنے کہ نہیں توبہ یہ ہے کہ انسان اپنا گناہ بھول جائے۔

حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت بات تو جوان ہی کی ٹھیک ہے کیونکہ توبہ صفائی کا موقع ہے اور صفائی کے موقع پر جفا کو یاد کرنا یہ بھی ایک جفا ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے توبہ کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ عوام کی توبہ گناہوں سے ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔

حضرت بوشنجیؒ سے کسی نے توبہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا کہ توبہ دراصل یہ ہے کہ تم اگر گناہ کو یاد کرو تو تم کو اس کی یاد میں لطف اور شیرینی نہ معلوم ہو۔

حضرت ابن عطارؒ کا قول ہے کہ توبہ دو قسم کی ہے ایک توبہ انابہ دوسری توبہ استجابہ توبہ انابہ تو یہ کہ بندہ سزا کے خوف سے توبہ کرے اور توبہ استجابہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے شرما کر توبہ کرے۔ اللہ اکبر بزرگوں نے کیا نکتے بیان فرمائے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ کے بے پایاں کرم و احسان کو دیکھ کر ایک طرف اور اپنی کوتاہوں اور کمزوریوں پر نظر ڈال کر دوسری طرف انسان خود بخود حیا و شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے تصوروں سے توبہ کرتے ہی بنتی ہے اس میں سزا کے

خیال کا موقع ہی نہیں۔

خدا اور رسولؐ کے بیان کردہ اور نظر اور مشاہدہ سے غائب اُمور کی ہمیشہ تصدیق ہو

فائدہ۔ یہ خدا کا اتارا ہوا مقدس دین اور دین کا یہ نایاب و نادر سرچشمہ ہدایت قرآن پاک انھیں لوگوں کے لئے باعث ہدایت و رہنمائی اور سبب نصیحت و بھلائی ہے جو دین کی بتائی ہوئی غیبی باتوں پر ایسا یقین رکھتے ہیں جس طرح کوئی مشاہدہ کی چیز پر یقین رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد کیونکہ مشاہدہ میں غلطی ہو سکتی ہے۔ یہ گوشت پوست کے حواس بہک سکتے ہیں لیکن اللہ رسولؐ کا کلام حقیقت سے ذرہ برابر نہیں ہٹ سکتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن پاک کے شروع ہی میں اس حقیقت کو کھول دیا کہ قرآن کریم کن کے لئے چراغ ہدایت ہے اور کن کیلئے نہیں اور فرمایا ھُدًی لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کہ یہ کتاب راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو جو یقین رکھتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا۔ دین دل کی آنکھ کھولتا ہے اور اس مادی نظر سے اوجھل چیزوں کو مشاہد کی چیزوں سے زیادہ یقینی بتاتا ہے۔

مثلاً آخرت کے جس قدر امور ہیں جن کی مومن کو لالچ دلائی گئی ہے یا اُن سے مومن کو ڈرایا گیا ہے وہ سب یوں تو غیبی ہیں یعنی ہماری حس کی رسائی سے خارج ہیں لیکن ایمان کے نور سے یہ نظر کی چیزوں سے

زائد روشن ہو کر مومن کو دکھتے ہیں اور ان امور کے خیال و تصور سے جسم پر ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ گویا یہ امور نظر کے سامنے موجود ہیں مثلاً آگ کے جلانے کا خوف ہم کو آگ کے پاس نہیں لیجاتا اور اس کے پاس پھٹکنے سے ہم لرزتے اور کانپتے ہیں بلکہ ان افعال سے بھی ہم بچتے ہیں جن سے ہم کو آگ میں پڑجانے کا خطرہ پیدا ہو۔

بس بالکل اسی طرح دوزخ کے وجود پر سچے دل سے یقین لانے والا مومن دوزخ کی آگ سے مرعوب رہتا ہے اور ان کاموں سے بھی بچتا اور گریز کرتا ہے جو دوزخ میں لیجانے کے سبب ہوں یہ سارا کرشمہ اس پختہ یقین اور صحیح تصدیق کا ہے کہ جس نے غیبی چیزوں کو عیانی بنادیا۔ اور بن دیکھی باتوں کو دکھا دیا۔

چنانچہ کئی بزرگان دین کا یہ قول مشہور ہے لو کُشِفَ الغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا کہ اگر دین کی بتائی ہوئی غیبی باتوں پر سے پردہ ہٹادیا جائے اور ان کا ان جسمانی آنکھوں سے مشاہدہ کرادیا جائے تو میرا یقین ذرہ برابر نہ بڑھے۔ دوزخ اگر آنکھ سے دکھادی جائے تو اس سے دل اسی طرح لرزے جس طرح آج لرزتا ہے اگر جنت کے لہلہاتے باغات مع اپنی نعمتوں کے اس مادی نظر سے دکھا دیئے جائیں تو ان کی لالچ و حرص دل میں اسی قدر رہے جس قدر آج ہے۔ اور اس یقین اور تصدیق جازم کے اثرات بھی ان بزرگوں کے ظاہری حالات پر رونما تھے۔

ربیع بن خیثم جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ کے پاس اکثر آیا کرتے

تھے بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ایک روز یہ ایک لوہار کی دوکان کے پاس سے گذرے اور لوہے کو بھٹی میں تپتے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھتے ہی دوزخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اس ہولناک منظر کی تاب نہ لا سکے۔ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور دوسرے دن تک ایسے ہی بے ہوش رہے۔ جب ہوش آیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہوئی تھی فرمایا کہ آگ سے بھڑکتی ہوئی بھٹی کو دیکھ کر بھڑکتی ہوئی دوزخ یاد آگئی اور گرم تپتے ہوئے لوہے کو دیکھ کر دوزخی کافر و مشرکوں کا دھیان دل میں سما گیا۔

اسی طرح کا قصہ حضرت علی بن حسینؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ایک بار نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی آپ بدستور نماز پڑھتے رہے۔

. . . .

جب نماز ختم کی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ تو نماز پڑھتے رہے اور ادھر گھر کو آگ نے جلا دیا آپ نے پروا نہیں فرمائی فرمایا ہاں بڑی آگ نے چھوٹی آگ سے غافل کر دیا۔

یہ تھی صحیح تصدیق اور سچا یقین کہ بصارت کی تسلی بصیرت سے حاصل تھی، غیب شہود میں تبدیل ہو گیا تھا۔ دوسروں کے لئے غیب تھا ان کے لئے حضور تھا۔ اللہ رسول سے جو کچھ سنا گویا آنکھ سے دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہی تصدیق نصیب فرمائے آمین۔

ذکرِ الٰہی کے وقت دل لرزے اور کانپے۔ وعظ و نصیحت کے وقت نورِ ایمان بڑھے اور چمکے

فائدہ: دل میں ایمان جب رچتا اور پیوست ہوتا ہے اور آخرت کے غیبی اُمور دوزخ جنت حساب کتاب میزان و صراط پر یقین مکمل ہوتا ہے ساتھ ساتھ ایک طرف جلالِ خداوندی اور اس کی بے پناہ عظمت و بزرگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور دوسری طرف رحم و کرم خداوندی اور اس کے عفو و درگذر کی صفت کا دھیان بھی دل میں جما ہوتا ہے اور پھر اپنے نفس کی کوتاہیاں اور کمزوریاں بھی ہیبتناک شکل میں نظر کے سامنے رہتی ہیں تو ان تمام حالات کا فطری تقاضا ہوتا ہے کہ مومن ذکرِ الٰہی سنتے ہی ذکر کے مضمون کے مطابق اثر لیتا ہے۔ اگر ذکرِ الٰہی وعید و دھمکیوں سے پُر ہے اس میں دوزخ کے حالات ہیں عذابِ الٰہی کے ہولناک بیانات ہیں تو مومن کا دل کانپتا اور لرزتا ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ چہرے کا رنگ زردی سے بدل جاتا ہے دُنیا کے اُمور سے غفلت اور بے رُخی پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک محویت اور بے خودی کا سا حال پیدا ہو جاتا ہے۔ اُدھر خدا تعالیٰ کی صفت قہاریت سامنے ہوتی ہے اور ادھر اپنے قصور ہیبت شکل میں کھڑے ہوتے ہیں سمجھتا ہے کہ وعیدوں اور دھمکیوں کا نشانہ

بس وہی ہے۔ یہ مومن کے خوف کا رنگ ہے جو ایمان کا ایک رُخ ہے۔ یہ صفت وعیدوں سے ابھرتی ہے اور انسان کو کنپاتی ہے۔ اگر ذکر الٰہی میں وعدے اور خوشخبریاں ہیں نعمتوں سے بھری جنت کے حالات ہیں ثواب کے خوش کن واقعات ہیں تو مومن کا دل خوش اور مسرور ہو جاتا ہے مارے خوشی کے کھل کھلا اٹھتا ہے۔ چہرے پر خوشی و فرحت کے آثار ہوتے ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے صاف اور کھلے الفاظ میں مومنین کی شناخت کرائی ہے اور فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ یعنی ایمان والے وہی ہیں کہ جب ذکر کیا جاوے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھا جاوے اُن پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے اُن کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ گویا یہ ایمان کی علامت و نشانی ہے کہ جہاں ذکر الٰہی ہو دل اس سے اثر پذیر ہو۔ اللہ کی دھمکیوں کی دل پر چوٹ لگے بدن میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ جائے اور جب کلام الٰہی کی آیات بینات کی تلاوت کی جائے تو ایمان ان کا اور بڑھے یقین قوی تر ہو اور ایک ایک لفظ کی تصدیق ہوتی جائے اور ان کا بھروسہ پورا اللہ کی ذات پر ہوتا ہے دنیا کی ہر طاقت سے ان کی نظر ہٹی ہوتی ہے۔ ایک جگہ اُن کے بدن کی کیفیت دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ کہ بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے۔ دراصل بدن دل کا ترجمان ہے دل کے جذبات گو خود نہیں دکھتے مگر بدن ان کو دکھاتا ہے اور آشکارا کرتا ہے اسلئے جب دل کلام الٰہی اور ذکر خداوندی سے لرزتا ہے کانپتا ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں چہرے کے رنگ وروپ میں فرق آتا ہے اور کبھی بے ہوشی تک طاری ہو جاتی ہے بلکہ بعض وقت تو موت تک کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔

یہ اختلاف حالات اس بناء پر ہے کہ مومنین کے قلوب میں خوف الٰہی مختلف درجہ کا ہوتا ہے جس قدر خوف الٰہی دل میں زائد ہوتا ہے اور ایمان قوی ہوتا ہے اسی قدر ذکر الٰہی سے اثر گہرا رونما ہوتا ہے۔ ایک جگہ یوں فرماکر مومنین کو بیدار فرمایا اور ان کے ایمان کو گرمایا اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ یعنی کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر چونکہ خوف الٰہی کا بڑا غلبہ تھا اسلئے آپ بعض بعض آیات قرآنی پر بے خود ہو جاتے اور گہری محویت میں پڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے شب کی نماز میں یہ آیت پڑھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ یعنی اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے

بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت فرما دے تو تو عزت والا اور حکمت والا ہے تو آپ اس کے معانی و مطالب سے اس قدر متأثر ہوئے کہ رات بھر اسی آیت کو پڑھتے رہے۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ سے قرآن مجید پڑھنے کی فرمائش فرمائی تعمیل حکم میں انہوں نے سورہ نساء شروع کی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا یعنی پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تم کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔ تو کہتے ہیں کہ میری نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں پر پڑی تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرمایا بس یہیں رک جاؤ۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے ایک بار یہ آیت پڑھی وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ یعنی اے مجرمو آج قیامت کے دن فرمانبرداروں سے الگ ہو جاؤ۔ تو آپ صبح تک اسی آیت کو پڑھتے رہے اور روتے رہے۔

جب ذکر الٰہی میں خوشخبریاں اور وعدے ہوں تو مومن کی امید و آرزو کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اس کی نظر اپنے نفس سے ہٹ کر خدا تعالیٰ کی صفت رحیمی و کریمی پر پڑتی ہے اور پھر امید لگاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے اس کو بھی نعمتوں سے نوازے گا اور بزرگان دین اور سلف صالحین میں اس کو بھی شمار فرمائے گا۔

بلکہ بعض اہل کشف حضرات پر اس خوشی و مسرت کا یہاں تک اثر ہوا ہے کہ انکے سامنے وہ نعمتیں موجود کر دی گئیں جن کی امیدیں انہوں نے اس وقت باندھی تھیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن ثوبانؒ نے اپنے بھائی سے ایک مرتبہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ سحر کا کھانا کھائیں گے بھائی انتظار کرتے رہے مگر آپ نہیں آئے یہاں تک کہ صبح نکل آئی۔ دوسرے دن بھائی نے ان سے شکایت کی کہا حضرت آپ نے وعدہ خلافی فرمائی ہم صبح تک آپ کا انتظار کرتے رہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ وعدہ خلافی کا ذکر نہ چھیڑتا تو میں تم سے وہ راز نہ کہتا جس نے مجھکو تمہارے پاس آنے سے روکا۔ صحیح واقعہ یہ ہوا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھی اور سوچا کہ تمہاری طرف چلوں مگر دل میں خیال آیا کہ وتر بھی پڑھ لوں موت کا کیا اعتبار ہے ہر وقت سر پر کھڑی ہے کیا پتہ پھر وقت ملے یا نہ ملے۔ لہٰذا وتر کے لئے کھڑا ہو گیا جب آخر میں دعا کے موقع پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے جنت کا سرسبز اور ہرا بھرا باغ اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے یہ دیکھتے ہی میری نظر اسی پر جم گئی اور اس خوش کن منظر میں ایسا کھو گیا کہ ساری رات گذر گئی اور صبح نکل آئی۔ یہ وہی امید و رجا کا رنگ تھا کہ جنت کی خوشخبریوں پر امید بڑھی اور قوی ہوئی حتیٰ کہ عالم ظہور میں آ گئی اور جس چیز کی امید لگائی تھی وہ سامنے آ موجود ہوئی۔

اگر فقر و فاقہ ہو تو توکل و بھروسہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے

فائدہ:۔ دنیا انقلابات کا گھر ہے تغیرات کا گہوارہ ہے اس میں کوئی چیز ایک حال پر قایم نہیں رہتی انسان بھی اسی تغیر و تبدیلی کا شکار ہے کبھی فقیر ہے کبھی غنی کبھی رنجیدہ ہے تو کبھی خوش آج غنی ہے تو کل فقیر آج ہنس رہا ہے کھل کھلا رہا ہے تو کل رو رہا ہے سر پیٹ رہا ہے بہر حال ان تنگی و فراخی کے دوروں میں ان خوشحالی و بدحالی کے حالات میں انسان تنگی اور بدحالی میں بہت ہی بے ثباتی اور کمزوری کا ثبوت دیتا ہے بہت جلد چلا اٹھتا ہے خدا تعالیٰ کی شکایت کرنے لگتا ہے اپنی قسمت کو رونے لگتا ہے اور پھر خدا کو چھوڑ کر دنیا کی ہر طاقت کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ اپنی عزت بیچنے پر تیار ہو جاتا ہے اور مالک حقیقی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے ہاتھوں ہوتا ہے اور وہ حکمت سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔

وہی انسان کو دیتا ہے اور وہی کسی مصلحت سے چھینتا ہے۔ امیری اور غریبی اسی کے ہاتھ ہے۔ تنگی اور فراخی اسی کے حکم سے ہے۔ امیری میں اس کو چھوڑنا سخت ناشکری ہے غریبی میں اس سے رخ پھیرنا سخت بے عقلی ہے کیونکہ اس کو ناراض کرکے آئندہ فلاح کا دروازہ

اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ غرض مومن فقر و فاقہ میں توکل کے دامن کو کبھی نہ چھوڑے اور جو کچھ مانگے رزاق حقیقی سے مانگے۔

حضرت صہیبؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی شان عجیب ہے اس کے تمام کام نیکی ہیں اور یہ شان صرف مومن کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اس کو خوشی نصیب ہوتی ہے یعنی خوشحالی ملتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ شکر اس کے لئے نیکی ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے یعنی بدحالی میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے نیکی بن جاتا ہے۔ محتاجگی اور تنگ دستی کے ساتھ اگر خدا تعالٰی کی خوشنودی اور رضامندی بھی شامل ہے تو اس قسم کی محتاجگی انبیاء علیہم السلام کا شعار ہے صالحین کا شیوہ ہے قرب الٰہی حاصل کرنے کا تیز تر و زود تر ذریعہ ہے۔ ایمان کی نشانی بس یہی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو جس حال میں رکھے صابر و شاکر رہے اور جب مدد چاہے اپنے خدا ہی سے چاہے۔

نقل ہے ایک دفعہ ایک شخص کچھ بخشش کی امید میں حضرت عمرؓ کے دروازہ پر جم کر بیٹھ گیا ایک شخص نے اس کو نصیحت کی کہ اے فلاں تو نے عمرؓ کی طرف ہجرت کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف جا قرآن پڑھ قرآن تجھ کو عمر کے دروازہ سے بے پروا کر دے گا وہ شخص چلا گیا حضرت عمرؓ نے اس کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو چکا ہے اور عبادت الٰہی میں لگا ہوا ہے حضرت عمرؓ اس کے پاس تشریف لیگئے

اور فرمایا کہ بھئی ہم تو تمہاری تلاش میں ہیں اور مشتاق ملاقات ہیں تم ہم سے کیوں جدا ہو گئے اُس نے کہا کہ میں نے اب قرآن پڑھ لیا ہے اور اب میں عمرؓ اور آلِ عمرؓ سے بے نیاز ہوں۔

حضرت عمرؓ بولے خدا تم پر رحم فرمائے ایسی تم نے قرآن میں کیا چیز پالی اُس نے کہا میں نے قرآن میں یہ آیت پڑھ لی وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ کہ آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ تو میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اس کو تلاش کر رہا ہوں زمین میں۔

حضرت عمرؓ اس کی یہ بات سُنکر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا تم سچ کہتے ہو پھر اس کے بعد آپ اس کے پاس آیا کرتے اور اُس کے ساتھ بیٹھا اٹھا کرتے۔

ان واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ تنگی اور سختی میں انسان کی نظر اُمید صرف اللہ تعالیٰ کی طاقت جلیلہ پایاں پر لگی ہو کسی دوسری طاقت سے مدد چاہنے کا تصور تک نہ آئے اور صبر و شکر کو کبھی نہ چھوڑا جائے شیطان ایسے اوقات میں انسان کے جذبات سے کھیلتا ہے خدا تعالیٰ سے ہٹا کر ہر طاقت کے سامنے جھکاتا ہے مفقر و فاقہ کی بھیانک شکل سامنے لاکر کھڑی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کو نظر سے اوجھل کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خود بیدار فرمایا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ

اَلشَّیطَانُ یَعِدُکُمُ الفَقرَ وَیَامُرُکُم بِالفَحشَاءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُم مَغفِرَۃً مِنہُ وَفَضلاً یعنی شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا۔ اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا۔ شیطان کے وسوسوں میں پھنسکر انسان کمزور سے کمزور حیلہ پر بھروسہ کر لیتا ہے مگر اللہ کی چھپی طاقت سے اپنا اعتماد اُٹھا لیتا ہے۔

ایک عابد کا قصہ مشہور ہے کہ کسی مسجد میں جا بیٹھا امام مسجد نے اس کو ہر دم عبادت میں مصروف پایا تو اس سے کہا کہ کسب معاش کے لئے کوئی حیلہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ عابد نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تین بار امام نے اس سے یہی کہا اور عابد نے ہر بار جواب سے خاموشی اختیار کی۔ چوتھی بار عابد بولا کہ مسجد کی پڑوس میں ایک یہودی ہے اس نے دو روٹیاں روز مجھکو دینے کا ذمہ لیا ہے تب امام نے کہا کہ ہاں اگر وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے تو ٹھیک ہے۔ اب عبادت میں لگے رہیئے۔

عابد نے اس پر کہا کہ صد افسوس ہے کہ تم امام مسجد ہو اور توحید کی تم میں اس قدر خامی ہے اور توکل کے تم اتنے کچے ہو۔ ایک یہودی کی ذمہ داری پر تم کو اطمینان ہو گیا اور خدا تعالیٰ کی ذمہ داری پر تم کو تسلی نہیں ہوئی۔

اسی طرح مشہور ہے کہ ایک امام مسجد نے اپنے کسی مقتدی سے

پوچھ لیا کہ کہاں سے کھاتے پیتے ہو اُس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ تمہارے پیچھے میں نے جو نماز ادا کی ہے اس کو دہرا لوں پھر جواب دیتا ہوں یعنی تم میں توکل کی اس قدر مایوس کن خامی نظر آئی کہ تمہارے پیچھے میری نماز کی صحت میں مجھے شک پڑ گیا۔ یہ تھا بزرگوں کا توکل اور خدا کی ذات پر سچا بھروسہ اور اعتماد۔

ایسے حالات میں صدقہ وخیرات کے لئے ہاتھ اُٹھے جبکہ بخل اور کنجوسی کا پورا پورا امکان ہو

فائدہ:- انسان کی نیکی اللہ تعالیٰ کو ہر وقت محبوب ہے مگر تنگی اور سختی کے موقع کی نیکی پروردگار عالم کو بہت ہی پیاری ہے۔ یعنی یہ کہ حالات ناسازگار ہوں۔ عذرات اور مجبوریوں نے گھیر رکھا ہو۔ فضا اور ماحول نیکی کے مخالف ہو لیکن اگر مومن بایں ہمہ مخالف طاقتوں سے لڑ کر نیکی کی طرف قدم بڑھائے اور تقوے کی مضبوط رسی کو ہاتھ سے تھامے تو اللہ تعالیٰ اس کو زبردست اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

چنانچہ گذشتہ اوراق میں یہ حقیقت آپ کے سامنے وضاحت کے ساتھ آچکی کہ وضو جو ذریعہ اور واسطہ عبادت ہے اس کو مجبوریوں اور تکلیفوں میں گھر کر کیا جائے تو وہ ایک زبردست عبادت بن جاتا ہے کفارہ گناہ کا سبب ہوتا ہے اور فرشتے اس کو اللہ تعالیٰ تک لیجاتے ہیں

لئے آپس میں جھگڑتے ہیں تو پھر اندازہ لگا لیجئے کہ جو خود ایک زبردست عبادت ہو اور وہ اگر مجبوریوں میں گھر کر انجام دی جائے تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے کیا رکھا ہو گا۔ صدقہ و خیرات داد و دہش بخشش و عطا سخاوت و فیاضی کا شمار اللہ کے نزدیک نہایت پسندیدہ عبادات میں ہے اور نیکیوں میں چوٹی کی نیکی ہے۔

حضرت جابرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا اَلصَّبۡرُ وَالسَّمَاحَۃُ کہ صبر و سخاوت۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سخی اللہ سے قریب ہے اور لوگوں سے بھی قریب جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور۔ اور بخیل اللہ سے دور ہے اور لوگوں سے بھی دور جنت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں پر فراخی کا ہاتھ کھولے ہوئے ہے اسلئے جو بندہ اس کے ساتھ ہمرنگی دکھاتا ہے اور سخاوت کا ہاتھ سب کی طرف دراز رکھتا ہے خدا تعالیٰ کو وہ بہت محبوب ہوتا ہے اور جنت اس کے لئے واجب فرماتا ہے۔ خصوصاً جبکہ سخاوت کے ساتھ وہ ایثار کا ثبوت دے۔ یعنی خود فقر و فاقہ کا شکار ہو محتاجگی اور تنگ حالی میں گھرا ہوا ہو مگر جو کچھ ہاتھ میں آئے اس کا مستحق دوسرے کو پہلے اور اپنے کو بعد میں سمجھے چوٹی کی سخاوت

وہی ہے جس میں ایثار کا مظاہرہ بھی ہو یعنی بخشش دینے والا لینے والے سے زیادہ حاجتمند اور ضرورت مند ہو۔ صحابہ کرام کا یہی اخلاقی جوہر تھا جس کی بنا پر قرآن پاک میں ان کی مدح وثنا آئی اور بایں الفاظ ان کی تعریف فرمائی وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ یعنی مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اُن پر فاقہ۔ اس آیت کا شان نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مہمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کاشانہ نبوت میں مہمانی کے لئے کچھ نہ نکل سکا۔ اتفاق سے ایک انصاری خدمت میں حاضر ہوئے۔ حالات دیکھ کر وہ مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ وہاں بھی کھانا اسی قدر تھا کہ مشکل سے میاں بیوی کو کافی ہو سکے اس میں تیسرے حصہ دار مہمان بھی تشریف لے آئے۔ انصاری نے اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ چراغ بجھا دے۔ اور اب مہمان کے اصرار سے اور اسکی تسلی کے لئے میاں بیوی دونوں تاریکی میں کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور خالی کھینچ لیتے۔ حتی کہ مہمان نے کھانا کھالیا۔ صبح کے وقت جب انصاری موصوف نے خدمت اقدس میں حاضری دی تو آنجناب نے فرمایا کہ رات کو تمہارے ایثار کا کارنامہ اللہ تعالےٰ کو بہت پسند آیا اور یہ آیت وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ الخ اتری۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ مُتَوَالِیَۃٍ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا وَلَوْ شِئْنَا

لَشَبِعْنَا وَلٰکِنَّا کُنَّا نُوْثِرُ عَلٰی اَنْفُسِنَا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بے در پے تین دن تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ آپ دنیا سے پردہ فرما گئے۔ فرماتی ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر سکتے تھے لیکن ہم اپنی جانوں پر ایثار کیا کرتے تھے۔ یعنی دوسروں کی حاجتوں کو اپنی حاجت پر مقدم رکھتے تھے۔ یہی ایثار تھا جس کے پیش نظر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعریف خُلقِ عظیم سے کی اور فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کہ آپ بلند درجہ خُلق پر فائز ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ کہ یا رسول اللہ کونسا صدقہ سب میں افضل ہے آپ نے فرمایا جُھْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ یعنی تھوڑے مال والے کا زیادہ کوشش کرنا یعنی محنت و مشقت سے جو کچھ حاصل ہو اس میں سے دینا۔ اور ابتدا کرو ان افراد سے جن کا نفقہ تم پر واجب ہے۔

ملاحظہ کیجئے اس حدیث پاک سے محتاج اور تنگ حال کے صدقہ اور خیرات کی کس قدر فضیلت اور برتری ظاہر ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کی زندگیوں میں اس قسم کی سخاوت و بخشش کی مثالیں بے شمار ملتی ہیں صحابہ کرام خود اپنے حالات کے ذیل میں بتاتے ہیں لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَۃُ الصَّدَقَۃِ کُنَّا نُحَامِلُ کہ جب صدقہ کی آیت اتری تو ہم مزدوری اور

حمالی کا پیشہ کرتے اور اس سے جو تھوڑے سے پیسے ملتے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ صحابہؓ تنگدست تھے نادار تھے لیکن دل میں اجر و ثواب کمانے کا بے پناہ ولولہ اور جوش رکھتے تھے۔ عبادات میں جان کھپاتے۔ جانی قربانیوں میں گوئے سبقت لیجاتے مگر مالی عبادات میں بھی مذکورہ حیلوں سے کسی سے پیچھے نہ رہتے۔ سچ ہے انھوں نے اللہ سے اجر حاصل کرنے کی راہیں سوچیں ترکیبیں نکالیں وہ نہ خوشحالی میں بھکے نہ بدحالی میں جھکے بلکہ ہر حال میں دین پر جمے۔ جان کو مٹایا مال کو لٹایا غرض دین کی راہ میں سب کچھ دیا اور سمجھا کہ کچھ نہ دیا ایک ہم ہیں کہ ہم کو اجر و ثواب کمانے کی راہیں یاد ہیں۔ صدقہ و خیرات کے لئے بدحالی تو ایک طرف خوشحالی میں بھی ہاتھ نہیں اٹھتا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابی کے پاس بکری کی سری بطور ہدیہ آئی انہوں نے یہ اپنے کسی ایسے ساتھی کے پاس بھیجدی جو ان کی نظر میں ان سے زیادہ اس کا حاجتمند تھا۔ وہاں سری پہنچی تو انہوں نے بھی یہی کیا کہ اپنے سے زیادہ محتاج کے پاس چلتی کردی آخر سات آدمیوں کے پاس اسی طرح وہ سری گھومتی گھامتی پھر آخر پہلے صاحب کے پاس آگئی۔

حضرت ابوالحسن انطاکی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ ری کے قریب ایک گاؤں میں تھے ان کے پاس کچھ اوپر تیس آدمی بحیثیت مہمان آ کر اترے کھانے کے لئے روٹیاں بہت کم تھیں آخر روٹیوں

کے ٹکڑے کر لئے گئے اور چراغ بجھا دیا گیا اور سب کھانے کے لئے بیٹھ
گئے جب دسترخوان اُٹھانے کا وقت آیا اور کھانے کا جائزہ لیا گیا تو دیکھا
گیا کہ کھانا بدستور موجود ہے معلوم ہوا کہ ہر ایک نے ایثار کے جذبہ سے
اور اپنے ساتھی کی رعایت کرتے ہوئے کھانے سے احتراز کیا اور اس
طرح کھانا بدستور رکھا رہا اور کسی نے بھی نہیں کھایا۔

عالم کے آداب

علم کے شغل پر پابندی ہو اور جو علم ہو اس پر عمل بھی ہو

عالم کے لئے مناسب ہے کہ مسائل علمیہ کو اپنے مطالعہ میں رکھے۔ ذہن
کو علم سے زیادہ دور ہونے کا موقع نہ دے اس پر ذہول و نسیان کا پردہ
نہ پڑنے دے علم بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے اور بہت جلد ذہن
سے نکل جاتا ہے۔

حضرت اعمش رحؒ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آفۃ
العلم النسیان کہ علم کی آفت نسیان اور بھول چوک ہے یعنی ذرا سی
غفلت اور تعطل سے نسیان کا نشانہ بنتا ہے اور سالوں کی محنت پر مہینوں
اور دنوں میں پانی پھر جاتا ہے لہذا علم کو مذاکرہ اور مطالعہ سے تازہ رکھیں
اور ذہن کو بھول کے نذر ہونے نہ دیں۔

مومن کے لئے جس قدر علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اسی قدر اس پر عمل کرنا بھی ضروری ولابدی ہے۔ بزرگوں نے علم کو مال و دولت کے مشابہ ٹھہرایا ہے انسان مال کے حصول میں چار مدارج طے کرتا ہے تب کہیں جا کر تکمیلی درجہ پر پہنچتا ہے پہلے اس کو حاصل کرتا ہے اور اس راہ میں اپنی جان کھپاتا ہے پھر حاصل کرکے محتاجگی سے خلاصی و نجات پاتا ہے دوسروں سے غنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھر حاصل کی ہوئی دولت کو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور اپنی محنت سے خود فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان تین مرحلوں کے بعد اپنی کمائی ہوئی دولت میں دوسروں کا حق بھی جانتا ہے اور اس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے پس علم کے تکمیلی پہلو تک پہنچنے میں عالم کو بھی ان چار مرحلوں سے گذرنا ہوتا ہے۔ ایک طالب علمی کا دور پھر علم حاصل کرنے اور مکمل عالم ہو جانے کا زمانہ پھر اس حاصل کردہ علم سے خود فائدہ اٹھانے کا دور یعنی اپنے علم پر پہلے خود عامل ہونا اس کے بھی بعد علم کو دوسروں تک پہنچانے کا دور آتا ہے جس میں عالم فیض یاب نہیں فیض رساں بنتا ہے جو کچھ سے چکتا ہے اس کو بانٹتا ہے۔ عالم باعمل کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کہ خود بھی روشن ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرتا ہے یا مثلاً مشک کہ خود بھی خوشبودار ہے اور دوسری اشیاء کو بھی خوشبودار بناتا ہے اور عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے چاقو چھری تیز کرنے کی سان کہ اوروں کو تیز اور دھاردار بنا کر کاٹنے کے...

قابل بنائے اور خود نہ کاٹ سکے۔ یا مثلاً سوئی کہ کپڑے سی سی کر ننگوں کو ڈھکے اور خود ننگی کی ننگی ہی رہے یا چراغ کی بتی کہ دوسروں کو روشن کرتی جلے اور خود جلتی جائے اور فنا ہوتی جائے۔

قرآن خداوندی ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔ دوسروں کی اصلاح کرتے ہو خود کی اصلاح سے غفلت برتتے ہو دوسروں کو بنانے میں لگے ہو خود بننے کی فکر نہیں رکھتے ہو۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ یعنی کہو کیا کرو کیا۔ گویا تمہارا خود عمل تمہاری بات کی تردید کرے اور تم کو جھٹلائے کان تم سے بھلائی سنیں آنکھیں بھلائی نہ دیکھ سکیں اس سے جاہل دھوکے میں پڑتے ہیں اور غلط راہ لگتے ہیں وہ عالم کی بات کو چھوڑ کر اس کے عمل کے پیچھے ہو لیتے ہیں ایک شخص ایک چیز کھائے اور دوسروں سے کہے کہ تم یہ نہ کھانا یہ زہر ہے تو لوگ اس کو جھوٹا جانیں گے اور کہیں گے کہ یہ زہر ہوتا تو خود نہ کھاتا اس لئے بجائے نفرت کے لوگوں کو اس کی طرف رغبت ہوگی۔

حدیث پاک میں ہے اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ ۔ کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو دیا جائے گا جس کو اللہ نے اس کے علم سے نفع نہ پہنچنے دیا ہوگا۔ یا ارشاد نبوی ہے لَا یَكُوْنُ الْمَرْءُ عَالِمًا حَتّٰى یَكُوْنَ بِعِلْمِهٖ عَامِلًا ۔

کہ آدمی عالم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ یا فرمانِ رسالت ہے مَنْ اِزْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا۔ کہ جو علم میں بڑھا مگر ہدایت میں نہ بڑھا تو وہ اللہ سے دور ہی ہوتا گیا۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ مجھے اس امت کے منافق عالم سے بہت خوف ہے پوچھا گیا حضرت وہ کون فرمایا زبان کا پڑھا لکھا دل و عمل کا جاہل اور اَن پڑھ۔

ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر ڈر ہے کہ شاید عمل نہ کر سکوں فرمایا کہ اس خطرہ میں تیرا علم نہ سیکھنا بہتر ہے۔

حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا ایک مرتبہ خرابی ہے اس شخص کے لئے جو علم حاصل نہ کرے اور سات مرتبہ خرابی ہے اس شخص کے لئے جو علم تو حاصل کرے مگر اس پر عمل نہ کرے۔

عالم ہمیشہ اپنا وقار قائم رکھے تکبر و غرور سے دامن بچائے اور علم میں کبھی دعویٰ نہ کرے۔ طالب علم کیساتھ رفق اور نرمی روا رکھے اور سرکش کے ساتھ ڈھیل و تاخیر

فائدہ: عالم کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔

علم کی دولت محبت و پیار شفقت و رحمت سے اس کے دل میں اتار ے
ایک شفیق باپ کی طرح اس کے نفعوں اور فائدوں کو پیش نظر رکھے
اور ہر برائی اور خطرے سے اس کو بچائے۔
چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا لَکُم مِثْلُ الْوَالِدِ
لِوَلَدِہٖ۔ کہ میں تمہارے لئے ایسا ہوں جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے
لئے ہوتا ہے۔ کہ اس کے نفع کی خاطر جان مٹاتا ہے تکلیفیں اٹھاتا ہے
طرح طرح کے خطرات جھیلتا ہے مگر اولاد کو کسی کام کا بناتا ہے۔
حضور اقدس نے یہ مثال بھی ہمیں سمجھانے کے لئے دی ورنہ سچ پوچھئے
تو استاد کی فضیلت و عظمت باپ سے بھی زائد ہے اور اس کا مرتبہ
اور درجہ باپ سے کہیں بلند اور اونچا ہے۔ باپ جسم کی پرورش کرتا
ہے اور استاد روح کی۔ باپ فانی آرام و آسائش کے اسباب مہیا کرتا
ہے اور استاد سعادت ابدی کی راہوں پر لگاتا ہے لہٰذا عقل کا
تقاضا ہے کہ استاد باپ سے بڑھ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ نرمی اور
شفقت کا اظہار کرے اور کسی طرح کا تشدد اس کے ساتھ روا نہ رکھے۔
آپ انھیں نظریات کا نتیجہ تھا کہ حضور اکرم نے اپنے ہر جان نثار کی
خاطر اپنے آرام و آسائش کو بالائے طاق رکھا اور شفقت و محبت
کے ساتھ اس کو ہر طرح نفع پہنچایا۔
اسی طرح آپ کے جان نثاروں نے حضور اقدس کو باپ سے زیادہ
عزیز و پیارا سمجھا بلکہ آپ کی خیر خواہی میں باپ ماں اور سارے عزیزوں کو

قربان کیا۔

ناسمجھ اور کند ذہن کو مسئلہ اچھی طرح سمجھائے اور اگر کوئی بات اپنے علم سے باہر ہو تو بلا تکلف و بے کھٹکے کہہ دے کہ اس کو میں نہیں جانتا۔ اور سوال کے وقت سائل کی طرف سے اپنی خلاصی کی زیادہ فکر رہے بہ نسبت سائل کی خلاصی کے

فائدہ: جب علم نصیب ہوتا ہے عالم کے نام سے انسان شہرت پکڑتا ہے اور لوگوں کی توجہات کا مرکز بنتا ہے تو ہر شخص اپنی دماغی الجھنوں اور مذہبی پیچیدگیوں کا حل اسی کے پاس آکر ڈھونڈھتا ہے اور استفسارات وسوالات کا اس پر ایک دروازہ کھلتا ہے۔ ایسے وقت عالم اور مفتی کے ایمان کی قدرت کی طرف سے جانچ ہوتی ہے عام طور سے لوگ اپنے علم کا پاس رکھتے ہیں خدا کی مرضی کا لحاظ نہیں رکھتے۔ آخرت خراب ہونے دیتے ہیں، نام پر بٹہ نہیں لگنے دیتے یعنی مسئلہ کا صحیح جواب ان کو معلوم ہو یا نہ ہو وہ کچھ نہ کچھ جواب دیتے ہی ہیں نہ یہ پسند کرتے ہیں کہ کسی اور عالم کا حوالہ دیکر سائل کو اس کے پاس بھیج دیں نہ ان کو یہ گوارا ہوتا ہے کہ کہہ دیں کہ فی الوقت دماغ پر وقوف نہیں

فیصلہ نہیں تحقیق کے بعد کچھ کہا جا سکتا ہے دونوں امور میں اپنی کچھ کسرِ شان جانتے ہیں شریعت کی طرف سے جواب کا یہ طریقہ ناجائز اور باعث عتاب بتایا گیا ہے بلکہ خاص طور سے ہدایت ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں عالم بلا حجاب کہہ دے کہ "اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتا" اور یہ شیطانی وسوسہ دل سے نکال دے کہ یہ کہنے سے اس کی جہالت ظاہر ہو گی نہیں بلکہ اس سے اس کی علمیت اور دیانت ظاہر ہو گی۔

حدیث پاک میں ہے اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ کِتَابٌ نَاطِقٌ وَسُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ وَلَا اَدْرِیْ کہ علم تین قسم کا ہے ایک فیصلہ کن کلام الٰہی دوسرا مستحکم طریقۂ رسول تیسرا یہ کہنا کہ "میں نہیں جانتا" معلومات کی صورت جس طرح بتانا علم ہے اسی طرح عدم معرفت پر نہ بتانا اور اپنی لاعلمی ظاہر کرنا علم ہے۔

حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ کہنا "میں نہیں جانتا" آدھا علم ہے اور جو اللہ کے خوف سے یہ الفاظ ادا کرے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی اجر ملے گا جو معلومات ہوتے ہوئے مسئلہ بتانے پر ملتا۔ کیونکہ اجر در اصل نفس کشی پر ہے اور جہالت کے اقرار میں بڑی نفس کشی ہے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ زمین میں سب سے اچھی جگہ اور سب سے بری جگہ بتائیے آپ نے فرمایا لَا اَدْرِیْ میں نہیں

جانتا جب جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضور اقدس نے ان سے یہی سوال فرمایا انھوں نے بھی یہی جواب دیا میں نہیں جانتا پھر آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ سب سے بہتر قطعات زمین مسجدیں ہیں اور سب سے بدتر قطعات زمین بازار ہیں۔ تو کس قدر شرم کی بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لا ادری کہنے میں عار نہ ہو اور آپ کا ایک اُمتی یہ کہنے میں عار جانے۔ اور اسی طرح فقہائے کبار مثلاً سفیان ثوری مالک ابن انس احمد بن حنبل فضیل بن عیاض وغیرہم لا ادری بہ نسبت اَدْرِی کے زیادہ کہا کرتے تھے۔ صحابہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک صحابی سے ایک سوال ہوتا اور وہ صاحب احتیاطاً دوسرے کا حوالہ دیتے اور وہ صاحب بھی اسی طرح دوسرے کا حوالہ دیتے تو بسا اوقات ایک سوال پھر پھرا کر پہلے صاحب کے پاس آجاتا۔

ع؎ یعنی اپنی خلاصی کی زیادہ فکر رکھے سائل کی خلاصی کی اس قدر فکر نہ ہو۔ سائل تو اپنی اُلجھن اور کسی کے پاس جا کر بھی دور کر سکتا ہے یا اگر اسی سے دریافت کرے اور یہ تمام کے پاس میں غلط مسئلہ بتا دے تو سائل تو پھر بھی عند اللہ قابل مواخذہ نہ ہوگا اور یہ گمراہ کن مفتی قابل گرفت ہوگا بہرحال سائل کی خلاصی کی تو دو راہیں ہیں مگر مفتی کی خلاصی کی تو صرف ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔

حضرت ابو حفص نیساپوری کہتے ہیں کہ سوال کے وقت عالم الیوں

یہ خوف لائے کہ قیامت میں کہیں یہ سوال نہ اُٹھ کھڑا ہو کہ تو نے یہ بات کہاں سے بتائی تھی۔

عالم میں تکلف نہ ہو اور اُس دلیل کے سننے کے لئے اسکے کان تیار ہوں اور اس کا دل قبول کرنیکے لئے آمادہ جس سے حق کا ثبوت ملتا ہو خواہ وہ دلیل کسی دشمن اور مخالف ہی کی طرف سے کیوں نہ پیش کی گئی ہو

فائدہ بعض علما کو بحث و مباحثہ اور مناظرہ کرنے کا بڑا چسکہ ہوتا ہے پھر اس میں حق جوئی نہیں ہوتی بلکہ اپنی بات رکھنی مقصود ہوتی ہے۔ عالم میں یہ عیب ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ مناظرہ اور بحث کی مثال بزرگوں نے بڑی عمدہ دی ہے فرمایا ہے کہ اگر کسی گمی ہوئی چیز کی تلاش کیجائے اور مالک کے ہمراہ دوسرے مددگار ہوں تو مالک اس سے بحث نہیں رکھتا کہ اس کو خود کو وہ چیز ملے یا اس کے کسی ساتھی کو چیز کا مل جانا مقصود و مطلوب ہوتا ہے اور وہی باعث مسرت و خوشی ہے اگر مالک کو ملے تو بھی مطلب حل ہے اور اگر دوسرے ساتھی کو ملے تب بھی مطلب حل۔ مالک وہ چیز ملنے پر اپنے ساتھی کا شکریہ ادا کرتا ہے اور نہایت خوش ہوتا ہے۔ لیکن یہی صورت مناظرے اور بحث میں ہوتی ہے کہ حق کی تلاش ہوتی ہے چاہے وہ کسی کو بھی

مل جائے اور جس کو مل جائے دوسرے حق جو حضرات کے لئے زیبا ہے کہ اس کو بدل وجان قبول کریں اور اپنے ساتھی کا شکریہ ادا کر کے حق کا پتہ لگنے پر خوش ہوں۔

صحابہ کرام کے مباحثے اور مذاکرے اسی نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے لوگوں کا اجتماع تھا ایک عورت نے بر ملا آپ کی بات کی تردید کی اور کہا کہ حق یہ نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں بلکہ حق یہ ہے۔ آپ نے بلا پس و پیش اس کی بات کو مانا اور فرمایا واقعی یہ عورت اپنی رائے میں حق بجانب ہے اور میں حق سے ہٹا ہوا ہوں۔

ایک بار حضرت علیؓ کو کسی نے ایک بات پر ٹوک دیا آپ نے فرمایا بیشک تو ٹھیک کہتا ہے اور میں غلطی پر ہوں اور فرمایا وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اور ہر جاننے والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے۔

طالب علم کے آداب

طالب علم سب سے پہلے اپنے استاد کو سلام کرے اور اس کے سامنے بات چیت کم کرے جب وہ کھڑا ہو کھڑا ہو جائے اس سے یہ کبھی نہ کہے کہ حضرت فلاں شخص تو آپ کی بات کے خلاف کہتا ہے نہ استاد کی مجلس میں اپنے ہم جلیس سے کچھ پوچھے۔ استاد جب خطاب کرتا ہو تو نہ ہنسے نہ مسکرائے اور اسکی رائے کے خلاف کبھی اسکو مشغول نہ کرے۔ جب وہ کھڑا ہو اس کا دامن نہ پکڑے۔

اگر وہ راستہ میں چلتا ہو تو جب تک وہ اپنے گھر پر نہ پہنچ جائے راستہ میں اس سے کوئی بات نہ پوچھے۔ اگر استاد ملول اور کبیدہ خاطر ہو تو سوالات کی کثرت سے اسکو اور رنجیدہ خاطر نہ کرے

فائدہ۔ یہ ایک کھلا شعائر اسلامی ہے کہ جب مومن مومن سے ملتا ہے یا آپس میں آمنا سامنا ہوتا ہے تو السلام علیکم کہکر ہدیہ سلامتی ایک دوسرے کو پیش کیا جاتا ہے۔ گویا ملاقات کا آغاز ایک مبارک دعا سے ہوتا ہے بات چیت کی ابتدا ایک برگزیدہ سنت سے ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب ملاقات کرے سلام کرے جب دعوت دیجائے اس کو قبول کرے جب چھینکے اس کا جواب دے جب بیمار پڑے اس کی مزاج پرسی کرے اگر مرجائے اس کے جنازہ میں شرکت کرے۔ اور جو اپنے نفس کے لئے پسند کرے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے۔ غرض ہر مسلمان کے جو حقوق دوسرے مسلمان پر ہیں ان میں جب سلام کرنے کا حق شمار ہوا تو استاد تو پھر استاد ہے باپ سے بھی زیادہ افضل ہے راہ ہدایت کا راہنما ہے دینی مقتدا ہے مذہبی پیشوا ہے اس کو سلام کرنا زیادہ افضل و اولی ہے۔

لہذا شاگرد کا پہلا ادب یہ شمار ہوا کہ وہ اپنے استاد کو سلام کرے۔ استاد کے سامنے بات

چیت کم کرنے کا ادب بھی استفادہ علمی کی راہ میں بڑا مفید ہے۔ اُستاد سے فیض لینے میں بہرحال اس امر کی لازمی ضرورت ہے کہ شاگرد ہمہ تن گوش ہو کر ہر شغلہ سے کٹ کر اور ہر دھیان سے پاک ہو کر اُستاد کی بات پر اپنی پوری توجہ لگا دے اُستاد کے کلام کو سننے میں کانوں اور دل کی مشغولیت زبردست رخنہ اور سنگین رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اسی لیئے فرمان خداوندی ہے اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَہِیْدٌ یعنی اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جس کے اندر دل ہے یا وہ لگائے کان دل لگا کر۔ گویا قرآن پاک سے نصیحت حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں یا تو خود انسان سمجھنے والا دل رکھتا ہو اور خود سوچ سمجھ لے یا پھر کسی دوسرے کی بات پر کان لگائے اور دل سے پورا پورا متوجہ ہو۔ ورنہ اگر کان کسی اور طرف لگے ہوں اور دل کچھ اور سوچتا ہو تو فائدہ حاصل کرنے کا دروازہ ایک دم بند ہو جاتا ہے اور تضیع اوقات کا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان خود بولتا ہے تو کان دوسرے کا کلام سننے سے رک جاتے ہیں اور جب کان نہیں سنیں گے تو دل کیا خاک سمجھے گا۔

لہٰذا انھیں حقائق کو سامنے رکھ کر شاگرد کا یہ ادب لازمی خیال کیا گیا ہے کہ اُستاد کے سامنے زبان کو بات چیت سے بند کرے تاکہ یکسوئی سے اُستاد کی بات کو سن سکے۔ اور استفادہ کی راہ نکل سکے بزرگوں نے کہا ہے کہ انسان اُستاد کے سامنے اس نرم زمین کے مانند

ہو جائے جو بارش کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار ہو۔ اِدھر بارش ہو اور اُدھر وہ سارے پانی کو اپنے اندر جذب کر لے۔

بس اُستاد جو کرے اُس کو دیکھے جو کہے اس کو چپ چاپ سُنے اور دم نہ مارے یاد کیجئے حضرت موسٰی علیہ السلام کا جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ سفر ہوا تو حضرت خضر علیہ السلام نے باصرار اس ادب پر زور دیا فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا یعنی بس اگر تم میرے ساتھ رہتے ہو تو نہ پوچھو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں جب تک میں نہ بیان کر دوں اس کا ذکر۔ لیکن حضرت موسٰی علیہ السلام خاموشی کی تاب نہ لا سکے بیچ میں بول لتے گئے آخر اسی بنا پر جدائی تک کی نوبت آئی۔

اُستاد کے سامنے عاجزی انکساری اور تواضع کا پتلا بن کر بیٹھے اُستاد کا پورا پورا وقار اور احتشام دل میں رکھے وہ اُٹھے تو اُٹھے وہ بیٹھے تو بیٹھے گفتگو کے وقت ہنسکر یا مسکرا کر بد تہذیبی کا ثبوت نہ دے اُستاد کی دلجوئی اور رضا جوئی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے اپنی رائے کو اس کی رائے میں گم کر دے۔ اپنے ارادے کو اس کے ارادے میں ضم کر دے۔ اس کی بات کو کبھی نہ کاٹے اس کی رائے کو کبھی رد نہ کرے بلکہ خود کو ایک بیمار جانے اور استاد کو ایک حاذق طبیب جس طرح مریض و بیمار اپنے کو طبیب کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کے علاج میں مداخلت نہیں کرتا اسی طرح سے شاگرد استاد کی بات میں دخل در معقولات نہ دے اور اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم [illegible]

مزاج کا بہت لحاظ رکھے وہ اگر اٹھ کھڑا ہو تو اس کا دامن پکڑ کر اس سے سوالات نہ کرے کہ اس حرکت سے اس کے مزاج پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اگر وہ راہ میں چلتا ہو تو استفسارات کا سلسلہ راہ میں نہ چھیڑے بلکہ رہائش گاہ پر اس کو پہنچنے دے جب اس کو پورا اطمینان نصیب ہو تو ادب سے بات کے لئے زبان کھولے۔ اسی طرح اگر استاد کی طبیعت ملول و رنجیدہ ہو وہ کبید خاطر اور شکستہ دل ہو تو سوالات کی کثرت سے اس کے دل کو دُکھ نہ پہنچائے اس کی طبیعت کو آزار نہ دے۔ ایسے وقت میں استاد کو چھیڑنا اور تنگ کرنا انصاف و اخلاق کے خلاف ہے نیز فائدہ اور نفع سے بھی خالی ہے کیونکہ جب ملال و رنج کے باعث یا اکتا جانے اور تھک جانے کے سبب اس کی طبیعت حاضر نہ ہوگی فیض رسانی کی کوئی راہ نہیں نکل سکے گی۔

چنانچہ حضرت علیؓ سے شاگرد کے یہی آداب مجموعی حیثیت سے منقول ہیں ارشاد ہے۔ اِنَّ مِنْ حَقِّ العَالِمِ اَنْ لَا تُکْثِرَ عَلَیْہِ بِالسُّؤَالِ وَلَا تَعْنِتَہٗ فِی الْجَوَابِ وَلَا تُلِحَّ عَلَیْہِ اِذَا کَسِلَ وَلَا تَأْخُذْ بِثَوْبِہٖ اِذَا نَھَضَ وَلَا تُفْشِیَ لَہٗ سِرًّا وَلَا تَغْتَابَنَّ اَحَدًا عِنْدَہٗ وَلَا تَطْلُبَنَّ عَثْرَتَہٗ وَاِنْ زَلَّ قَبِلْتَ مَعْذِرَتَہٗ وَعَلَیْکَ اَنْ تُوَقِّرَہٗ وَتُعَظِّمَہٗ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَا دَامَ یَحْفَظُ اَمْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلَا تَجْلِسَ اَمَامَہٗ وَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ سَبَقْتَ الْقَوْمَ اِلٰی خِدْمَتِہٖ

یعنی اے شاگرد عالم کا حق تجھ پر یہ ہے کہ تو اس پر سوالات کی بھرمار نہ کرے

جواب میں اس کے ساتھ سختی نہ برتے۔ جب وہ کسلمند ہو تو بتانے میں اس پر اصرار نہ کرے۔ جب وہ پڑھا کر اٹھ کھڑا ہو تو اس کا کپڑا پکڑ کر نہ کھینچے۔ اس کے بھید کو فاش نہ کرے اس کے روبرو کسی کی غیبت نہ کرے اسکی لغزش کی تاک میں نہ رہے اگر لغزش اس سے ہو بھی جائے تو اس کو معذور جانے۔ بہرحال اس کی عظمت و وقعت اس وقت تک رکھے جب تک وہ اللہ کے حکم کی حفاظت و رعایت رکھے۔ نیز شاگرد استاد سے آگے بڑھ کر نہ بیٹھے اور اگر استاد کو کوئی حاجت پیش آئے تو اس کی حاجت روائی میں سب سے سبقت لیجانے کی کوشش کرے۔

حضرت علیؓ کے یہ زرین الفاظ ہم نے اسلئے نقل کر دیئے تاکہ ان کو آداب تعلم کے سلسلہ میں معیار اور نمونہ سمجھا جائے۔

قرآن پڑھانے والے کے آداب

نشست و بیٹھک پر خوف الٰہی کیحالت طاری ہو۔ کان الفاظ پر لگے ہوں سمجھ معانی و مطالب پر جمی ہو اور رحمت الٰہی کا انتظار ہو۔ کان متشابہ پر لگے ہوں۔ اشارہ وقف تعریف ابتدا، اور بیان ہمزہ کا دھیان ہو تعلیم عدد قرآن درستی ادائیگی حروف اور ختم قرآن کے فائدہ و نفع کو بھی نہ بھلائیں۔ نو آموز کے ساتھ نرمی ہو کوئی طالب علم اگر غیر حاضر ہو تو اس کے بارہ میں استفسار و سوال ہو۔ جب حاضر ہو تو اس کو حصول تعلیم کیلئے ابھاریں اور راغب کریں بات چیت کم ہو خود

نماز پڑھنے یا پڑھانے کی تلقین ہو۔

اللہ تعالیٰ سے خوف و ڈر رکھنا اور اس کے عذاب و عتاب سے لرزنا اور کانپنا عالم دین کی ممتاز صفت اور اس کا ایک چمکتا ہوا اخلاقی جوہر ہے بلکہ عالم کی تعریف ہی یہ ہے خدا تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ۔ کہ اللہ کے بندوں میں سے عالم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

نیز زیادہ بات چیت اور وقت بے وقت زبان چلاتے رکھنا شان علم کے خلاف ہے۔ اس سے دینی وقار کو بٹہ لگتا ہے مذہبی آن بان میں فرق آتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّکِیْنَۃَ وَالْوَقَارَ وَالْحِلْمَ کہ علم سیکھو اور علم کیلئے سکون و اطمینان وقار اور خودداری حلم اور بردباری بھی سیکھو۔

قرآن پڑھنے والے کے آداب

اُستاد کے روبرو عاجزی اور انکساری سے بیٹھے۔ توجہ اور سمجھ میں یکسوئی ہو سر جھکا ہو اور تلاوت قرآن سے پہلے اجازت چاہی جائے پھر اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت کے لئے زبان کھولی جائے۔ اور قرأت سے جب فراغت ہو تو دعا کے مبارک الفاظ زبان پر ہوں۔

فائدہ۔ تواضع اور عاجزی ہیئت و شکل میں گفتگو اور بات چیت میں رویہ اور برتاؤ میں نشست و برخاست میں شاگرد کا نہایت اہم اور ضروری شعار ہے

اور دین کے ادب و احترام کی بیّن نشانی ہے

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے تَوَاضَعُوا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْہُ وَلْیَتَوَاضَعْ لَکُمْ مَنْ یَتَعَلَّمُ مِنْکُمْ۔ کہ جس سے تم علم سیکھتے ہو اُس کے لئے تم تواضع کرو اور تواضع کرے تمہارے سامنے وہ جو تم سے علم سیکھتا ہے۔ قرأت سے پہلے اعوذ پڑھے کیونکہ جب تک شیطان سے چھٹکارا نہ ملے خواہشات نفسانی سے خلاصی نہ نصیب ہو برگزیدہ عبادت قرأت قرآن میں انسان کیسے مشغول ہو نیکی کی طرف یکسوئی کیسے حاصل ہو۔ اور شیطان سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہترین ترکیب اَعُوْذ پڑھنا ہے لہذا قرأت سے پہلے اَعُوْذ کے ذریعہ دل و زبان کو پاک کرنے اور کلام پاک کے واسطہ اپنے خالق سے ہمکلامی کا فخر پائے۔ چنانچہ حضرت عزّ اسمہ نے خود صاف ارشاد فرمایا ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ یعنی جب آپ قرآن پاک پڑھنے لگیں تو پناہ لیں اللہ کی شیطان مردود سے ظاہر ہے نیکی کی طرف انسان اسی وقت آسکتا ہے کہ راہ کی رکاوٹیں دور ہوں بیچ کی خلشیں مٹیں اور یہ سب رکاوٹیں اور خلشیں شیطان کے ہاتھوں پیدا ہوتی ہیں جو اعوذ کے ذریعہ انسان سے دور ہوتا ہے۔

بچّوں کے اُستاد کے آداب

پہلے اُستاد خود اپنی اصلاح کرئے کیونکہ بچّوں کی آنکھیں اُسی پر لگی ہوتی ہیں اور انکے کان اُسی کی بات پر لگے ہوتے ہیں جو اُستاد کے نزدیک

پسندیدہ ہوتا ہے وہی بچوں کی نظر میں پسندیدہ اور عمدہ ہوتا ہے اور جو اُستاد کی نظر میں بُرا اور زشت ہوتا ہے وہی بچوں کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہوتا ہے نشست میں خاموشی اختیار کرے اور ترچھی نظر سے دیکھے اور زیادہ تر ادب رُعب اور خوف سے سکھائے نہ مار پیٹ اور سزا و عتاب سے۔ اُستاد نہ بچوں سے بات چیت کرے کہ وہ اس کے ساتھ گستاخ ہوں نہ اُنکو خود بات چیت کرنے دے کہ وہ اس کے سامنے بے حجاب ہوجائیں۔ اُستاد بچوں کے سامنے کسی سے ہنسی مذاق نہ کرے۔ بچوں کے عطیات سے پرہیز کرے اور جو اسکے سامنے ڈالدیں اس میں تقوے کا لحاظ رکھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کو اُکسانے بھڑکانے کا مادہ مٹائے اور جاسوسی کرنے اور ٹوہ لگانے سے روکے۔ غیبت اور بد گوئی کی خرابیاں انکے دلمیں اُتارے اور جھوٹ اور چغلخوری کی نفرت اُنکی طبیعت میں بٹھائے۔ انکے ساتھ پیش آنے والے اُمور میں کرید و بحث کرکے ان پر بار نہ ہوجائے اور ان کے گھر والوں سے مانگ مانگ کر ان کو اپنے سے بد دل نہ کردے۔ بچوں کو طہارت کی تعلیم دے نماز سکھائے اور اس نجاست کی شناخت بھی کرائے جو اُن کو چھوئے۔

فائدہ۔ بچوں کا اُستاد اُن کے لئے نمونہ اور مثال ہے۔ بچپن نقالی کا دور ہے بچے بڑوں کو جیسا کرتے یا کہتے دیکھتے یا سنتے ہیں ویسا ہی خود بھی کرنے یا کہنے لگتے ہیں۔ ان کی نظر ان کے دماغ سے زیادہ کام کرتی ہے بچوں کا اُستاد

اگر اچھے اعمال و کردار ان کو دکھائے گا وہ بھی یہی روش اختیار کریں گے اعمال و کردار میں سدھر جائیں گے اخلاق میں سنور جائیں گے اور اگر اُستاد بد علمی کا راستہ اختیار کرے گا تو بچے بھی اس کے نشانات قدم پر چلیں گے لہٰذا اُستاد کے لئے از بس ضروری ہے کہ بچوں کو اخلاق و کردار کا اچھا نمونہ بتائے اُن کے کانوں میں اچھی باتیں ڈالے پھر بچوں کو ادب سکھانے کے لئے اُستاد کا خود بھی با ادب ہونا لازمی ہے خاموش رہے وقار کو کسی دم نہ چھوڑے اور بچوں پر اپنے رکھ رکھاؤ سے ایسا رعب قائم کرے جس سے بچے اس کی مرضی سے کبھی سر نہ پھیریں اس کے فرمان سے کبھی منہ نہ موڑیں۔ اُستاد وقت بے وقت مار پیٹ اور زدو کوب سے کام نہ لے یہ عمل بچوں کے حالات پر بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اخلاقی پہلو میں یہ خاص اُمور پیش نظر رکھے۔ غیبت اور بدگوئی کا عادی نہ بننے دے بلکہ اس بدعادت کی بُرائی ان کے دل میں اُتار دے۔ نیز جھوٹ نہ بولنے دے۔ بچے جھوٹ کے بڑے دلدادہ ہوتے ہیں اور شروع ہی سے اس کے خوگر ہوتے ہیں لہٰذا اس بدخصلت کی جڑ بچپن ہی سے کٹنی چاہیئے تاکہ آگے جا کر یہ فروغ نہ پکڑ جائے۔ پھر بچے چغلخوری پر بڑے فریفتہ ہوتے ہیں۔ اِدھر کی اُدھر اُدھر کی اِدھر لگانے سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اشاروں میں ہی دل کو لڑواتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے بددل اور رنجیدہ خاطر کرتے ہیں لہٰذا اس بدعادت کی نفرت بھی ان کے دل میں بٹھانا

لابدی ہے۔
نیز نماز کی تعلیم بچوں کو دینا بھی ناگزیر ہے۔ بچپن ہی میں نماز کی عادت پڑتی ہے تو بڑے پن میں نہیں چھٹتی اور نماز کے لئے چونکہ طہارت لازمی ہے اسلئے طہارت سے واقفیت بھی ان کے لئے ضروری ہے۔

حامل حدیث کے آداب

سچائی اور صدق کلامی کی عادت ڈالے جھوٹ اور غلط بیانی سے اجتناب اور پرہیز کرے اور صرف مشہور احادیث کی روایت کرے اور ثقہ حضرات سے روایت کرنے کی عادت ڈالے

فائدہ۔ منکر اور غیر معتبر احادیث کو ترک کرے۔ سلف میں جو کچھ حالات وقوع پذیر ہو چکے ہیں ان کو ذکر میں نہ لائے۔ زمانہ کو پہچانے، لغزش غلطی اور تحریف و تبدیلی سے بچتا رہے ہنسی مذاق کو چھوڑے۔ فساد انگیزی اور جھگڑے برپا کرنے سے اجتناب کرے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کو نیابت رسول نصیب فرمائی۔ تواضع اور عاجزی کو اپنا شعار بنائے۔ اور زیادہ تر وہ احادیث بیان کرے جو عام مسلمانوں کے بیشتر نفع کی ہوں مثلاً فرائض سنن اور قرآن کریم کے معانی کے آداب وغیرہ۔ نیز وزراء اور امراء کے دروازوں پر جا کر علم کی حرمت و عزت پر بٹہ نہ لگائے اس عمل سے علماء کی توہین ہوتی ہے اور علم کی رونق مٹتی ہے جس حدیث کی اصل سے ناواقف ہو اس کی روایت نہ کرے اور ایک حدیث کو دوسری حدیث میں خلط ملط

کرنے سے ڈرے۔

فائدہ: دین و مذہب کے دو ہی سر چشمے ہیں جن سے دین کی ساری شاخیں چلتی ہیں۔ ایک کتاب اللہ دوسرا سر چشمہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتاب الٰہی معجزہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے تغیر و تبدیلی سے پاک و بری ہے اس کے پاک دامن پر تحریف و تبدیلی کا بدنما داغ کبھی لگا نہ لگے گا۔ اس کا محافظ خود خدائے برتر ہے اس کا نگران خود صاحب کتاب ہے۔ رب العزت نے اسکی حفاظت کا بار مخلوق کے کندھوں سے اٹھا لیا۔ اس میں ردو بدل کی انسان میں سے طاقت سلب کر لی گئی۔ البتہ سنت رسول اللہ کا معاملہ پُر خطر ہے قدم قدم پر تبدیلی کا ڈر ہے دشمنان اسلام کی نظر اسی پر لگی ہے۔ مخالفین نے صحیح غیر صحیح احادیث کو خلط ملط کرنے کی ان تھک کوششیں کی ہیں۔ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا ہے کہ کلام رسولؐ میں اپنا کلام ملا کر دین کے شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیں۔

لہٰذا انھیں حالات کے ماتحت علمائے اسلام نے راویان حدیث و ناقلان سنت پر جانچ کی کسوٹی لگائی پرکھ کے معیار پر کسا کہ کون کیسا ہے اور کون کیسا۔ اور بیشک ان حضرات نے اس امر میں ایسی بلیغ کوشش کی کہ بال کی کھال نکال کر رکھ دی جھوٹے کو سچے سے ممتاز کر کے بتا دیا۔ صحیح احادیث کا ذخیرہ جدا مرتب کیا اور غیر صحیح احادیث کا ذخیرہ جدا۔ اور اب بھی ہر حامل حدیث کے لئے لازمی ہے کہ سچے جھوٹے میں تمیز کرے ثقہ راویوں سے روایت لے اور وہ بھی مشہور منکر اور غیر معتبر روایات کو چھوڑے۔

نیز شغل حدیث میں محدث اپنے اس پاک شغلہ کے وقار و احترام کو کبھی بٹہ نہ لگنے دے یعنی ایسی حرکتوں سے قطعی کنارہ کش رہے جو وقار علمی کو گھٹانے والی ہوں۔ مثلاً یہ کہ ہنسی مذاق نہ کرے۔ سنجیدگی اور متانت کو نہ چھوڑے علم خود ایک ایسی دولت ہے جس پر دنیا کی ہر دولت قربان ہو لہٰذا جو شخص علم کی دولت سے مالا مال ہو اس کے لئے یہ کب زیبا ہے کہ وہ دنیا کے دولتمندوں کے پاس جاکر اپنی عزت و آبرو کو پامال کرے علم کی شان عظمت کو نیچا دکھائے۔

حضرت سعد بن المسیبؒ کا قول ہے إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَالِمَ يَغْشَى الْأُمَرَاءَ فَهُوَ لِصٌّ کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ امیروں کے پاس گھسا رہتا ہے تو سمجھو کہ وہ عالم نہیں چور ہے۔ وہ دین کی آڑ میں دنیا کما رہا ہے مذہب کے بھیس میں مال و دولت کا طالب ہے۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ علماء کی سزا یہ ہے کہ ان کا دل مرجاتا ہے اور ان کے دل کے مرجانے کی یہ نشانی ہے کہ وہ دنیا کو آخرت کے عمل کے ذریعہ طلب کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں إِنَّمَا يَذْهَبُ بَهَاءُ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ إِذَا طُلِبَ بِهِمَا الدُّنْيَا یعنی علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو دونوں کی خوبصورتی اور رونق اڑ جاتی ہے ان کی آن بان میں فرق آجاتا ہے۔

طالب حدیث کے آداب

مشہور حدیث لکھے اور غریب یا منکر حدیث نہ لکھے نیز ثقہ راویوں سے روایت کرنے کی پابندی کرے اس کے دل میں اس طلب کا غلبہ نہ ہو کہ وہ حدیث میں اپنے ساتھی سے زیادہ شہرت پکڑ جائے اور اسی طرح حدیث کی مشغولیت اسکو مروت اور نماز سے محروم نہ کر دے۔ غیبت سے بچے اور اجتناب کرے اور استاد کے کلام کو گوش گذار کرنے کے لئے خاموشی اختیار کرے اور محدث کے روبرو سکوت کے عالم میں رہے لکھے ہوئے حصّہ کی درستی کے وقت چہرہ پھیر پھیر کر میلان کرتا جائے اور یہ نہ کہے کہ میں نے سن لیا حالانکہ اس کے کان کہیں اور لگے ہوں اور اس نے خاک نہ سنا ہو۔ اور دنیا کی بلندی کو اپنا مقصد نہ بنائے۔ غیر ثقہ سے بھی حدیث لکھ ڈالے اور پابندی رکھے کہ حدیث انہیں اشخاص سے لے جو صلاح و تقوے کے بھی مالک ہوں اور حدیث کی معرفت بھی رکھتے ہوں اور ان سے حدیث نہ لکھے جو متقی اور صالح تو ہوں لیکن معرفت حدیث میں ادھورے اور ناقص ہوں۔

فائدہ:۔ یہ خلوص کی تلقین ہے اور ریار کاری کا انسداد مقصود ہے یعنی حدیث کی طلب میں یا اس کے نشر و اشاعت میں دنیا کی کوئی غرض مدنظر نہ ہو بزرگوں نے حدیث دانی کو ریاء کاری سے اس قدر بچایا ہے اور خواہش نفسانی سے اس کو اس درجہ پاک رکھا ہے کہ حضرت بشر بن الحرث رح

فرماتے ہیں اَنَا اَشتَهِی اَنْ اُحَدِّثَ وَلَوْ ذَهَبَتْ عَنِّی شَهْوَةُ الْحَدِیْثِ لَحَدَّثْتُ یعنی میرے نفس کی خواہش ہے کہ میں حدیث بیان کروں اگر یہ خواہش میرے دل میں نہ ہوتی تو میں ضرور حدیث بیان کرتا گویا اپنے نفس کی خوشنودی نہیں چاہتے بلکہ خدا کی خوشنودی چاہتے ہیں اسی طرح دوسرے بزرگوں کا قول ہے کہ جب تو حدیث بیان کرنے کی خواہش رکھے تو خاموش رہ اور جب یہ خواہش نہ ہو تو حدیث بیان کر۔

حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں فِتْنَةُ الْحَدِیْثِ اَشَدُّ مِنْ فِتْنَةِ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ۔ کہ حدیث کا فتنہ اہل مال اور اولاد سے بڑھ کر ہے

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (کتاب و سنت کا علم) دین ہے پس جب تم اس کو حاصل کرو تو یہ دیکھ لو کہ کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو (مسلم) حقیقت میں آنکھیں کھول کر دل و دماغ کو ہوش میں رکھکر عالم و محدث کی پرکھ کرے صحیح انتخاب عمل میں لائے غلط انتخاب دین کی بربادی ہے مذہب کی تباہی ہے۔ اور بے پناہ نقصان و خسارہ ہے۔ لہٰذا اس امر میں طالب حدیث دونوں امور دیکھے یعنی یہ کہ محدث میں دینداری بھی ہو اور معرفت حدیث بھی کافی ہو۔ دینداری نہ ہونے سے برکت اٹھتی ہے معرفت کی خامی سے ہدایت گم ہوتی ہے۔

کاتب و محرر کے آداب

خوش نویس اور خوشخط ہو قلم کی تراش اچھی ہو اعراب لفظ خوب ہو۔

حساب کی معرفت ہو۔ رائے میں پختگی اور استواری ہو۔ خوش پوشاک ہو خوشبو رکھتا ہو اگلے اہل اختیار وزیروں کے حالات کی معرفت ہو اور امراء کے ساتھ مطالبات سے سخت پرہیز ہو امر خراج کا پورا علم ہو۔ نرم برتاؤ ہو اور عوام الناس سے پوری واقفیت ہو۔ شوخی اور بے باکی سے اجتناب ہو۔ مروت کا استعمال ہو۔ حرام سے گریز ہو۔ حسن خلق اور پسندیدہ برتاؤ ہو۔ ذلت سے پوری حفاظت ہو۔ مجلسوں میں گندی گفتگو سے پرہیز ہو۔ گفتگو اور مذاق و دل لگی سے اجتناب ہو خواص و اہل و عیال سے نرمی ہو۔

فائدہ۔ اس بیان میں وہ آداب جمع کئے ہیں جن کا ہونا ایک کاتب میں ناگزیر ہے۔ یعنی ہیئت و شکل میں معقولیت ہو پوشش و لباس میں لطافت و پاکیزگی ہو۔ تاریخی واقعات اور گذشتہ وزراء کے حالات پر عبور ہو۔ اخلاق پسندیدہ ہوں۔ معاملات خوشگوار ہوں۔ ذلت سے نفرت ہو زبان کی لغویت سے پرہیز ہو ٹھٹھا ہنسی مذاق یا چھچھورا پن نہ ہو بلکہ متانت و سنجیدگی ہو اور اپنوں اور پرائیوں کے ساتھ خوش اطواری سے میل ملاپ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

واعظ کے آداب

واعظ تکبر اور فخر سے دامن بچائے اپنے سردار اور آقا سے ہمیشہ شرم و حیاء محسوس کرے فاقہ کا اظہار صرف اپنے خالق سے کرے۔ سامعین کے نفع و فائدہ کی بہت ہی گہری خواہش رکھے۔ اپنے نفس

کے عیب معلوم کرنے کے لئے اس سے بدظن رہے۔ سامعین پر سلامتی کی نظر ڈالے اور انکی باطنی دیانت پر اچھا عقیدہ رکھے اور حفاظت چاہئے میں ان سے کوئی امید نہ لگائے۔ ادب سکھانے میں نرمی برتے۔ اور نوآموز کے ساتھ خاص شفقت سے کام لے۔ اور جس کام کا سامعین سے تقاضا کرے اس پر پورا عقیدہ رکھے تاکہ اس کی کہی ہوئی بات لوگوں کے لئے نفع بخش ہو۔

خلاصہ وعظ و نصیحت تنبیہ و ہدایت اسی وقت اپنا اثر دکھاتی ہے کہ سامعین سے ہر قسم کی غرض و لالچ ہٹائی جائے بے لوث اور بے غرض ہو کر ان کے سامنے زبان ہدایت یا ممانعت کھولے۔ اگر غرض رکھے گا تو یا تو اس کو ہدایت کی سرے سے جرأت ہی نہیں ہوگی یا اگر جرأت کرے گا بھی تو اپنی غرض کا پاس رکھتے ہوئے اسی قدر رکھے گا جس سے سامعین کے جذبات میں ٹھیس نہ لگے اور پھر اس سے اس کی غرض میں فرق نہ آئے۔ اور اسی عمل سے اس کی بات میں اثر جاتا رہے گا۔ اور اس کے الفاظ بے جان ہو کر رہ جائیں گے بزرگان دین سے ایک قصہ منقول ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک بلی پلی تھی وہ اس کے لئے پڑوس کے ایک قصائی سے چھیچھڑے لا کر کھلایا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس شخص نے قصائی میں کوئی دینی اور مذہبی عیب دیکھا اور چاہا کہ اس سے کچھ کہے مگر اپنی غرض پر بھی نظر ڈالی لہذا گھر گیا اور بلی کو گھر سے نکال دیا اور پھر آ کر قصائی کو کھل کر ہدایت کی قصائی نے ہدایت سنکر کہا کہ اچھا اب تجھکو بلی کے لئے چھیچھڑے

نہیں دیا کروں گا۔ اس شخص نے کہا کہ اس دھمکی کی روک تھام میں پہلے ہی گھر جا کر کر آیا ہوں کہ بلی کو گھر سے نکال دیا ہے اور غرض کا رشتہ پہلے ہی سے کاٹ دیا ہے اگر میں تجھ سے کوئی حاجت رکھتا ہوتا تو یہ تیری دھمکی مجھ پر کچھ اثر کرتی۔

لغزش کا ارتکاب کرنا بیشک عیب ہے لیکن کسی کا اس کو سختی سے روکنا اور درشتی سے اس کا انسداد کرنا یہ اس کا عیب ہے جو نصیحت وہدایت کے مفاد کو ختم کرتا ہے اور ہدایت کنندہ کا عیب مجدد اکھولتا ہے بیہقی نے شعب الایمان میں عمرو بن شعیب کے طریق سے روایت کی ہے مَنْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ فَلْيَكُنْ اَمْرُہٗ بِمَعْرُوْفٍ ۔ کہ جو اچھائی کا حکم دے تو اس کا حکم بھی اچھائی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ایک بار ایک شخص نے مامون کو سختی اور درشتی سے کسی امر میں سمجھایا۔ مامون نے اس سے کہا کہ اے شخص نرمی برت البتہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ایسے کو جو تجھ سے اچھا تھا ایسے کی طرف جو مجھ سے برا تھا اور پھر بھی نرمی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۔ یعنی پس کہو اس سے نرم بات شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرعون کی طرف بھیجا جا رہا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ خدا تعالےٰ کا بھی دشمن تھا اور خدا کے برگزیدہ رسول کا بھی دین کی پیغام رسانی میں اس کے ساتھ جس قدر سختی برتی جاتی اس کا وہ سزاوار تھا لیکن نہیں چونکہ اشاعت

دین کی راہ میں درشتی سخت عیب ہے اسلئے اس سے خاص طور سے روکا گیا اور ہدایت کی گئی کہ آپ اپنے اور ہمارے دشمن کے پاس جا تو رہے ہیں لیکن بات میں گرمی اور شدت مزاج میں تیزی اور حدت نہ پیدا ہو جائے بلکہ محبت بھرے الفاظ میں ٹھنڈے مزاج سے اللہ کا پیغام اس تک پہنچائیں ممکن ہے اس کی عقل ٹھکانے آجائے اور اللہ تعالےٰ سے ڈر جائے۔ لہٰذا واعظ کی تبلیغ و نصیحت کا رنگ حضرات انبیا علیہم السلام سے ملتا جلتا ہونا چاہیئے۔

حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ صلۃ بن اشیم کے پاس سے ایک آدمی گذرا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا لٹکا ہوا تھا آپ کے ساتھیوں نے چاہا کہ سختی سے اس امر پر اس کی گرفت کریں مگر حضرت صلۃ نے فرمایا تم چھوڑ دو اس کو نصیحت کرنے کے لئے میں کافی ہوں آپ نے اس سے فرمایا بھتیجے ہماری تم سے ایک حاجت ہے وہ بولا اچھا وہ کیا حاجت ہے آپ نے فرمایا ہمیں یہ پسند ہے کہ تم اپنے پائجامہ کو ذرا اٹھالو اس نے کہا بہت اچھا مہربانی آپ کی یہ کہکر اس نے اپنا پائجامہ ٹخنوں سے اونچا کر لیا۔ اس کے بعد حضرت صلۃؒ نے کہا کہ دیکھو اگر تم اس کو نصیحت کرتے ہیں اس کے ساتھ درشتی سے پیش آتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ ایسا کرنے سے انکار کرتا اور تم کو گالی دیتا۔

وعظ سننے والے کے آداب

عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو خاکساری اور فروتنی کا وتیرہ ہو سینہ کدورت سے خالی ہو دماغ بدگمانی سے پاک ہو۔ بات پر پورا اعتقاد ہو ہمیشہ خاموشی کی عادت ہو مزاج میں تبدیلی کم ہو ارادہ میں انتشار و تذبذب نہ ہو تہمت لگانے کا مادہ نہ ہو۔

فائدہ: وعظ سننے والے میں جو کچھ آداب بتائے گئے ہیں ان کے بغیر وعظ و نصیحت کا فائدہ مفقود ہوتا ہے۔ اگر عاجزی اور فروتنی نہ ہوگی واعظ کی طرف سے فیضان بند ہو جائے گا استفادہ کی راہ مسدود ہو جائے گی واعظ جو نصیحت حاصل کرنے والے سے بلند مرتبہ اور عالی درجہ ہوتا ہے وہ مانند بلندی اور فراز کے ہے اور نصیحت کا طلب گار مثل نشیب و پستی کے جس طرح بلندی سے نشیب کی جانب اسی قدر تیزی سے پانی کی روانی ہوتی ہے جس قدر زیادہ نشیب ہوتی ہے اسی طرح فیضان کی حالت ہے کہ وہ بھی بمطابق عاجزی و فروتنی طالب نصیحت کی طرف چلتا اور رواں ہوتا ہے۔

نیز اگر طالب نصیحت واعظ سے بدظن اور بدعقیدہ ہو اس کی نظر اس کے عیبوں پر لگی ہو تو طالب کی طبیعت کبھی واعظ کی طرف متوجہ نہیں ہوگی بلکہ اس سے گریز کرے گی۔ اس کی بات کو اس کان سے سنے گا اور اس کان سے اڑائے گا کان کہیں لگے ہوں گے اور دل کہیں

ہو گا۔ کانوں سے سُنی بات دل میں جگہ نہیں لیگی۔

عابد وزاہد کے آداب

وقت عبادت مخصوص ہو ورد و وظیفہ قابل فہم ہو۔ کلام اوقات پر بٹا ہو آنسو بہتے ہوں خشوع وخضوع کی کیفیت ہر دم اور ہر وقت طاری ہو۔ نظر نیچی ہو دل پر بندش اور پابندی ہو۔ فکر دین پر لگی ہو وقت پر پوری نگرانی ہو۔ ہمیشہ روزہ دار ہو ہمیشہ شب بیدار ہو اپنے گھر میں بھی تقوے پر پابند رہے کھانے اور پینے میں کمی کا عادی ہو ہر وقت موت کے کھٹکے میں رہے ساتھیوں اور دوستوں سے کنارہ کش رہے۔ خواہشات کا تارک ہو نمازوں کا محافظ ہو اپنے حال کے گھٹنے بڑھنے کو خوب جانتا اور پہچانتا ہو۔ اس کا خود کو جاننا اُس کو دوسروں کے جاننے سے بے نیاز کر دے۔

فائدہ۔ فکر کا دین پر لگنا یہ کہ اپنے دین کی حالت پر ہر وقت جانچ پڑتال رکھے اِس دیکھ بھال سے غافل نہ ہو کہ وہ اپنے اعضاء بدنی سے گناہ کما رہا ہے یا اجر و ثواب ہر روز اپنا حساب لے لیا کرے اور اس فکر کو کبھی مٹنے نہ دے اور بدن کو عملِ خیر سے سست نہ پڑنے دے جس طرح ایک تاجر دن ختم ہونے پر اپنی یومیہ تجارت کا حساب لگاتا ہے کہ آج مثلاً اس نے کیا کمایا اور کتنا کمایا یا کھویا تو کتنا کھویا بس اسی طرح دین کی حالت پر بھی انسان کڑی نظر رکھے۔ اس ادب کی تفصیل محاسبہ کے تحت

پچھلے اوراق میں گذر چکی ہے وہیں مطالعہ فرمائیں۔

کھانے پینے میں کمی کرنا اور پیٹ بھر کر اور خوب سیر ہو کر نہ کھانا جسمانی اور روحانی پہلوؤں سے نہایت مفید اور نفع بخش عمل ہے۔ جسم کو سکھ و آرام سے رکھتا ہے صحت کو برقرار رکھتا ہے۔ اعضاء بدنی میں گسلمندی اور سستی نہیں آنے دیتا بدہضمی اور دیگر بیماریوں کی جڑ کاٹتا ہے نیز دینی اور مذہبی پہلو سے بھی اس عمل کی بڑی تعریف آئی ہے اور روح کے لئے بھی یہ عمل بیش از بیش فوائد اپنے اندر رکھتا ہے بسیار خوری عبادات سے انسان کو قاصر رکھتی ہے طبیعت کو کند بناتی ہے جذبات کو ٹھنڈا کرتی ہے معرفت الٰہی کی فکر کو ماند بناتی ہے۔ اسلئے حدیث پاک میں ہے اَطْوَلُ النَّاسِ جُوعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ شِبْعًا فِی الدُّنْیَا کہ قیامت کے دن سب انسانوں میں زیادہ بھوکا وہ ہو گا جو دنیا میں زیادہ پیٹ بھرا رہا ہو گا۔

حضرت عمرؓ کا قول گرامی ہے اِیَّاکُمْ وَ الْبِطْنَۃَ فَاِنَّھَا ثِقْلٌ فِی الْحَیَاۃِ نَتْنٌ فِی الْمَمَاتِ کہ شکم پری سے بچو یہ زندگی میں بار اور بوجھ ہے اور مرنے پر سڑنا اور بدبودار ہوتا ہے

حضرت شفیق بلخیؒ نے فرمایا عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دکان تنہائی ہے اور جس کا اوزار بھوک اور خالی پیٹ ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادہ کو سمجھایا کہ اے بیٹے اگر تو نے معدہ پر کر لیا تو تیری فکر سو جائیگی تیری حکمت گونگی ہو جائے گی اور تیرے اعضائے بدنی عبادت سے تھک کر بیٹھ رہیں گے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب دُنیا کے خزانے پیش کیے گئے تو آپ نے ان کو ناپسند فرمایا اور فرمایا لَا بَلْ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ صَبَرْتُ وَتَضَرَّعْتُ وَاِذَا شَبِعْتُ شَکَرْتُ۔ یعنی آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں بھوکا رہوں ایک دن اور پیٹ بھروں ایک دن جب بھوکا رہوں صبر کروں اور گڑگڑاؤں اور جب پیٹ بھروں تو تو شکر کروں۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ میں جب بھی بھوکا رہا مجھ پر حکمت کا وہ دروازہ کھلا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا

ابو سلیمان دارانیؒ کا کہنا ہے کہ مجھے عبادت اسی وقت لذیذ تر معلوم ہوئی جبکہ میرا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہو نیز بھوکا رہنے سے بھوکوں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پیاسا رہنے سے پیاسوں پر دل دکھتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام بھوکے رہتے اور آپ سے کہا جاتا کہ حضرت آپ کے پاس تو زمین کے خزانے ہیں آپ فرماتے کہ مجھکو یہ ڈر ہے کہ میں پیٹ بھروں اور بھوکے کا حال بھول جاؤں۔ پھر انسان پیاس سے وہ پیاس یاد کرے جو میدان قیامت میں سب کو لاحق ہوگی اور بھوک سے دوزخیوں کی بھوک کا خیال دماغ میں لائے اور اللہ کے خوف سے ڈرے اور کانپے۔

بزرگوں نے نفس کو مچلنے والے جانور سے تشبیہ دی ہے کہ اس کو اگر پوری غذا دی تو اس کا مچلنا اور زائد ہوگا اور یہ بے قابو ہو کر ہاتھ سے نکل جائیگا

غذا کم ملنے پر یہ قابو اور بس میں رہے گا۔

حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اوّل بدعت جو جاری ہوئی وہ یہی ہے کہ لوگ پیٹ بھرنے لگے اور جب ان کا پیٹ بھرنے لگا تو انکے نفس مچلنے لگے اور بے قابو ہو گئے۔ پھر پیٹ کا اقتدار شرم گاہ پر بھی ہے اور زبان پر بھی جن سے گناہوں کے طوفان اٹھتے ہیں۔ بھوک سے زبان کم چلتی ہے انسان بدگوئی بکواس گالم گلوچ غیبت چغلخوری وغیرہ سے بچتا ہے۔ نیز نیند کم آتی ہے شب بیداری میں بڑی مدد ملتی ہے تہجد گذاری میں آسانی رہتی ہے۔ بعض بزرگوں سے اس طرح منقول ہے کہ جب ان کے سامنے کھانا آیا تو فرمایا اے مریدوں کی جماعت زیادہ نہ کھاؤ ورنہ زیادہ پانی پیو گے جب زیادہ پانی پیو گے تو زیادہ سوؤ گے جب زیادہ سوؤ گے تو ٹوٹے میں پڑو گے۔ بسیار خوری کے نتائج یہ بھی ہیں کہ احتلام کی شکایت بڑھ جاتی ہے اور احتلام بہت سے دینی کاموں میں رخنہ ڈالتا ہے نماز قضا کراتا ہے صحت کو گراتا ہے وغیرہ وغیرہ اسلئے حضرت ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے الاحتلام عقوبۃ کہ احتلام ایک سزا اور عتاب ہے۔ علاوہ ازیں بسیار خوری کہنے کو تو ایک عمل ہے لیکن بیشتر اعمال کا گھر ہے۔ اوّل تو زیادہ خوراک کے فراہم کرنے میں زیادہ ہی وقت لگے گا پھر کھانے میں زیادہ وقت پھر کثرت سے پانی میں زیادہ وقت پھر ہاتھ دھونا۔ خلال کرنا۔ بہر حال بکھیڑوں کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے مشغولیتوں کی ایک راہ نکل آتی ہے اور اللہ کے بندوں

کے نزدیک زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر ہے۔

حضرت سریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی جرجانیؒ سے ملاقات کی تو کیا دیکھا کہ آپ کے پاس ستو بندھے ہوئے ہیں عرض کیا حضرت یہ کیا کیا روٹی دستیاب نہیں فرمایا کہ میں نے اندازہ لگالیا کہ روٹی چبانے میں ستر تسبیحوں کے برابر وقت لگتا ہے اسلئے برسوں سے روٹی نہیں کھائی ہے اور روٹی چبانے کا وقت بچاکر تسبیح خوانی میں لگا دیا ہے۔ نیز بسیار خوری کے ساتھ بسا اوقات حرام خوری بھی چلتی ہے۔ جو زیادہ کھائے گا وہ زیادہ پیسہ جمع کرے گا اور زیادہ پیسہ کے لئے حرام وحلال کی تمیز اٹھاد ے گا اچھے برے کا فرق مٹا دے گا۔ چیزیں گراں ہوں گی تو جان پر تنگی گوارا نہیں کرے گا بلکہ دین کی بربادی گوارا کرے گا۔ حرام مال کہیں نہ کہیں سے لائے گا اور خوب کھائے گا خوب اڑائے گا۔ اور پیٹ کے غار کو بہر صورت بھرے گا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ لوگوں سے ترکاریوں اور سبزیوں کا بھاؤ دریافت فرماتے لوگ کہتے حضرت بہت گراں ہیں فرماتے تو اچھا ان کو چھوڑ کر ان کو ارزاں کرو۔

گوشہ نشینی کے آداب

گوشہ نشین دین کا عالم ہو نماز، روزہ زکاۃ وحج وغیرہ کے مسائل سے خوب واقف ہو اور عزلت میں یہ اعتقاد ہو کہ لوگ اس کے خود کے

شر سے بچ جائیں یہ نہیں کہ وہ لوگوں کے شر سے بچ جائے۔ تو مومنین کی مجلسوں
پنج وقتہ جماعتوں اور جنازہ کی نمازوں میں شرکت کرے اور عیادت کو بھی
جایا کرے۔ مگر لوگوں کی باتوں میں اپنے کو نہ لگائے اور ایسی بات لوگوں
سے دریافت نہ کرے جس سے اس کے دل پر برا اثر پڑتا نظر آئے لوگوں کے
عملیات پر نظر نہ ڈالے یہاں تک کہ اپنے پڑوسی سے بھی کوئی حاجت نہ رکھے۔
اپنے اوقات کو تین حصوں پر بانٹ دے۔ یا تو نماز پڑھے درس دے اور
اس کو غنیمت جانے یا کتابوں کا مطالعہ کرے اور علم حاصل کرے اور یا سو
جائے اور سب خلشوں سے نجات پائے۔ ہمیشہ ذکر کرے کثرت سے شکر
کرے اور بس اسی پہ اپنا کام ختم کرے اور اگر اس کے اہل وعیال بھی ہوں
تو ان سے بھی بات چیت کرے۔ اور گوشہ نشینی کی کوشش کرتا رہے یہاں
تک کہ پورا عزلت نشین ہو جائے۔

فائدہ۔ گوشہ نشینی انسان کو بے شمار فائدے بخشتی ہے اور بے شمار نقصانات
سے بچاتی ہے احادیث بھی اس کی توصیف سے پر ہیں اور بزرگان دین کے
اقوال بھی اس کی مدح وثنا میں لاتعداد منقول ہیں

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عامر الجہنیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے پوچھا یارسول اللہ مَا النَّجَاۃ۔ کہ یارسول اللہ نجات کا راستہ کیا ہے
آپ نے فرمایا لِیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَ اَمْسِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَ ابْلِ عَلٰی
خَطِیْئَتِکَ یعنی گھر میں بیٹھے بیٹھے اللہ کی عبادت کیے جاؤ اپنی زبان کو قابو
میں رکھو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ کونسا

آدمی سب میں اچھا ہے آپ نے فرمایا وہ مومن جو جان ومال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون تو فرمایا وہ آدمی جو کسی گھاٹی میں اللہ کی عبادت میں لگا رہے اور اپنی برائی کیوجہ سے لوگوں کو چھوڑ دے نیز عزلت نشینی کے لئے علم حاصل کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ مسائل فقیہہ سے واقف ہونا بھی لازمی ہے۔ جاہل گوشہ نشینی اختیار کرے گا اپنے اوقات کو ضائع کرے گا۔ اپنی من مانی عبادات کو اکارت کھوئے گا۔ حضرت امام نخعی اور دیگر علما حضرات نے صاف فرمایا ہے "تفقہ ثم اعتزل" کہ پہلے فقہہ پڑھو پھر عزلت نشین ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ زندگی کا کچھ حصّہ گوشہ نشینی میں بھی لگاؤ۔ ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ عزلت بھی ایک عبادت ہے۔ ابوالربیع الزاہدؒ نے حضرت داؤد طائی سے نصیحت کا مطالعہ کیا آپ نے فرمایا صُم عن الدنیا واجعل فطرک الآخرۃ کہ دنیا سے روزہ رکھ اور آخرت سے جاکر کھول یعنی لوگوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجا اور آخرت میں جاکر بس اللہ سے جامل۔ پھر فرمایا وَفِرَّ مِنَ النَّاسِ فِرَارَكَ مِنَ الاَسَدِ یعنی لوگوں سے ایسا بھاگ جس طرح تو شیر سے بھاگتا ہے۔

حضرت وہب نے فرمایا حکمت کے دس حصّے ہیں نو حصّے خاموشی میں ہیں اور ایک حصّہ گوشہ نشینی میں۔ سفیان ثوریؒ کہا کرتے یہ وقت سکوت کا ہے اور گھر میں بیٹھ رہنے کا۔

پنج وقتہ جماعتوں میں بھی شرکت کرے اور نماز جنازہ میں بھی نیز عیادت

اور مرلیضوں کی مزاج پرسی کو بھی نہ چھوڑے یہ امور بہت ہی اجر و ثواب کے ہیں ان کو ترک کرنا بہت بڑے اجر سے محروم ہونا ہے۔ ہاں البتہ لوگوں کی باتوں میں نہ لگے اور ایسی خبریں نہ پوچھے جن سے اس کے دل و دماغ پر برا اثر پڑے۔ لوگوں کی بات چیت کا اکثر و بیشتر حصہ غیبت، جھوٹ، فحش اور بے کار گو اس سے عبارت ہے اور اس میں حصہ لینا گویا گناہ میں حصہ لینا ہے۔

عزلت کے فوائد میں سے ایک زبردست فائدہ یہ ہے کہ انسان لوگوں سے کنارہ کش ہو کر دل کھول کر عبادت الٰہی کرتا ہے اللہ کی یاد میں کھو جاتا ہے دنیا سے دور آخرت کے قریب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اپنے اوقات کو مناسب طریقہ سے تقسیم کرلے۔ بہتر ہے کہ تین حصوں پر تقسیم کرے ایک حصہ نماز کی ادائیگی اور درس و تدریس میں لگائے کیونکہ نماز اولین عبادت ہے اور اہم ترین طاعت ہے۔ اور پھر دین کی اشاعت اور علم کی تلقین بھی خاص انبیاء کا کام ہے اسلئے ان دونوں مشغلوں کو کبھی نہ بھلاؤ۔

دوسرے مطالعہ کتب اور حصول علم بھی لازمی ہے۔ تیسرے نیند لیکر بدن کو راحت دینا بھی ضروری ہے۔

صوفی کے آداب

گم نام زندگی ہو۔ عبادت میں رنگینی نہ ہو علم شریعت سے استدلال

ہو۔ ہمیشہ محنتی ہو جفاکش ہو۔ اور لوگوں کے میل جول اور اختلاط سے اُس کو
نفرت اور وحشت ہو۔ اور خوش پوشاکی یا خوش جمالی سے شہرت کا طالب نہ
ہو۔ توکل دل میں رکھتا ہو۔ فقر کے لباس میں ملبوس ہو۔ ہمیشہ ذاکر و شاغل
ہو۔ محبت کو راز میں رکھنے والا ہو اور میل جول میں خوش خلق اور خوش
معاملہ ہو۔ امرد لڑکوں پر نظر نہ ڈالے اور عورتوں سے بھائی چارہ نہ کرے
اور ہمیشہ تلاوت قرآن میں لگا رہے۔

صوفی کے آداب میں بیشتر آداب وہی ہیں جن کا ذکر اصالتہً یا تبعاً
گذشتہ اوراق میں آچکا ہے لہذا اُن کا اعادہ کرنا مناسب نہیں۔

شریف کے آداب

شریف اپنی شرافت کی بہر قیمت حفاظت کرے اور اپنے نسب و
حسب کی آڑ میں کھائے پیئے نہیں اور نہ اپنے حسب میں ناانصافی سے کام
لے۔ اپنے پروردگار کے معاملہ میں تواضع برتے اور اپنے سردار و آقا سے
ڈرتا رہے۔ جو خود سے کم تر ہو اس سے اپنی فضیلت کا احساس رکھے
اور اپنے جیسے سے برابری نہ کرے۔ اہل علم کی فضیلت کو مانے خواہ وہ علم
میں اُس جیسے ہوں یا اس سے کمتر۔ اہل دین حضرات کی صحبت میں
پابندی سے رہے یعنی وہ لوگ جو فقیہ ہوں یا حافظ قرآن۔ مہذب اخلاق
کا مالک ہو۔ غصہ کے وقت یا گفتگو اور خطاب کے وقت اپنے الفاظ
تہذیب کے دائرہ میں رکھے۔ ہم جلیسوں کی عزت و حرمت بجا لائے

بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے۔ عزیز و اقارب کی عزت و جان کا محافظ ہو اپنے پڑوسیوں کا مددگار ہو اپنے دوستوں کا خود اکرام و احترام کرے۔

فائدہ۔ عالموں کی صحبت انسان کی اصلاح کے لئے اکسیر کا کام کرتی ہے۔ اخلاق و عادات کی درستی میں حیرت انگیز اثر دکھاتی ہے۔ ان کی صحبت میں کردار بنتا ہے۔ عقائد کی اصلاح ہوتی ہے اعمال کی صحت عمل میں آتی ہے غلط رسموں اور بے اصل رواجوں کی حقیقت کھلتی ہے اور انسان اپنی غلطیوں سے ایک ایک کر کے تائب ہوتا جاتا ہے اور یوں عالم نہیں تو عمل کا نمونہ بن کر نکلتا ہے۔ انسانیت کا جامہ پہنکر دنیا کے سامنے آتا ہے بلکہ یوں کہیئے کہ شرافت کا مجسمہ ہوتا ہے۔

نیند کے آداب

نیند سے پہلے پاک ہو۔ سیدھی کروٹ سوئے۔ ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ اس کو نیند آجائے۔ پھر جب نیند سے بیدار ہو تو دعا پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔

فائدہ۔ نیند دراصل موت کو یاد دلاتی ہے اور بیداری حشر کے اٹھنے کو بتاتی ہے۔ سونا گویا ایک غفلت کے میدان میں قدم رکھنا ہے اور جاگنا گویا پھر ہوشیاری کے عالم میں آجاتا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ نیند وقتی موت کا نام ہے عارضی مردگی کا نام ہے اور بیداری ایک نقلی حشر و نشر کا نام۔ سو کر انسان مردوں سے قریب تر ہو جاتا ہے اور زندوں سے

دور تر۔ اسلئے شریعت سے ثبوت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے
وقت لمبی لمبی دعائیں پڑھا کرتے آیات وسُوَر قرآنی کی تلاوت فرمایا کرتے
اور نیند سے بیدار ہوتے تو دعائیں پڑھتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرتے
اور یہی عمل ہر مومن کے لئے زیبا ہے۔ کیا پتہ انسان کونسی نیند سوتا
ہے وقتی نیند سوتا ہے یا ہمیشہ کی نیند سوتا ہے بہت سے سوئے اور
سوتے کے سوتے رہ گئے چھوٹی نیند لمبی نیند سے جا ملی۔ لہذا مناسب
یہی ہے کہ انسان سوتے وقت ذکر الٰہی سے رطب اللسان ہو کہ اگر
موت بھی آجائے تو انسان دنیا سے پاک بدن پاک زبان اور
پاک دل جائے۔ اسی طرح جب اٹھے تو حمد باری زبان پر ہو کہ
اُس نے گویا ہم کو پھر دوبارہ زندگی بخشی مردوں سے نکال کر پھر
زندوں میں شمار کرایا۔ عافیت سے سلایا خیریت سے اُٹھایا۔

تہجد کے آداب

خوراک و غذا کی کمی ہو پانی پینے کی بھی کمی ہو۔ دن میں غیبت
جھوٹ لغویت اور محرمات کی طرف نظر اٹھانے سے اجتناب
کرے اور جب نیند سے بیدار ہو تو خوف اور ڈر کے ساتھ اٹھے
وضوء اچھی طرح کرے اور آسمان کیطرف نظر اٹھا کر دعا پڑھے۔ نماز
میں حضور قلب ہو اور تلاوت شدہ حصّہ کے معانی سمجھتا جائے۔
فائدہ۔ تہجد بڑی افضل عبادت ہے اور نہایت برگزیدہ طاعت ہے۔

قرآن پاک میں بہت سی جگہ اس کی تعریف آئی ہے فرمان خداوندی ہو
اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا۔ یعنی رات کا اٹھنا نفس
کے کچلنے میں بہت سخت ہے اور بات کو بہت سیدھا کرنے والا
ہے۔ ابو امامہؓ سے حدیث نقل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا رات کے اٹھنے
پر پابندی کرو کیونکہ یہ ان نیک بختوں کا شعار ہے جو تم سے پہلے گذر
چکے ہیں رات کے اٹھنے سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے گناہوں
کی بخشش ہوتی ہے بدن کی بیماری دور ہوتی ہے اور گناہ سے
انسان دور ہی رہتا ہے۔

حضرت عمرؓ تہجد گذاری فرماتے اور تلاوت میں آپ پر ایسی رقت
طاری ہوتی کہ آپ بیمار پڑ جاتے اور لوگ آپ کی مزاج پرسی کے لئے
آتے۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ شب بیداری فرماتے اور رات بھر گن
گناتے رہتے۔ غرض صحابہ اور بزرگان دین نے تہجد گذاری پر بڑی
پابندی رکھی ہے۔

شب بیداری میں چند امور مفید ہیں۔ ایک کم خوری کہ اس سے
پیٹ ہلکا رہتا ہے نیند کا غلبہ کم ہوتا ہے بدن میں جتنی توانائی ہوتی ہے
نیند تری سے آتی ہے خشکی سے اڑتی ہے۔ کم غذا کھانے سے پانی
کم پیا جاتا ہے تو بدن میں تری کم ہوتی ہے اور نیند کم ستاتی ہے
دوسرے دن میں تھکاوٹ کا کام نہ کرے۔ تیسرے قیلولہ کا عادی ہو
اس سے بھی شب بیداری میں مدد ملتی ہے چوتھے دن میں گناہوں

سے اپنا دامن بچائیے کیونکہ گناہ سے دل سخت ہوتا ہے رحمت کے راستے بند ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا کہ حضرت بہت چاہتا ہوں کہ تہجد ادا کروں وضو کے لئے پانی وغیرہ کا سب انتظام کر کے سوتا ہوں مگر آنکھ نہیں کھلتی آپ نے فرمایا کہ تیرے گناہوں نے تجھکو جکڑ رکھا ہے۔

حضرت ثوریؒ کہتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا اور اس کی وجہ سے پندرہ ماہ تک شب بیداری نہ کر سکا۔ وہ گناہ یہ تھا کہ ایک شخص رو رہا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ اس کی ریاکاری ہے۔ غرض ایک نیکی نیکی کو کھینچتی ہے اور ایک برائی برائی کو۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی جب جماعت کی نماز ٹلتی ہے تو وہ کسی گناہ کے سبب۔

پائخانے جانے کے آداب

پائخانے میں جانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور پھر اعوذ اور قضائے حاجت کے لئے ستر اس وقت کھولے کہ زمین کے قریب ہو جائے۔ پائخانہ کے بعد جب ابدست لے چکے تو مٹی سے ہاتھ رگڑے اور دھوئے پائخانے سے نکلنے کے بعد حمد و شکر الٰہی کرے۔

حمام کے آداب

ستر چھپائے ستر پر نظر ڈالنے سے بچے۔ تنہائی تلاش کرے بات چیت ترک کرے۔ اِدھر اُدھر نہ مڑے سلام نہ کرے۔ کم بیٹھے پہلے جنابت اور پلیدی کو دھوئے پھر غسل کرے غسل سے فارغ ہو کر جب نکلنے لگے تو ٹھنڈے پانی سے پاؤں دھوئے کیونکہ یہ عمل درد سر کو دور کرتا ہے۔

وضو کے آداب

مسواک کرے اعضائے وضو دھوئے ہر وقت زبان پر ذکر ہو اور ایک خوف اور ہیبت کی سی کیفیت طاری ہو۔ پچھلے گناہوں سے توبہ ہو۔ وضو کے بعد نماز تک سکوت و خاموشی ہو اور طہارت کے بعد طہارت ہو۔ مونچھوں کے بال لے۔ بغلوں کے بال اکھڑے زیر ناف کے بال لے ناخن تراشے انگلیوں کے جوڑ دھوئے ناک کو اچھی طرح دھوئے۔ کپڑے اور بدن کو پاک رکھے۔

فائدہ:۔ وضو سے پہلے مسواک بڑی فضیلت رکھتی ہے اور حدیث پاک میں اس کی بہت ہی تاکید آئی ہے۔ حضور اکرمؐ نے یہاں تک فرمایا ہے لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ کہ اگر میں اپنی اُمت پر اس کو شاق نہ جانتا تو ان کو مسواک کے لئے حکم دیتا ہر نماز کے وقت۔ یعنی اگر آنجنابؐ کو یہ خیال نہ آتا کہ مسواک

کی پابندی میری اُمت پر بار ہو جائیگی تو آپ ضرور مسواک کے فوائد کو ملاحظہ فرما کر اُمت پر مسواک واجب فرماتے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسواک منہ کی پاکی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودی کا باعث۔ صحابہ کرام بھی مسواک کا اس قدر اہتمام کرتے کہ چلتے پھرتے تو مسواک اپنے کانوں میں رکھے رہتے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں (یعنی دس دینی باتیں ہیں) لبوں کے بال کٹوانا داڑھی کا بڑھانا۔ مسواک کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ ناخن کٹوانا۔ انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ زیر ناف بالوں کا لینا۔ پانی کم خرچ کرنا۔ راوی کا بیان ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ممکن ہے وہ کلی کرنا ہو۔ ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کی جگہ ختنہ کرانے کے الفاظ ہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب

سیدھا پاؤں پہلے مسجد میں رکھے جوتیوں پر سے پلیدی جھاڑے اور اللہ کا نام لے۔ حاضرین مسجد پر سلام کرے اگر مسجد خالی ہو تو خود اپنے اوپر سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس پر رحمت کے دروازے کھول دے پھر قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ زیادہ تر مراقبہ کرے

بات چیت کم کرے اور لعنت و ملامت کرنا چھوڑ دے۔ مسجد میں بلند آوازی سے نہ بولے تلوار نہ سونتے۔ اپنے تیر کا پھل پکڑ لے۔ مسجد میں کوئی پیشہ نہ کرے نہ گمی ہوئی چیز کا اعلان کرے نہ خرید و فروخت کرے نہ آپس میں جھگڑا فساد اٹھائے۔ جب مسجد سے باہر نکلے تو پہلے الٹا پاؤں باہر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے۔

فائدہ : مسجد بڑا مقدس پاکیزہ اور برگزیدہ مقام ہے دربار الٰہی ہے جہاں پہنچ کر انسان اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اس لئے بلند بلند مدارج حاصل کرتا ہے۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام آبادیوں میں خدا کو محبوب ترین مقامات مسجدیں ہیں اور ناپسندیدہ ترین مقامات بازار ہیں۔ مسجد عبادت کا گھر ہے فرشتوں کے اترنے اور رحمت نازل ہونے کی جگہ ہے۔ طاعت کا مرکز ہے پھر اللہ کو کیوں محبوب نہ ہو بخلاف بازار کے کہ وہ لغویت اور فسق و فجور کا اڈا ہے شیطان کا گھر ہے۔ دنیا کا مرکز ہے ہر برائی کا سرچشمہ ہے پھر وہ اللہ کو کیسے محبوب ہو۔ مسجد سے دل لگانا ایمان کی نشانی ہے مومن ہونے کی پختہ دلیل ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کا فرمان گرامی ہے کہ جب تم کسی کو مسجد کی خبر گیری کرتے ہوئے دیکھو تو بے دھڑک اس کے ایمان کی گواہی دیدو۔ چنانچہ خود خداوند قدوس نے کلام مبارک میں فرمایا ہے إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

وَالْیَوْمِ الْآخِرِ کہ اللہ کی مسجدوں کو وہ آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔

مسجد چونکہ عبادت کا مقام ہے اس میں دنیا کی بات کرنا سخت ممنوع ہے۔

حضرت حسنؓ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ آنجنابؐ نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ دنیا کی باتیں مسجدوں کے اندر کریں گے۔ پس اس وقت تم ان لوگوں میں نہ بیٹھنا۔ خدا تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت مالکؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام بطیحا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ جس شخص کو باتیں کرنے کی ضرورت ہو یا شعر پڑھنا چاہتا ہو یا بلند آوازی سے بولنا چاہتا ہو وہ مسجد سے باہر نکل کر اس چبوترہ پر بیٹھے اور ایسا کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھو تو کہو کہ خدا کرے تیری چیز نہ ملے۔ (ترمذی)

اعتکاف کے آداب

ہمیشہ ذکر ہو ارادے میں یکسوئی ہو۔ بات چیت ترک ہو۔ مقام اعتکاف پر پابندی سے قیام ہو۔ آنا جانا بند ہو نفس کی اس کے ارادوں سے بندش ہو اس کی خواہشات سے رکاوٹ

ہو اور اس کو بالجبر طاعت الٰہی اور عبادت خداوندی پر روکا جائے
فائدہ۔ اعتکاف بڑی برگزیدہ عبادت ہے کیونکہ یہ ایک قسم کی وقتی دنیا سے قطع تعلقی ہے اور تھوڑے عرصہ کے لئے عبادت الٰہی کے لئے بالکل وقف ہو جانا ہے نفس پر اس کی بڑی بڑی خواہشات میں کڑی پابندی لگ جاتی ہے آمد و رفت پر سخت بندش ہو جاتی ہے۔ یاد الٰہی اور ذکر خداوندی کا ہر وقت شغل رہتا ہے۔

اذان کے آداب

موذن گرمی و سردی میں اوقات کی خوب شناخت رکھتا ہو منارہ پر چڑھتے وقت اپنی نظر نیچی رکھے اور اذان میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر دائیں بائیں منہ پھیرے۔ اذان ٹھہر ٹھہر کر کہے اور اقامت روانی سے کہے۔

فائدہ۔ اوقات کی شناخت موذن کے لئے لابدی ہے۔ گرمی اور سردی میں اگر وہ وقت کو نہ پہچانتا ہو تو لوگوں کی نمازیں خراب ہو جائیں لوگوں کا اعتماد اس کی اذان پر ہوتا ہے اسی کی اذان پر آتے ہیں اور اسی کی اذان کے مطابق نمازیں ادا کرتے ہیں غرض صحت اوقات کے سلسلہ میں سارا اعتماد اور بھروسہ اسی پر ہوتا ہے اسلئے موذن اور امام کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ کہ امام مسلمانوں کی نمازوں کا ضامن و کفیل ہے اور موذن امین و ذمہ دار۔

عام طور پر اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا کم سے کم تنخواہ دار موذن کی تلاش ہوتی ہے خواہ وہ کس قدر بھی جاہل اور اَن پڑھ ہو اور اوقات کی شناخت قطعی نہ رکھتا ہو۔ اس غلط عمل سے لوگوں کی نمازیں خراب ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو امین بتا رہے ہیں۔ اور ہم جب کسی کے پاس روپیہ پیسہ رکھنا چاہیں اور امین کی ہم کو تلاش ہو تو آدمی کو کیسا ٹھوک بجا کر دیکھتے ہیں اور کیسی جانچ پڑتال کر کے رقم اس کے سپرد کرتے ہیں اور یہ صرف اس ڈر سے کہ کہیں رقم نہ ڈوب جائے تو پھر نماز جو ایک بڑی قیمتی دولت ہے وہ ایک بے اعتبار موذن کے سپرد کیسے کر دی جاتی ہے اور نا قابل اعتماد پر اعتماد کر لیا جاتا ہے کارکنان مساجد کو اس امر کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔

امام کے آداب

امام نماز کے مسائل خوب جانتا ہو اس کے فرائض و سنن سے خوب واقفیت رکھتا ہو۔ اس کو شناخت ہو کہ نماز میں کن چیزوں سے فساد آ جاتا ہے وہ لوگوں کی امامت ایسی حالت میں نہ کرے کہ لوگ (یعنی اس کے مقتدی) اس سے ناراض اور بددل ہوں۔ اس کو چاہیئے کہ جب عالم کو اپنے نزدیک دیکھے اس کو صفیں برابر کرنے پر مقرر کرے۔ اور نرمی سے ان کو آگے پیچھے ہونے کے لئے کہے۔ امام نہ اس قدر لمبی سورتیں پڑھے کہ لوگ گھبرا اٹھیں اور نہ اتنی لمبی تسبیحیں پڑھے کہ لوگ اکتا جائیں اور نہ اس قدر

کم پڑھے کہ کمال نماز ہاتھ سے جاتا رہے بلکہ مقتدیوں کی قوت وضعف کا اندازہ لگا کر نماز ادا کرے۔ رکوع اور سجدہ اطمینان سے ادا کرے تاکہ مقتدی بھی اطمینان ہی سے یہ ارکان ادا کر سکیں اور سورہ فاتحہ سے پہلے اور بعد سکتہ کرے اور اسی طرح سورت ختم کرنے پر بھی سکتہ کرے اور رکوع کی حالت میں اگر کسی کے آنے کی آہٹ سُنے تو اس کی رعایت کر کے ذرا ٹھہرا رہے مگر نہ اسقدر کہ پیچھے مقتدیوں پر بار ہو جائے اور نماز شروع کرنے سے پہلے اگر نماز کے پابند پڑوسیوں کو غیر حاضر پائے تو ان کا انتظار کرے لیکن نہ اس قدر کہ وقت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ دونوں سلاموں کے درمیان ہلکا سا وقفہ کرے۔ جب نماز سے فراغت حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سوچ کر اس کا شکر ادا کرے اور تمام حالات میں اسی کا ذکر کرتا رہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابو قتادہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور اس کو دراز کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب پیچھے سے کسی بچہ کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے تو میں نماز کو ہلکی کر دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ کہیں اس کی ماں کو بے چینی لاحق نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے واسطہ سے روایت ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی امامت کرے تو نماز ہلکی پڑھے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور کمزور اور بوڑھے بھی اور جب خود اپنی تنہا نماز

پڑھے تو جس قدر چاہے نماز لمبی پڑھے۔

نماز کے آداب

نمازی پر عاجزی انکساری اور خاکساری و فروتنی کے آثار ہوں دل حاضر ہو وسوسے دور ہوں اِدھر اُدھر نہ ہلے جلے ظاہر و باطن کو سکون و تسلی میں رکھے۔ اعضائے بدنی پر اطمینان کی کیفیت ہو نظر نیچی ہو سیدھا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر رکھا ہو اور تلاوت میں غور و فکر ہو تکبیر کہتے وقت ہیبت اور خوف ہو رکوع کے وقت عاجزی و فروتنی ہو سجدہ کے وقت خاکساری کا اظہار ہو تسبیح میں عظمت کا ظہور ہو تشہد میں مشاہدہ کا سماں ہو سلام پھیرنے میں بھی خوف کا رنگ ہو اور واپسی پر بھی ہیبت طاری ہو اور یہ سب کوشش خدا تعالیٰ کی رضا جوئی میں ہو۔

فائدہ۔ نماز میں دل کا حاضر ہونا اور خضوع و خشوع سے غور اور دھیان سے نماز ادا کرنا نہایت ضروری ہے بلکہ دراصل نماز نام اسی دھیان اور حضور قلب کا ہے ارشاد باری ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ کہ نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔ یاد اسی وقت ہو گی جب دل حاضر ہو گا۔ دھیان خدا کے ساتھ لگا ہو گا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ کہ غافلوں میں سے نہ ہو نیز فرمان نبوی ہے لَیْسَ لِلْعَبْدِ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِلَّا مَا عُقِلَ مِنْھَا۔ کہ بندہ کے لئے اس کی نماز سے اسیقدر اجر ہے جس قدر اس نے اس میں اپنا دھیان لگایا اور عقل و سمجھ بوجھ سے کام لیا

صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ نمازی نماز میں اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے تو جب دل حاضر نہ ہو دھیان کہیں بٹا ہو سرگوشی کیا خاک ہو گی۔ لہذا یہ سارے حوالے بتلاتے ہیں کہ نماز در اصل حضور قلب کی ہے اور وہی انسان کے حالات پر اثر انداز ہے۔ اللہ تعالےٰ انسان کے اعضاء کو دیکھ کر اس کے عملوں کا اجر اس کو نہیں دیتا بلکہ دل پر نظر لگاتا ہے اور اس سے اجر تقسیم فرماتا ہے اسلئے بزرگوں نے حضور قلب سے خالی نماز کو نماز کہلانے کا حقدار نہیں جانا ہے اور ایسی نماز کے فساد کے قائل ہوتے ہیں چنانچہ ابو طالب مکی نے حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مَنْ لَمْ یَخْشَعْ فَسَدَتْ صَلَاتُہٗ۔ کہ جس نے نماز میں خشوع و خضوع نہیں کیا اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ اسی طرح حضرت حسنؒ کا قول منقول ہے کہ جس نے بغیر حضور قلب کے نماز پڑھ لی وہ نماز سزا دلانے کی طرف زیادہ تیزی کرتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا مقولہ ہے کہ جس نے نماز میں یہ سمجھ لیا کہ اس کے دائیں جانب کون ہے اور بائیں جانب کون تو اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ لہذا یہ بڑا احتیاط کا مقام ہے۔ نماز میں انتہائی کوشش ہو کہ دل حاضر رہے۔ اور دھیان ادھر ادھر نہ بھٹکے۔

بزرگوں نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں کہ آج ان کی مثال نہیں ملتی نماز میں مارے خوف کے لرزتے کانپتے تھراتے اور رنگ زرد ہو جاتا اور یہ ہوش تک نہ ہوتا کہ ہم کہاں اور کس کے پاس کھڑے ہیں

حضرت مسلم بن یسار ایک مرتبہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا ایک ستون گر گیا اور لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے مگر آپ کو اس کا احساس نہ ہو سکا۔ اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں آج دنیا کے معاملات میں ہمارے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں بڑے بڑے صاحب سطوت بادشاہوں کے دربار میں ہم جاتے ہیں اور ان کی ذات پر ایسا دھیان جم جاتا ہے کہ ہمیں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہماری دائیں طرف کون ہے اور بائیں طرف کون۔

حضرت عامر بن عبداللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب نماز میں مشغول ہوتے اور پاس دف بجایا جاتا اور عورتیں باتیں کرتیں تو آن کو کچھ پتہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا بھی گیا کہ حضرت نماز میں آپ کے دل میں خیالات نہیں آتے آپ نے فرمایا بیشک خیال آتا ہے اور وہ صرف یہ کہ میں اللہ جل جلالہ کے روبرو کھڑا ہوں۔ اور مجھے یا دوزخ میں جانا ہے یا جنت میں۔

قرأت قرآن کے آداب

وقار اور حیاء ہمیشہ طاری رہے۔ عبث ولغو کام سے اجتناب اور کنارہ کشی ہو۔ تواضع اور رونا ہو۔

دعا کے آداب

دل میں عاجزی اور انکساری ہو۔ ارادہ میں یکسوئی اور پختگی ہو۔

ذلت کا اظہار ہو۔ نظر کی پاکیزگی ہو۔ حال سے فروتنی ٹپکتی ہو۔ فاقہ کے لئے التجا ہو۔ ڈوبنے والے کی طرح پناہ مانگے۔ اپنے نفس کی قدر جانتا ہو اور اپنے مطلوب اور مقصود کی بڑائی بھی نظر میں ہو۔ رغبت کے وقت ہاتھ پھیلا دے۔ قبولیت دعا پر یقین ہونا کامی کا خوف ہو خوشی کا انتظار ہو۔ زیادتی نہ ہو۔ قصد و ارادہ ٹھیک ہو پھر دعا کے ختم پر ہاتھوں کی اندر کی ہتھیلیوں کو منہ پر پھیرے۔

جمعہ کے آداب

وقت نماز جمعہ سے پہلے تیاری ہو۔ وقت نماز پر پاکی ہو۔ نماز میں جلد پہنچنے کی کوشش ہو۔ بدن کا غسل ہو۔ کپڑے کی پاکیزگی ہو خوشبو کا استعمال ہو۔ اگلی صف میں پہنچنے کے لئے لوگوں کے کندھے نہ پھاندے۔ بات چیت کم ہو۔ ہمیشہ ذکر ہو۔ امام سے قرب کی کوشش ہو۔ بوقت خطبہ خاموشی ہو۔ طلب علم کے لئے منتظر ہو جائے۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ چلے انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے۔ نگاہ جھکائے رکھے رازق حقیقی کا شکر بہت کرے۔ مسجد میں خشوع کے ساتھ داخل ہو۔ سلام کا جواب جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو نماز نہ پڑھے۔ اشارہ کے بعد سلام کا جواب دے۔ بات بند کرے نصیحت کی قبولیت کا اعتقاد رکھے جب خطیب سامنے آئے اور مخاطب ہو تو سب طرف سے التفات

چھوڑ دے۔ اور نہ کھڑا ہو نماز کے لئے جب تک کہ امام منبر سے نہ اُتر آئے اور موذن اقامت سے فارغ نہ ہولے۔

فائدہ صاف دُھلے کپڑے مہیا کرے خوشبو وغیرہ بھی بہم پہنچائے۔ مشاغل دُنیاوی سے اپنے کو فارغ کرے تاکہ عین وقت پر مشاغل شرکت نماز میں رخنہ اندازی نہ کریں اور تاخیر کا سبب نہ بنیں۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ جمعرات کی شام سے جمعہ کی تیاری کرے۔ جمعہ کی شب کو تلاوت کلام پاک کرے دن کو روزہ رکھے اور اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کو بھی شامل کرلے۔

بہر حال اُن غافلین میں سے نکل جائے جو جمعہ کو صبح کو اُٹھ کر پوچھا کرتے ہیں کہ آج کونسا دن ہے۔ بزرگان دین نے یہی لکھا ہے کہ سب سے زیادہ فضیلت اُسی کو ملتی ہے جو جمعہ کی تیاری ایک روز پہلے سے کرے۔ بعض بزرگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو جمعہ کی شب مسجد ہی میں سو جایا کرتے۔ جمعہ کے دن نماز سے پہلے غسل کرے پاک صاف کپڑے پہنے اور خوشبو لگا کر مسجد کی جانب روانہ ہو جائے۔

خشوع و خضوع کے ساتھ مسجد کی طرف جلد روانہ ہو وقت نماز تک اعتکاف کی نیت کرے۔ کوشش یہ کرے کہ پہلی ساعت میں مسجد میں پہنچ جائے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ جو پہلی ساعت میں نماز جمعہ کے لئے پہنچا اس کو ایک اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو دوسری ساعت میں پہنچا اس کو ایک گائے کی قربانی کا اور جو تیسری

ساعت میں پہنچا اس کو ایک مینڈھے کی قربانی کا ثواب ملے گا۔ اور جو چھی
ساعت میں پہنچا اس کو ایک مرغی ہدیہ دینے کا ثواب ملے گا اور جو
پانچویں ساعت میں پہنچا اس کو ایک انڈا ہدیہ دینے کا ثواب حاصل
ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے فرشتے مسجدوں
کے دروازوں پر بیٹھتے ہیں ہاتھوں میں چاندی کی تختیاں اور سونے
کے قلم ہوتے ہیں جو سب سے پہلے آتا ہے اس کو پہلے جو بعد میں آتا ہے
اس کو بعد میں لکھتے جاتے ہیں اور جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے
تو لکھنا ہی چھوڑ کر خود خطبہ سننے کے لئے آبیٹھتے ہیں۔

اگلی صف میں شریک ہونے کے لئے لوگوں کے کندھے نہ پھاندے
یہ سخت گناہ کی بات ہے۔ اور اس پر سخت وعید آئی ہے۔ حضور کا
فرمان گرامی ہے جس نے ایسا کیا اس نے گویا اپنے لئے جہنم تک پل
بنا لیا۔ ایک حدیث میں اس طرح بھی ہے کہ آنجناب نے ایک شخص کو
کندھے پھاندتے ہوئے دیکھا تو نماز جمعہ کے ختم ہونے پر اس سے
خطاب فرما کر فرمایا تو نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی اس نے
کہا حضور ابھی تو پڑھی ہے آپ نے فرمایا کہ تو نے کندھے جو پھاندے
ہیں۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ کندھے پھاندنے
سے تیری نماز نہیں ہوئی۔ خطبہ کے وقت باتیں کرنا سخت منع ہے۔
حضرات ابو سعید اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو

لگائی اگر اس کے پاس ہوئی پھر نماز میں شرکت کی اور کندھے نہیں پھاندے اور نماز پڑھی پھر خاموش رہا یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہوگیا تو یہ نماز اگلے جمعہ تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوجائیگی۔

خطیب کے آداب

سکون اور وقار کے ساتھ مسجد میں آئے سب سے پہلے سلام کرے پھر نہایت متانت کے ساتھ بیٹھے بات چیت نہ کرے اور وقت کا انتظار کرے۔ پھر وقار کے ساتھ منبر کیطرف قدم اٹھائے گویا ایسا معلوم ہو کہ اس کے کہے ہوئے الفاظ اللہ جل جلالہ کے پاس ضرور پیش ہونگے پھر خشوع کے ساتھ منبر پر چڑھے اور خضوع کے ساتھ سیڑھی پر کھڑا ہو اور پوری فکر کے ساتھ حاضرین وسامعین کی طرف ملتفت ہو پھر اشارہ سے سلام کرے تاکہ وہ سب اس کا کلام سنیں بعد ازاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوا اذان کے لئے بیٹھ جائے۔ اس کے بعد عاجزی سے خطبہ شروع کرے اور انگلیوں سے اشارہ نہ کرے۔ اور جو بات زبان پر لائے اس پر اعتقاد رکھے تاکہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے پھر اپنی کو دعا کے لئے اشارہ کرے۔ اور منبر سے اتر جائے اب مؤذن اقامت کہے اور جب تک سب خاموش نہ ہوجائیں تکبیر نہ کہے۔ پھر خطیب نماز شروع کرے اور اس میں جو کچھ پڑھے ترتیل وتجوید کے ساتھ پڑھے۔

عید کے آداب

شب بیداری ہو۔ عید کی صبح کو انسان غسل کرے بدن کو پاک صاف کرے خوشبو لگائے ہمیشہ تکبیر کہتا رہے۔ ذکر کی کثرت کرے خشوع و خضوع سے کام لے اور تکبیروں کے ساتھ حمد و تسبیح کا ورد بھی جاری رکھے اور نماز کے بعد جو خطبہ پڑھا جائے اس کو چپ بیٹھ کر سنے۔ اگر عید الفطر ہو تو تھوڑا سا کچھ کھا کر نماز کے لئے نکلے اور ایک راستہ جائے دوسرے راستہ آئے۔ واپسی پر بھی ایک خوف و ہیبت کی کیفیت طاری ہو۔

چاند یا سورج گرہن کے آداب

دائمی خوف و ڈر ہو آہ و زاری ہو توبہ کی طرف تیزی ہو۔ اداسی سے اجتناب ہو۔ نماز کے لئے جلدی کی جائے اور اس میں بہت دیر قیام کیا جائے۔ اور ایک ڈر محسوس ہوتا ہو۔

فائدہ۔ چاند یا سورج جب گرہن میں آجائیں تو نماز پڑھنا مسنون ہے سورج گرہن میں امام دو رکعت پڑھائے قرأت زور سے کرے اور اس کو طول دے نماز کے بعد دعا مانگے اور دعا بھی اس قدر لمبی ہو کہ سورج گرہن میں سے نکل آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے اِذَا رَاَیْتُمْ مِنْ ھٰذِہٖ الْاَفْزَاعِ شَیْئًا فَارْغَبُوْا اِلَی اللّٰہِ بِالدُّعَاءِ کہ جب تم ان خطرات میں سے کچھ دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ

کی طرف جھک پڑو۔ چاند گرہن میں دو رکعت نماز تو ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باجماعت نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے جب وفات پائی تو اتفاق سے سورج گرہن واقع ہوا لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی بناء پر آسمان میں یہ انقلاب آیا۔ حضور اقدسؐ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا اور اس غلط خیال کو مٹایا فرمایا سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ کسی کی موت یا زندگی کی بناء پر گرہن میں نہیں آتے جب یہ گرہن میں آجایا کریں تو تیزی سے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کی ادائیگی میں لگ جاؤ۔

استسقاء کے آداب

نماز سے پہلے روزے رکھے جائیں۔ توبہ استغفار ہو۔ مظالم بند کئے جائیں۔ ہمت صرف کی جائے۔ فخر و غرور کو چھوڑ دیا جائے پھر نماز کے لئے نکلنے سے پہلے غسل کیا جائے ہر وقت خاموشی اور سکوت ہو اور اس حالت پر غور ہو جو نزول رحمت کے لئے رکاوٹ بنی اور اس گناہ کا بھی اقرار ہو جس کے سبب یہ آفت ٹوٹ پڑی۔ اور اعتقاد ہو کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ پھر نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے خاموشی ہو۔ تکبیروں میں تسبیح ہو اور استغفار کی کثرت ہو اور چادر کو الٹا جائے اور دعا بھی ساتھ ساتھ مانگی جائے۔

جب گناہوں کی کثرت ہوتی ہے اور بندگان خدا خدا کے فرمان سے منہ پھیر لیتے ہیں اپنے آقا کی ناشکری میں لگ جاتے ہیں اور اس سے نظر پھیر لیتے ہیں تو یہ کائنات بھی انسانوں سے نظر پھیر لیتی ہے۔ راحت کے دروازے بند ہوتے ہیں آفتوں کی راہیں کھلتی ہیں۔ ایسے نازک وقت میں شریعت نے انسانوں کو عبادت کی طرف جھکایا ہے پھر آقا کی دہلیز پر لاکر ڈالا ہے اور گناہوں کی معافی کا راستہ بتایا ہے مثلاً بارش جب بند ہو جائے ہر ذی روح باران رحمت کو ترستا ہو تو نماز استغفار ادا کرنا مسنون ہے۔ اس میں دو رکعت نماز باجماعت ہوتی ہے۔ امام قرأت میں جہر کرتا ہے نماز کے بعد خطبہ ہے اور نہایت عاجزانہ دعا ہے نیز امام اپنی چادر بھی الٹتا ہے یہ گویا ایک قسم کی نیک فال ہے کہ جس طرح یہ چادر الٹی گئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ حالات کو دگرگوں کر دے۔ تکلیف کو راحت سے بدل دے خشکی کو تری سے بدل دے۔

بیمار کے آداب

موت کو زیادہ تر یاد کیا جائے اور توبہ اور حمد و ثنا سے اس کا استقبال ہو آہ و زاری ہو۔ دعا ہو۔ فاقہ اور عاجزی کا اظہار ہو۔ اور علاج معالجہ ہو دوا دارو ہو تو خالق دوا سے مدد مدد و استعانت کا مطالبہ ہو اور قوت پر اس کا شکر ہو۔ شکایت

بہت کم ہو۔ ہم جلیسوں کا اکرام و احترام ہو۔ ترک مصافحہ ہو۔

تسلی تشفی دینے والے کے آداب

عاجزی اور فروتنی ہو۔ غم و حزن کا اظہار ہو۔ بات چیت کم ہو مسکراہٹ سے پرہیز ہو کیونکہ یہ کینہ اور بغض کی بنیاد رکھتی ہے۔

جنازہ کے ساتھ چلنے کے آداب

چال ڈھال پر خشوع و خضوع کے آثار ہوں، نگاہ نیچی ہو۔ بات چیت بند ہو۔ میت پر عبرت کی نظر ہو۔ اور یہ دھیان ہو کہ اگر مرنے کے بعد سوال اٹھا تو کیا جواب بن پڑے گا اور پختہ ارادہ ہو کہ جن امور کے بارے میں سوال اٹھنے کا اندیشہ ہے ان کی طرف تیزی سے قدم بڑھایا جائے گا۔ اور یہ خوف بھی دل میں ساتھ ساتھ کارفرما ہو کہ جب موت حملہ آور ہوگی تو سب چیزوں کے کھو جانے کی حسرت ہی حسرت ہوگی۔

صدقہ دینے والے کے آداب

صدقہ کی ادائگی سوال سے پہلے ہو۔ صدقہ چھپا کر دے اور پھر اس کو راز ہی میں رکھے۔ سائل کے ساتھ نرمی ہو۔ سوال کرتے ہی فوراً سوکھا جواب نہ دیدے۔ نفس کو بخل و کنجوسی سے بچائے یا تو

سوال پورا کرے۔ یا خوش خوئی اور خوش مزاجی سے جواب دیدے
مگر ملعون شیطان سمجھائے کہ سائل مستحق نہیں تو اس کی ایک نہ سنے
بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام واکرام سے دیا ہے اس میں سے
اس کو کچھ دے ڈالے اسکو خالی ہاتھ نہ پھیرے۔

فائدہ۔ سائل اور بھکاری کو جھڑکنا ہرگز جائز نہیں۔ قرآن پاک میں اس
سے روکا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر ارشاد
فرمایا ہے وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ کہ سائل کو نہ جھڑکئے۔ پس سوال
پر یا تو دیدینا ہے یا نرمی اور عاجزی سے عذر کرنا ہے۔ اس کے دکھے
دل کو دکھانا اس کے ٹوٹے دل کو سخت الفاظ کے پتھر سے توڑنا انسانیت
نہیں حیوانیت ہے ہمدردی نہیں بے دردی ہے کیا پتہ کن حالات
میں اس نے سوال کے لئے زبان کھولی ہے پیسہ کے بدلے عزت
ہاری ہے مال کے عوض آبرو دی ہے۔ اس پر ناراضگی وخفگی قدرت
پر کھلا اعتراض ہے لہذا سائل کو جھڑکنے کا کسی کو کسی حال میں
حق نہیں۔

سائل کے آداب

سائل سچی حقیقت کے ساتھ اپنے فاقہ کو ظاہر کرے۔ پاکیزہ
الفاظ میں سوال کو ادا کرے اور جو کچھ مل جائے اس کو شکریہ کے
ساتھ قبول کرے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو پھر اچھی دعا دے۔ اگر اس

سوال رد کر دیا جائے تو عذر قبول کر کے خوش اسلوبی سے واپس ہو جائیے اور بار بار سوال کرنے اور لپٹنے سے بچے۔

غلط اور بے اصل حقیقت کو سامنے رکھ کر سائل کا سوال کرنا سخت ناجائز ہے۔ سوال نہایت احتیاج پر جائز ہوتا ہے اور احتیاج بھی جس قدر ہو اسی قدر سوال جائز ہوتا ہے۔ بغیر حاجت کے سوال کرنا یا حاجت ہو تھوڑی اور زیادہ ظاہر کرنا یہ سنگین گناہ کی بات ہے۔

حدیث شریف میں ہے مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْئَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ يَسْتَكْثِرْ یعنی جو لوگوں سے اسلئے سوال کرے کہ ان سے مال لیکر اپنا مال بڑھائے تو وہ گویا آگ کا انگارہ مانگتا ہے اب اس کو اختیار ہے وہ بہت مانگے یا کم مانگے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے بعد مغرب ایک بھکاری کو سوال کرتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا کیا کوئی اس کو رات کا کھانا کھلائے گا ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کو کھانا کھلایا۔ پھر وہ سائل آواز لگاتا ہوا نظر آیا حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا اس کو کھانا نہیں کھلایا وہ شخص بولا حضور میں اس کو کھانا کھلا چکا ہوں تو آپ نے سائل کو بلوایا کیا دیکھتے ہیں کہ اس کی زنبیل کھانے سے بھری ہے آپ نے فرمایا تو سائل نہیں تو تو تاجر ہے پھر اس کی زنبیل لی اور صدقہ کے اونٹوں کے سامنے اس کو اوندھا دیا۔ اور سائل کو درہ سے سزا دی فرمایا کہ دیکھ آئندہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا۔ یہ حدیث اور یہ واقعہ ایسے سائلوں کے لئے عبرتناک ہیں جو جھوٹے فاقہ کو ظاہر کر کے لوگوں سے

ان سے مال اینٹھتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے بخشش لینے میں اس قدر احتیاط برتی ہے کہ ضرورت سے زائد چیز ہرگز نہیں لی۔

چنانچہ حضرت سری سقطیؒ نے ایک بار حضرت احمد بن حنبلؒ کے پاس کوئی چیز بھیجی آپ نے اس کو واپس کر دیا۔

حضرت سریؒ نے فرمایا اے احمدؒ ڈرو اللہ سے بخشش کے رد کر دینے کی آفت اس کے لے لینے سے زائد ہے۔ حضرت احمدؒ نے جواب دیا کہ اس رد کر دینے کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک ماہ کا سامان موجود ہے جب یہ ختم ہو جائے مجھکو بھیج دینا میں لے لونگا ابھی اس کو اپنے ہی پاس رکھیں۔

غنی کے آداب

تواضع کی پابندی ہو تکبر سے اجتناب ہو۔ ہمیشہ شکر گذاری ہو۔ نیک اعمال کا سلسلہ نہ ٹوٹنے پائے فقیر کو دیکھکر خوشی و مسرت ہو اور اسکی طرف توجہ ہو۔ ہر ایک کے سلام کا جواب دیا جائے اور قناعت ہو۔ بات پاکیزہ ہو اس کے پاس بیٹھنے سے دل لگتا ہو۔ بھلائیوں پر مدد ہو۔

فائدہ۔ تونگری انسان کو اکثر و بیشتر متکبر بناتی ہے تواضع اور انکساری کا مادہ ختم کرتی ہے حالانکہ کثرت مال پر فخر کرنا انتہائی رذالت کی نشانی ہے۔ مال جو ہر وقت بربادی کی زد میں رہتا ہے جو آتا ہے دیر سے جاتا ہے جلد برسوں میں جمتا ہے منٹوں میں بکھرتا ہے اس پر فخر و غرور کرنا انتہائی بے عقلی ہے۔ کیا پتہ مال

کس وقت تک ہے اور کس وقت نہیں بہت سے سوتے ہیں خوش حال اُٹھتے ہیں تنگ حال سوتے ہیں تو نگر اُٹھتے ہیں دست نگر۔ فخر اُس چیز پر زیبا ہے جس کو کچھ بقا ہو جو ذات سے وابستہ ہو دوسروں کے دستبرد سے بچا ہوا ہو۔ دُنیا بھی بنائیے آخرت بھی سدھارے مال سے دونوں چیزیں خطرہ میں ہوتی ہیں۔ دُنیا میں مال کے آنے سے حفاظت کی فکر گھن کی طرح لگ جاتی ہے ہر ایک پر شک ہوتا ہے ہر ایک سے کھٹکتا ہے۔ پھر مال پر ہر ایک کی نظر اُمید لگتی ہے حسد و بغض خلش و رنجش کا دروازہ کھلتا ہے شکایتوں کے پل بندھتے ہیں۔ غرض ایک مال سیکڑوں عذابوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ آخرت میں حساب فہمی دراز ہوتی ہے۔ حقوق اللہ ادا نہ کرنے پر گرفت ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مال پر تکبر سخت نادانی اور سنگین نا عاقبت اندیشی ہے۔

فقیر کے آداب

قناعت پر پابندی کرے۔ فاقہ کو چھپائے۔ ذلت و خواری کے اظہار سے بچے۔ لالچ و حرص کو چھوڑ دے۔ عزت کا پاس کرے اہل دیانت و اہل مروت کے سامنے قناعت کا اظہار کرے۔ غنیوں کی بزرگی کا لحاظ رکھے لیکن ان کے لئے خوشی اور مسرت ظاہر نہ کرے۔ اُن سے قناعت ظاہر کرے اور ان سے نا اُمیدی بھی رکھے ان سے تکبر سے پیش نہ آئے اور ان کے سامنے ذلیل و خوار بھی نہ ہو۔ جب انکو

دیکھے تو اپنے دل کو قابو میں رکھے اور دین سے مدد حاصل کرے۔

فائدہ۔ فاقہ پر پردہ ڈالنا اور ناداری کو راز میں رکھنا فقیر کے لئے بڑی پیاری صفت بانی تختی ہے۔ زبان کچھ نہ کہے حالات کچھ بھی کہیں۔ حالات گو غمازی کریں مگر زبان ترجمانی نہ کرے۔ قرآن پاک میں ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا ہے یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ ناواقف اُن کو اُن کے سوال نہ کرنے سے غنی اور مالدار جانتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ کہ اللہ تعالیٰ عیالدار سوال نہ کرنے والے فقیر کو محبوب رکھتا ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ فقر کو چھپانا بھلائیوں کا خزانہ ہے۔

حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ سب سے افضل عمل اپنی تنگی کو چھپانا ہے۔

فقیر کا ادب یہ ہے کہ غنیوں سے ملکر خوش نہ ہو ان کی صحبت سے مسرور نہ ہو بلکہ اُن سے گھبرائے گریز کرے اور ان سے کنارہ کشی کو بہتر جانے۔ تند بداخلاق برتے نہ اپنے کو ذلیل ہونے دے حضرت علیؓ کا قول ہے مَا اَحْسَنَ تَوَاضُعَ الْغَنِیِّ لِلْفَقِیْرِ رَغْبَۃً فِیْ ثَوَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَحْسَنُ مِنْہُ تِیْہُ الْفَقِیْرِ عَلَی الْغَنِیِّ ثِقَۃً بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔

غنی کی تواضع فقیر کے سامنے اجر و ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا ہی عمدہ ہے۔ اور اس سے عمدہ ہے فقیر کی خودداری غنی کے سامنے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ بعض عارفین کا قول ہے جب فقیر غنی سے ملتا جلتا ہے تو اس کے وقار و عظمت کو ٹھیس لگتی ہے اور اپنا بھرم کھو بیٹھتا ہے

اور جب ان سے لالچ رکھتا ہے تو اس کی پاکدامنی جاتی رہتی ہے اور جب ان کی صحبت سے تسلی پاتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے۔

ہدیہ دینے والے کا ادب

جس کو ہدیہ دیا جائے اس کی فضیلت نظر سے نہ گرے۔ ہدیہ قبول ہو جائے تو مسرت و خوشی ظاہر کرے ہدیہ وصول کرنے والے کو جب دیکھے تو اس کا شکریہ بجا لائے اور ہدیہ اگرچہ زیادہ ہو لیکن اس کو کم ہی سمجھے۔

فائدہ: حضرت ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ اگر ساری دنیا میرے ہاتھ میں آجائے اور وہ میں کسی مومن بھائی کے منہ میں ڈال دوں تو میں اس کو بہت کم جانونگا بخشش و ہدیہ کا صحیح جذبہ اسی کو کہتے ہیں کہ بہت دے کم سمجھے یہ نہیں کہ کم دے اور بہت سمجھے جس طرح بہت سے بخیل کرتے ہیں۔ ان کے ہدیہ کی بنا نام و نمود پر ہوتی ہے۔ پھر اللہ کے بندے دیگر اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا ان کو خود کو وہ چیز ملی ہے۔ چنانچہ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بھائی کو کھلاتا ہوں تو اس کی مٹھاس میرے حلق میں آتی ہے۔

ہدیہ پانے والے کے آداب

ہدیہ قبول کرکے مسرور ہو اگرچہ کم ہو۔ ہدیہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر ہو جب وہ غیر موجود ہو اور جب حاضر ہو تو خندہ پیشانی

سے اس کے ساتھ پیش آئے۔ اگر قدرت ہو تو ہدیہ کا بدلا ضرور دے اگر ہو سکے تو اس کی تعریف کرے لیکن اگر اس کی معیت میں دین جاتا دیکھے تو اس کا بچاؤ کرے اور اس کے سامنے نہ جھکے۔ اور پھر اس سے کوئی لالچ نہ رکھے۔

بھلائی کرنے کے آداب

سوال سے پہلے بھلائی ہو۔ وعدہ کے وقت خیر رسانی میں بہت عجلت و تیزی ہو۔ بخشش کے وقت لینے والے کا وقار و احترام پورا پورا ہو۔ لینے کے بعد اس کی پردہ پوشی ہو۔ قبولیت پر خود کو احسان کا احساس ہو بھلائی پر ہمیشگی ہو خیر رسانی کا سلسلہ ٹوٹ جانے کا خوف و ڈر ہو۔

روزوں کے آداب

غذا پاکیزہ ہو جھگڑے سے اجتناب ہو غیبت سے پرہیز ہو۔ جھوٹ سے گریز ہو ایذاء رسانی سے ہاتھ کھنچا ہوا ہو۔ اعضائے بدنی کی ارتکاب گناہ سے حفاظت ہو۔

عام لوگوں کا روزہ صرف پیٹ اور شرم گاہ کی حفاظت کا نام ہے لیکن حقیقی روزہ یہ نہیں ہے بلکہ سچ پوچھے تو شریعت کی نظر میں ایسا روزہ روزہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے اور دارمی کی

روایت ہے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کا روزہ رکھنا محض پیاسا رہنا ہے اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کی شب بیداری صرف رات کو جاگنا ہے۔ لہذا وہی روزہ باعث رضامندی خداوندی ہوتا ہے جو شریعت کے بیان کردہ آداب و شروط میں گھرا ہوا ہوتا ہے اور ان سے سرمو خارج نہیں ہوتا۔ روزہ دراصل اس کا نام ہے کہ پیٹ پر غذا کی اور شرمگاہ پر جماع کی پابندی ہو اور اعضائے بدنی ارتکاب گناہ سے محفوظ ہوں۔ مثلاً زبان اپنی ان حرکتوں سے بچی ہو جن سے گناہ لازم آتا ہے یعنی جھوٹ غیبت فحش گوئی بہتان جھگڑے ٹنٹے وغیرہ سے بالکل محفوظ ہو۔ اس پر زیادہ بولنے کی پابندی ہو۔ بلکہ اکثر و بیشتر ذکر میں لگی ہو۔ نظر حرام سے بچی ہو۔ کان حرام بات سننے سے مامون و محفوظ ہوں۔ اسی طرح ہاتھ پیر غلط کاری سے بچیں۔

حج کے آداب

(راستہ کے آداب) خرچ پاک و حلال ہو۔ کرایہ دینے والے پر احسان ہو۔ ساتھیوں کے ساتھ مدد ہو اور راہ میں جو غریب بے زاد و سواری رہ گیا ہو اس پر خرچ ہو۔ اس کے ساتھ خوش خلقی ہو پاکیزہ گفتگو ہو۔ بغیر گناہ کے ظرافت ہو۔ انصاف کی بہت رعایت ہو۔ اسکے دیکھنے پر خوشی و مسرت ہو۔ گفتگو کے وقت اسکی طرف کان لگا ہو۔ جب وہ تنگ دل اور بیقرار ہو تو اسکے ساتھ جھگڑا یا تردید نہ ہو۔ اسکی لغزش سے غفلت اور چشم پوشی ہو۔

اسکی خدمت پر شکر گذاری ہو۔ اور اس کے ساتھ معاملہ ایثار اور مدد کا ہو۔

(احرام کے آداب) بدن کا غسل ہو۔ ہر دو ازار ین پاک ہوں خوشبو لگائے۔ قبولیت کی حلاوت محسوس کرتے ہوئے ہیبت اور بلند آوازی سے تلبیہ کہے۔ حرمت و عظمت کے احساس کے ساتھ طواف کرے۔ رضامندی الٰہی کی خواہش کے ساتھ سعی کرے۔ قیامت کا منظر سامنے رکھتے ہوئے وقوف کرے رحمت خداوندی کی امید رکھتے ہوئے مشعر حرام پر حاضری دے۔ عذاب سے نجات کی آرزو رکھتے ہوئے سر منڈائے۔ کفارۂ گناہ کی امید کے ساتھ قربانی کرے۔ ایک اطاعت کے خیال و دھیان کے ساتھ رمی جمار کرے۔ مشاہدہ سرور کے ساتھ طواف زیارت کرے پھر حقیقی افسوس کے ساتھ اور دوبارہ واپسی کی آرزو رکھتے ہوئے واپس ہو جائے۔

(مکہ شریف میں داخلہ کے آداب) تعظیم و تکریم کے ساتھ حرم میں داخل ہو۔ ایک حسرت و یاس کے ساتھ مکہ معظمہ پر نظر ڈالے۔ مسجد کی فضیلت و برتری کا دھیان رکھتے ہوئے اس کو دیکھے۔ تکبیر و تہلیل کے ساتھ بیت اللہ شریف پر نگاہ ہو۔ طواف کی پابندی ہو۔ عمرہ کی ادائیگی ہو۔ عظمت و حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے بیت اللہ میں داخلہ ہو۔ اندر جانے پر توبہ کی کثرت ہو۔

(مدینہ طیبہ میں داخلہ کے آداب) وقار و سکون کے ساتھ مدینہ پاک میں داخل ہو اور دھیان ہو کہ شریعت مصطفوی کا سرچشمہ

یہی مقام مقدس ہے۔ اور اس کا اصلی بلند مقام نظر میں ہو۔ پھر مسجد نبوی میں حاضری دے اور منبر شریف کے پاس پہنچے اور تصور یہ ہو کہ گویا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا فرماتے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہا ہے۔ پھر مزار شریف کے پاس حاضر ہو اور دھیان ہو کہ گویا جسم اطہر پر اس کی نگاہ ہے اور آپ کا خطاب وہ سن رہا ہے۔ اور آواز بہت پست کر دے یہ سوچکر کہ گویا وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہے آپکی نشست کو وہ دیکھ رہا ہے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ سلام پیش کرے پھر آپ کے ہم پہلو دوستوں کو اور ہر دو بزرگوں کو آنجناب نے جنسے محبت تھی اس کو بھی تصور میں لائے۔ اور اس وقت کا تصور کرے جبکہ آنجناب ان دونوں بزرگوں کے بیچ میں چلتے ہوتے اور کبھی سامنے سے انکی طرف آتے ہوتے۔ اور جب قبر شریف کو چھوڑے تو اس کو پیٹھ دیکر واپس نہ ہو۔

فائدہ: حج ایک بڑی باعظمت وحرمت اور برگزیدہ عبادت ہے۔ اگر یہ عبادت درجہ قبولیت کو پہنچ جائے تو انسان گناہوں سے ایسا پاک ہو کر واپس ہوتا ہے جیسا کہ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا جو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے لیکن ارکان حج کی ادائیگی کے آداب ہیں جن کی رعایت دوران حج میں لازمی ہے اوّل تو یہ حقیقت ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ عبادات سے زیادہ تر دل کی صفائی اور پاکیزگی مقصود ہے اور دل جب اثر پذیر ہوتا ہے کہ بوقت عبادت اس کا حضور ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی صفات برگزیدہ اور

اپنی حقیر ذات کا تصور لاکر دل میں ایک قسم کی رقت پیدا کی جائے۔
آخرت کا تصور ہو، عذاب و ثواب کا منظر سامنے ہو، خدا تعالیٰ کے فضل و
کرم سے اُمید بھی ہو اور اس کے بے پناہ عذاب سے ڈر و خوف بھی ہو
لہذا تمام مناسک حج میں اسی قسم کے تصورات کا وجود لازمی ہے۔
مثلاً تلبیہ کہتے وقت عاجزانہ حاضری کے یہ الفاظ لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ
زبان پر ہوں اور دل میں یہ دھیان ہو کہ یہ الفاظ دراصل پیغام الٰہی وَاَذِّنْ
فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ کا جواب ہیں کیا پتہ اللہ تعالیٰ حاضری کو ناپسند فرما کر
جواب میں فرمائے لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ بس اسی خوف کو دل میں
رکھکر تلبیہ کہے۔

حضرت سفیان بن عینیہؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی بن حسینؓ نے جب
حج کا ارادہ فرمایا اور احرام باندھ کر سواری پر بیٹھے تو چہرہ کا رنگ زرد
پڑ گیا بدن کانپنے لگا اور تلبیہ نہ کہہ سکے۔ پوچھا گیا حضرت ایسی کیفیت کیوں
ہو گئی فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میرے تلبیہ کے جواب میں یہ نہ کہدیا جائے
لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ۔ چنانچہ جب تلبیہ کہا تو غش کھا کر سواری سے
گر پڑے طواف کے وقت یہ تصور ہو کہ فرشتے جس طرح عرش کے ارد گرد
طواف کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے پھر طواف
جسمانی سے نظر ہٹا کر طواف قلبی کا تصور باندھے اور خیال کرے کہ
اس کا دل ذکر الٰہی کا طواف کر رہا ہے یعنی ذکر کی ابتدا بھی اللہ ہی سے
ہے اور انتہا بھی اُسی پر جس طرح طواف کی ابتدا بھی بیت اللہ سے ہوتی

ہے اور انتہا بھی اُسی پر۔

عرفات میں وقوف ہو تو قیامت کا منظر سامنے ہو۔ جہاں ساری دُنیا اکٹھی ہو گی۔ بے چینی اور پریشانی ہو گی شفیع کی تلاش ہو گی۔ اللہ کی ذات اقدس سے کبھی اُمید بندھتی ہو گی کبھی ٹوٹتی ہو گی۔ عجیب حیرت کا مقام ہو گا۔ ایک دہشت کا منظر ہو گا۔ پس اس نقشہ کو دل میں جمائے اور خدا تعالیٰ سے اُمید لگائے کہ وہ اس ہولناکی میں اپنی رحمت واسعہ سے بیڑا پار کر دے اور ڈوبتے کو بچا دے غرض عرفات میں مغفرت گناہ کی اُمید رکھے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ عرفات کے میدان میں حاضر ہو کر بھی خیال کرے کہ اس کے گناہ نہیں بخشے گئے۔

سعی بین الصفا والمروہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی اُمید ہو اور سوچے کہ اسی اُمید میں یہ بار بار دوڑ رہا ہے اور خوشنودی الٰہی کے لئے بے چین و مضطرب بے کل و بے قرار ہے۔

رمی جمار کے وقت دھیان ہو کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نقل کر رہا ہے۔ جس طرح آپ نے کنکریاں مار کر شیطان کو اپنے سے دور کیا تھا جو آپ کے حج میں شبہات پیدا کرنا چاہتا تھا اسی طرح یہ بھی اس عمل سے شیطان کو خود سے دور کر رہا ہے۔ یہ خیال کرے کہ گویا شیطان کے چہرہ پر کنکریاں مار رہا ہے۔

قربانی کے وقت سوچے کہ وہ اس قربانی سے قرب الٰہی حاصل کر رہا ہے۔ اُمید رکھے کہ قربانی کے ایک ایک جزو سے اس کا ایک

ایک جزو دوزخ کی آگ سے نجات پاوے گا۔

مدینہ طیبہ پر نظر پڑے تو خیال کرے کہ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی مبارک کا آخری حصہ گذارا۔ جو دین کا مرکز رہا۔ مذہب کا سرچشمہ بنا۔ اسی شہر کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ یہیں آپ نے دشمنوں سے جہاد کیا۔ دشمنان خدا و رسول کو زیر خاک کیا۔ یہیں آپ کا مزار شریف ہے اور یہیں آپ کے دونوں برگزیدہ نائبین پہلو میں سو رہے ہیں۔

یہ بھی دھیان کرے کہ یہ وہ زمین ہے جہاں حضور اقدسؐ کے قدم مبارک پڑ چکے ہیں۔ جہاں آپ چلے ہیں پھرے ہیں رہے ہیں بسے ہیں اسلئے بہت خشوع اور فروتنی کے ساتھ اس مبارک سرزمین پر اپنے قدم رکھے آواز بلند نہ کرے حسرت کرے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں دیدار نہ کرسکا آخرت میں اس کی امید رکھے۔

حضرت ابو سلیمانؒ سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا جب حضرت اویس قرنیؓ مدینہ پاک میں پہنچے اور مسجد نبوی کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو لوگوں نے مزار شریف کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف یہ ہے آپ یہ الفاظ سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ غرض تمام مناسک حج میں اسی قسم کے تصورات باندھے اور جسم سے نظر ہٹا کر روح پر نظر رکھے اور دنیا پر سے نگاہ اٹھا کر آخرت پر نگاہ لگائے اور ہر ایک عمل کو عبرت و نصیحت کی نگاہ سے دیکھے اور ہر ایک سے ایک مقصد نکالے۔

تاجر کے آداب

تاجر مسلمانوں کے راستہ میں بیٹھ کر ان کے راستہ کو تنگ نہ کرے۔ ہوشیار غلام سے کام لے جو نہ کم ناپے نہ کم تولے اور اس کو جھکتا تولنے کی اجازت دے۔ اور ترازو سے جلد بازی کے ساتھ تولنے سے روکے اس کی ترازو وزن کرنے میں ایسی سچی ہو جیسے کہ روپے تولنے کا کانٹا گویا سچائی میں ایک معیار اور پیمانہ ہو۔ اس کی تاڑیاں لمبی لمبی ہوں اور باریک ہوں بڑے باٹ اور تولہ ماشہ سب جانچے تولے اور بالکل سچے ہوں۔ ہر روز ترازو جھاڑ پھونک کر رکھے اور باٹوں کی کمی وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ کارندہ غلام کو حکم دے کہ تیل ذرا تسلی سے ناپے جب کوئی شریف آئے تو اس کی عزت و اکرام کو نہ بھلائے اور اگر پڑوسی آئے تو اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اگر کمزور آئے تو اس پر ترس کھائے۔ اگر ان موصوفین کے علاوہ کوئی ہو تو انصاف سے کسی کو نہ بھولے۔ چیزوں کو ان کے بھاؤ کے مطابق بیچے بھاؤ اگر کم کر دے گا نقصان بڑھ جائے گا بھاؤ اگر بڑھا دیگا نقصان گھٹ جائے گا۔ نشست میں اپنی ہمت کو درس قرآن پر لگائے نظر کو نامحرموں اور امردوں سے بچائے۔ کسی سائل کو رد نہ کرے بخشش کسی انسان سے نہ روکے اگر تجارت کا خود ہی مالک ہو تو جو غلام کی ذمہ داریاں اور فرائض ہیں وہ اس کے بالا والی ہیں۔ اور چھوٹے

بڑے باٹ اور پیمانے معتبر اور قابل بھروسہ اشخاص سے خریدے بیچتے وقت سامان تجارت کی تعریف نہ کرے اور اسی طرح اس کو خریدتے وقت اس کی برائی نہ کرے۔ خبر دینے میں سچائی کو اپنا شعار بنائے۔ نیلام میں فحش گفتگو سے ڈرے بات چیت و گفتگو میں جھوٹ اور دروغگوئی سے اجتناب کرے۔ بازاریوں سے بات چیت میں زیادہ نہ گھلے۔ نوعمروں سے ہنسی نماق نہ کرے جھگڑوں میں دخل کم دے۔

فائدہ۔ تجارت ذرائع معاش میں بہت عمدہ بابرکت دھندہ ہے بڑے بڑے بزرگوں نے تجارت ہی سے روزی کمائی ہے اور اسی کے ذریعہ اپنی شکم پری کی ہے خود ہمارے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز زندگی میں تجارت کی۔ بہرحال یہ پیشہ مسنون بھی ہے اور مستحسن بھی ہے اور نفع بخش بھی ہے۔ مگر یہ دھندہ جس قدر عمدہ ہے اسی قدر پرخطر بھی ہے۔ اس میں قدم قدم پر لغزش ہے لمحہ لمحہ میں شیطانی وسوسہ ہے۔ بھٹکنے کے سینکڑوں راستے ہیں بھٹکنے کے بہت سے مرحلے ہیں اس پیشہ میں دوزخ بھی قریب ہے اور جنت بھی قریب انسان یا تو شیطان کے ہاتھوں بکتا ہے یا اللہ کا خالص بندہ بنتا ہے۔ غرض تاجر کو بڑے پرخطر منازل و مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ ان میں سے سلامتی سے گذر گیا تو اس کی دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی سدھرتی ہے۔ سب سے پہلے تجارت میں تولنے اور ناپنے میں قدم لغزش کھاتا ہے لیکن کمزور ایمان والوں کے لئے یہ پہلا زینہ ہے جہاں شیطان ان کو پچھاڑ لیتا ہے یہ

لالچ آتی ہے کہ کم تولو کم ناپو نفع دگنا چوگنا اٹھاؤ۔ خوب کھاؤ خوب لوٹو۔ دنیا بناؤ مزے اڑاؤ۔ یہاں کی بناؤ وہاں کی چھوڑو۔ اس غلط عمل کی روک تھام نہایت سختی سے قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ طرح طرح کے پہلوؤں سے اس بدعملی کا انسداد کرنا چاہا ہے۔ مختلف پیرایوں سے اس خلاف انسانیت حرکت کی جڑ کاٹی ہے۔ کہیں فرمایا وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ۔ یعنی خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ناپ کریں لوگوں سے تو پورا بھرلیں اور جب ناپ کردیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کردیں۔

ایک جگہ یوں فرمایا وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو۔ نیز حضرت شعیب علیہ السلام کی امت بھی اسی بدکرداری میں مبتلا تھی۔ اور اس کی ایسی خوگر ہوگئی تھی کہ کسی قیمت پر اس کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔

چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب پیغام رسالت امت کو پہنچایا تو ساتھ ساتھ اس فعل بد پر ان کو متنبہ کیا سخت عذاب الٰہی سے ان کو ڈرایا مگر ان کو نہ ڈرنا تھا نہ ڈرے آخر اسی ایک عیب نے ان کو ہلاکی کے گھاٹ اتارا بربادی کا شکار بنایا۔ پس اس بدعملی سے بچنے کی بہترین ترکیب یہی ہے کہ ترازو کو ٹھیک رکھا جائے اس کی ڈنڈی اسکی تاڑیوں اور اس کے پلڑوں میں سرمو فرق نہ ہونے پائے۔ باٹ

بیچے ہوں نہ گھٹے ہوئے ہوں نہ بڑھے ہوئے۔ تولتے وقت احتیاط پیش نظر رہے۔ انصاف مد نظر ہو ڈنڈی نہ اونچی ہو نہ نیچی، بلکہ برابر ہو محتاط بزرگوں نے احتیاط کی ایک صورت نکالی ہے اور وہ یہ کہ انسان لیتے وقت کم رہے دیتے وقت جھکتا دے تو ناانصافی کبھی نہیں ہو گی۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ ہم ایک دانہ کی وجہ سے وَیل (خرابی یا عذاب) نہیں خریدتے اور آسمانوں اور زمین کے برابر جنت کو نہیں بیچتے اور اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی چیز خرید فرمائی اور اس کی قیمت تولی جانے لگی تو آپ نے ہدایت فرمائی "زِنْ وَارْجِحْ" کہ تولو اور کچھ جھکتا ہی دو۔

حضرت فضیل نے ایک بار اپنے صاحبزادہ کو ایک دینار رگڑتے ہوئے اور اس کا میل چھڑاتے ہوئے دیکھا اس خوف سے کہ کہیں میل کی وجہ سے اس کا وزن نہ بڑھ جائے تو آپ نے صاحبزادہ کی اسی دینی احتیاط کو دیکھ کر فرمایا صاحبزادہ تمہارا یہ فعل دو حجوں اور بیس عمروں سے زیادہ افضل ہے۔

ناپ کر دینے لینے میں بھی اس ظلم کی بڑی گنجائش ہے۔ کپڑا بیچنے والے اس بیماری میں بہت مبتلا ہیں یہ بھی اسی وعید کے تحت آتے ہیں کہ ان کے لئے بھی وَیل ہے۔ کپڑا جب لیتے ہیں تو کپڑے کو گز پر ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اور جب دیتے ہیں تو اس کو تان دیتے ہیں اور اس طرح گویا چند انگل کپڑے کے عوض دو زخ خریدتے اور

آسمانوں اور زمین کے برابر جنت ہاتھ سے دیتے ہیں۔ صد افسوس ہے ان کی سمجھ پر کہ دنیا کا سودا بناتے ہیں اور آخرت کا سودا بگاڑتے ہیں یہیں کی سوچتے ہیں وہاں کی بھولتے ہیں۔ ایسے ہی غیر محتاط تاجروں کے بارے میں حدیث پاک میں وارد ہے اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ ہ کہ قیامت کے دن تاجروں کا حشر فاجروں کے ساتھ ہوگا مگر وہ تاجر جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی نیکی کی اور سچائی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑا نیز جھوٹ اور غلط بیانی سے تاجر کا کام لینا سخت مذموم ہے۔ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ چیز کی جھوٹی سچی تعریف کر کے پیسے سیدھے کرے جائیں حقیقت پر پردہ ڈالا جائے واقعیت کو راز میں رکھا جائے۔ اس طرح دھوکا دھڑی سے جو پیسے انسان کماتا ہے وہ حرام ہوتے ہیں اور یہ حرکت انسانیت و شرافت سے گری ہوئی ہے گاہک غریب بیچارہ جھوٹ کا شکار ہوتا ہے اور چیز کو گھر لیجا کر سر پکڑ کر روتا ہے اور تاجر کو بددعا دیتا ہے۔

بزرگان دین نے تجارت کے سلسلہ میں اس پہلو پر بڑی فہمائش کی ہے اور خود بھی بڑی احتیاط برتی ہے۔

حضرت ابن سیرینؒ نے ایک بکری فروخت کی تو خریدار سے صاف اور کھلے الفاظ میں فرمادیا کہ اس بکری میں یہ عیب ہے کہ یہ چارہ کھاتے وقت چارہ کو پاؤں مار کر گرادیتی ہے۔ حضرت حسن بن صالحؒ نے ایک

چھوکری بیچی تو اس کا عیب کھول دیا۔ اسی طرح بعض تاجر بھاؤ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں کیا ہوتا ہے اور کیا بتا دیتے ہیں اور دھوکے سے گاہک کے سر چیز چپیک دیتے ہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی تجارت کو کئی ناموں سے حرام ٹھہرایا ہے۔ مثلاً تلقی الرکبان کی صورت کو حرام بتایا ہے وہ یہ کہ شہری آدمی آگے بڑھ کر دیہاتی سے بھاؤ میں یہ دھوکا دیکر چیز خرید لے کہ شہر میں یہ چیز اس بھاؤ میں بک رہی ہے۔ وہ غریب چیز فروخت کر کے جب شہر میں آئے تو بھاؤ اس کے خلاف نکلے اور جھوٹے کی پول کھل جائے۔ بلکہ ایسے موقع پر بیع کو واپس کر لینے کا بائع کو اختیار دیا گیا ہے۔ یا مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "نجش" سے روکا ہے اس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی بائع کے میل کا آکر چیز کا بہت ہی بڑھا کر بھاؤ لگاتا ہے اور اس کو خود لینا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کسی گاہک کو اکسانا ہوتا ہے کہ وہ اس لالچ میں آجائے کہ جب یہ شخص اس قدر قیمت اس کی لگا رہا ہے تو یہ چیز ضرور قیمتی ہوگی۔ لہذا یہ اجنبی شخص دوسرے گاہک کو دھوکے میں ڈال دینے کے لئے یہ عمل کرتا ہے۔ یہ دھوکے کی تجارت بھی ناجائز ہے۔

صراف کے آداب

صحت کا بہت ہی لحاظ رکھے۔ امانت ادا کرے۔ سودی لین دین سے سخت پرہیز کرے۔ ادھار سُدھار سے بچے۔ کھوٹے کو نہ چلائے

وزن پورا رکھے۔ روپیہ پیسہ میں کھوٹ اور جال سازی نہ کرے۔ ان شے کے اندازہ کا بہت لحاظ رکھے۔ باٹوں اور وزنوں کی کمی سے بہت خوف زدہ رہے۔

فائدہ۔ کھوٹا جعلی سکہ چلانے کی بڑی بُری حرکت ہے۔ بعض کو یہ چسکہ پڑ جاتا ہے کہ کھوٹے پیسے چلا کر اپنا کام چلاتے ہیں وہ سکہ نہیں چلاتے بلکہ گناہ کا ایک سلسلہ چلاتے ہیں اور سب کے گناہ میں حصّہ بٹاتے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا تو بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا جو گناہ ہوگا اسی قدر گناہ اس کے ذمہ لگایا جائے گا اور دیگر گناہگاروں کا گناہ بدستور اُن پر رہے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ایک کھوٹے درہم کو چلانا اور سو درہم چُرا لینا گناہ میں برابر ہیں کیونکہ چوری ایک گناہ ہے جس کا ارتکاب ایک بار ہوگیا اور ختم ہوا مگر کھوٹے سکہ کو چلانا تو ایک ایسی بدعت اور طریقہ کی بنیاد ڈالنا ہے جو نہ معلوم کتنے سالوں چلے۔ بلکہ جب تک کھوٹے سکہ کا وجود رہے گا اس وقت تک اس کا گناہ سمٹ سمٹ کر اس بد طریقہ کے موجد کی طرف لوٹتا رہے گا۔ اسلئے کہتے ہیں کہ مبارک ہے وہ گناہگار آدمی جو مر جاتا ہے اور اس کے گناہوں کا خاتمہ بھی اسی کے ساتھ ہو جاتا ہے لیکن بہت ہی قسمت کھوٹا ہے وہ جو مر جاتا ہے لیکن اس کے گناہ نہیں مرتے اور ختم نہیں ہوتے بلکہ صدیوں چلتے ہیں۔ یہ وہی شخص ہے جو بد راستہ کو کھول جاتا ہے

فرمان خداوندی ہے وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ کہ ہم اُن کے اُن عملوں کو لکھتے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجے اور اُن کے نشانات اعمال کو بھی یعنی اُن بدعات کو بھی جو انہوں نے جاری کیں اور دُنیا میں ان کو رواج دیدیا۔ یا انھوں نے اچھے طریقے رائج کئے اور وہ دُنیا میں پھیلا دیئے تو وہ بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا کھوٹا سکہ چلانے کی حرکت بہت بُری ہے۔ اگر کوئی سکہ کھوٹا بھولے بھٹکے ہاتھ میں آجائے تو لینے والے کو اس کے کھوٹ سے مطلع کر دے اور اس کو منع بھی کر دے کہ وہ اس کو کھرا بنا کر نہ چلائے اگر اس کے ایمان پر اعتماد نہ ہو تو اس کے سپرد نہ کرے ورنہ گناہگار ہوگا۔ مثلاً جیسے کوئی انگور ایسے شخص کو بیچے جو اس کی شراب کھینچے تو یہ بیع حرام ہوگی۔ تجارت میں ایسی احتیاطوں کا برتنا نفل عبادات سے زیادہ بہتر و افضل ہے۔ چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْمُتَعَبِّدِ کہ سچا تاجر اللہ کے نزدیک عبادت گذار سے افضل ہے۔

زرگر اور سنار کے آداب

نصیحت کو کام میں لائے اور عمدگی کے لئے خوب کوشش کرے ٹال مٹول اور حیلے حوالے کا عادی نہ بنے۔ وعدہ کو پورا کرے اُجرت میں زیادتی اور تعدی کو چھوڑ دے۔

فائدہ: زرگر کا پیشہ بھی دینی قباحتوں کا گھر ہے۔ اس پیشہ میں شیطان مختلف

برائیوں سے بہکاتا ہے۔ اور انسان کی روزی کو حرام بناتا ہے۔ پہلے تو زرگر فرمائش کو پورا کرنے میں کوتاہی اور قصور برتتا ہے۔ اور حیلہ بہانہ کا کام کرکے پیسے سیدھے کرتا ہے۔ باتیں بنا کر جیب گرم کرتا ہے۔ ہاتھ ہلانے کے بجائے زبان زیادہ چلاتا ہے۔ کام اچھا کرنا نہیں چاہتا بلکہ گاہک کو کسی صورت سے تسلی دینا چاہتا ہے۔ ایسی حرکت بہت ہی ناشائستہ اور نازیبا ہے۔ اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر روزی کماتا ہے۔ نیز زرگروں کی ڈھیل اور ٹال مٹول ضرب المثل ہے۔ یہ کام سیکھنے سے زیادہ جھوٹ بولنا سیکھتے ہیں یہ کام کی مہارت کو مہارت نہیں جانتے بلکہ نئے نئے ڈھب سے جھوٹ بولنا مہارت سمجھتے ہیں اور اس کو ایک مستقل پیشہ بنا لیتے ہیں۔ اسلئے ان کی وعدہ خلافی کا دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے۔ اور یہ اس بدعادت میں شہرہ آفاق ہیں پھر اجرت میں بھی گاہک کو خوب لوٹتے کھسوٹتے ہیں بھاری مزدوری لیتے ہیں اور خوب پیسے بناتے ہیں۔

بعض تابعین حضرات نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ دیکھو اپنے بیٹے کو دو قسم کی تجارتوں میں اور دو قسم کی صنعتوں میں نہ لگانا۔ تجارت کھانا بیچنے کی اور کفن فروخت کرنے کی کیونکہ اول تجارت میں انسان مہنگائی کی دعائیں مانگتا ہے اور دوسری میں لوگوں کی موت کی اور صنعتوں میں پہلی صنعت قصائی کی ہے کہ قصائی سخت دل ہوجاتا ہے دوسری صنعت زرگری کی ہے کیونکہ زرگر دنیا کو سونے چاندی کی آرائش اور زینتوں سے مزین کرتا رہتا ہے۔

کھانے کے آداب

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے۔ کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھے۔ سیدھے ہاتھ سے کھائے اور اپنے سامنے کے رُخ سے کھائے۔ چھوٹے چھوٹے لقمے لے۔ اور خوب چبا کر نگلے۔ کھاتے وقت حاضرین کے چہروں کو زیادہ نہ دیکھے۔ ٹیک لگا کر نہ کھائے۔ پیٹ بھرنے کے بعد بھی نہ کھاتا رہے۔ اور اشتہا سے زیادہ نہ کھائے۔ جب پیٹ بھر جائے تو عذر کر کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تاکہ مہمان اور اس شخص کو شرمندگی نہ ہو جس کو ابھی کھانے کی اور اشتہا باقی ہے۔ پیالہ کے اطراف و جوانب سے کھائے اس کے بیچ کی چوٹی سے نہ کھائے جب کھانے سے فارغ ہو تو انگلیاں چاٹے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ کھانے کے دوران میں موت کا ذکر نہ کرے تاکہ حاضرِ مجلس کی طبیعتوں میں بدمزگی نہ پیدا ہو۔

فائدہ۔ ہاتھوں کا کام ہر چیز کو پکڑنے کا ٹھہرا۔ جب ہاتھ ہر چیز کو چھوتے ہیں تو لامحالہ ان پر میل کچیل کا لگنا بھی ایک ضروری امر ہوا لہٰذا ہاتھوں کو کھانے سے پہلے دھو لینا مناسب قرار پایا تاکہ پاک صاف ہاتھوں سے کھانا کھایا جائے۔ نیز عبادات میں تقویت حاصل کرنے کے لئے کھانا کھانا خود ایک عبادت ہے اور ہر عبادت سے پہلے صفائی اور پاکیزگی لازمی ہے یوں بھی ہاتھوں کی صفائی ضروری ٹھہری۔

حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بَرَکَۃُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ ۔ کہ کھانے کی برکت کھانے سے آگے پیچھے ہاتھوں کے دھونے اور کلی کرنے میں ہے۔ (ترمذی)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کھانے کے آگے پیچھے ہاتھ دھونے سے فقر دور ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ کھانے سے پہلے اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو شیطان اس کھانے میں شریف ہوجاتا ہے۔ آنجنابؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھاؤ کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے یہ بھی آپ کا فرمان ہے کُلُوا مِنْ جَوَانِبِہَا وَلَا تَاکُلُوا مِنْ وَسْطِہَا فَاِنَّ الْبَرَکَۃَ تَنْزِلُ فِیْ وَسْطِہَا ۔ کہ پیالہ کے اطراف سے کھاؤ بیچ میں سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت بیچ کھانے میں اترتی ہے۔

پینے کے آداب

پانی پینے سے پہلے اس کو دیکھ لے۔ پینے سے پہلے اللہ کا نام لے اور بعد میں حمد وثنائے الٰہی کرے۔ جو شکر پیئے۔ ڈگڈگا کے نہ پیئے۔ پیتے وقت تین سانس لے ہر بار پہلے بسم اللہ اور بعد میں الحمد للہ کہے۔ کھڑے ہوکر پانی نہ پیئے۔ اگر دوسرا شخص ساتھ میں ہو تو سیدھے ہاتھ والے کو پانی پہلے دے۔

فائدہ:۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَنْ یَّتَنَفَّسَ فِی الْاِنَاءِ اَوْ یُنْفَخَ فِیْہِ ہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی پینے کے برتن میں سانس لے یا اُس میں پھونکے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ سے ہی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ایک بار گی اونٹ کی طرح پانی نہ پی جاؤ بلکہ دو تین بار پانی پیو جب برتن منہ سے ہٹاؤ الحمد للہ کہو جب منہ سے لگاؤ بسم اللہ کہو۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنجناب کے پاس دودھ پیش ہوا آپ کی الٹی جانب حضرت ابوبکرؓ تھے اور سیدھی طرف ایک دیہاتی آپ نے کچھ دودھ نوش جان فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ بچا ہوا دودھ حضرت ابوبکرؓ کو دیا جائے مگر آپ نے اعرابی کو دیا اور فرمایا اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ ہ دایاں مقدم ہے اور پھر دایاں۔

اُس وقت کے آداب جبکہ کوئی نکاح کرنے کا ارادہ کرے

نکاح کے لئے عورت میں جمال اور مال سے زیادہ اور پہلے دین کی تلاش کرے۔ اور شرط کسی کام پر نہ لگائے نہ اس کا خیال کرے کسی مومن بھائی کے پیغام پر پیغام نہ پہنچائے نہ اپنی ملک اور ولیمہ وغیرہ کی تقریبوں میں ایسی حرکت کا ارتکاب کرے جو اس کو اپنے پروردگار سے دور کرے یا اس کی عزت و آبرو پر بٹہ لگائے۔

اور تنہائی کی مجلسیں ایسی جگہ نہ کرے جہاں اس کی بیوی پر کسی کی نظر پڑ سکے۔ نہ اپنے گھر والوں کے روبرو نہ عورت کے گھر والوں کے روبرو اس کے نزدیک آئے جب تنہا ہو تو سوال سے اپنے گفتگو کا آغاز کرے۔ اور ایسے شخص کو سفیر بنا کر نہ چھوڑے جو جھوٹا ہو اور نہ ایسے مخبر کو پکڑے جو چغل خور ہو بلکہ کوئی عورت کا خاص قریبی ہو اس سے اس کی دینداری کا پتہ لگائے اور معلوم کرے کہ وہ نماز پابندی سے ادا کرتی ہے یا نہیں روزے رکھنے میں چست ہے یا سست۔ غیرت کا مادہ رکھتی ہے یا نہیں پاکیزگی سے متصف ہے یا نہیں وہ خوش کلام ہے یا بد کلام گھر میں رہنے کی عادی ہے یا نہیں۔ نیز اس کا بھی پتہ چلائے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اس کا کیسا رویہ اور برتاؤ ہے نکاح سے پہلے شرافت سے اس پر نظر ڈالے اور بعد نکاح اچھا کلام اس تک پہنچائے۔ ساتھ ساتھ عورت کے والد کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائے۔ اس کی دینداری کا پتہ چلائے۔ اور اسکی والدہ کے حالات اور اس کی دینداری اور اس کے اعمال وافعال کا بھی سراغ لگائے۔

فائدہ:۔ شادی سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے شادی انسان کی زندگی میں اس عظیم الشان انقلاب کا نام ہے جس سے انسان بالکل نئے اچھوتے راستہ پر قدم رکھتا ہے۔ اجنبی حالات سے دوچار ہوتا ہے۔

ایک نیا مونس ملتا ہے ایک جدید غمخوار دستیاب ہوتا ہے۔ ایک ایسے رفیق حیات کا ساتھ نصیب ہوتا ہے کہ اگر اس کا انتخاب صحیح رہا تو گویا دنیاوی راحت و فرحت آرام و آسائش کا دروازہ کھلا۔ یہ آلام سے بھری دنیا تا حیات راحت کدہ بن گئی۔ یہ تلخیوں سے پُر عالم فرحتوں کا گھر ہو گیا۔ اور اگر انتخاب غلط رہا تو یوں سمجھئے کہ یہ دنیا جیتے جی دوزخ ہو گئی مرنے سے پہلے موت آگئی۔ یہ شادی نہ ہوئی سب سے بڑی غمی ہوئی یہ زندگی کا سکھ نہ ہوا سب سے بڑا دکھ ہوا۔ شادی کی اسی نزاکت کے پیش نظر دین کا بھی حکم ہے اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ منگنی کرتے وقت منگیتر کا انتخاب صحیح ہو اور اس کے صفات و حالات کی خوب جانچ پڑتال کر لی جائے۔ سارے معاملات کو ٹھوک بجا کر دیکھ لیا جائے عورت میں بڑی صفات یہی دیکھی جاتی ہیں کہ مالدار ہو حسن و جمال رکھتی ہو اور دیندار بھی ہو ان میں مذہب کا تقاضا ہے کہ دینداری کی تلاش حسن و جمال اور مالداری سے زائد ہو۔ اس کو دوسری صفات پر ترجیح دیجائے طبرانی میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے جس نے عورت کی عزت دیکھ کر شادی کی اس نے بحکم الٰہی بے عزتی کا منہ دیکھا جس نے اس کا مال دیکھ کر اس سے عقد کیا اس کو بحکم خداوندی فقر کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جس نے اس کے حسب و نسب کا لحاظ رکھ کر اس سے نکاح کیا اس کو منشاء الٰہی کمینگی سے واسطہ پڑا اور جس نے عورت سے صرف یہ غرض پیش نظر رکھی کہ اس سے عقد سے اس میں پاکدامنی آجائے

عفت پیدا ہو جائے نظر نیچی رہنے لگے شرم گاہ کی حفاظت ہو جائے اور تقاضائے طبیعت پورا ہو تو اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنی عورت کے لئے باعث برکت بنایا اور عورت کو اس کے لئے سبب برکت بنایا۔

ایک حدیث میں اس طرح بھی ہے کہ جس نے مال و حسن دیکھ کر نکاح کیا وہ دونوں سے محروم ہوا اور جس نے دین داری دیکھ کر نکاح کیا اس کو مال اور جمال دونوں چیزیں ملیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ دینداری اگر نہیں تو مال اور جمال خوشگوار سنگت کو بگاڑیں گے۔ پیسے کے گھمنڈ میں وہ شوہر سے کبھی دب کر نہیں رہیگی۔ اس کے زیر فرمان نہیں چلے گی اپنے کو اونچا اور شوہر کو نیچا جانے گی تو پھر نبھاؤ کیسے ہوگا۔ چند دنوں میں اتحاد پارہ پارہ ہوگا اتفاق کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسی طرح اگر جمال ہوگا مگر دینداری کا دیوالیہ نکلا ہوگا تو جمال عورت کی عفت و پاکدامنی کو لے اُڑے گا۔ سب طرف سے ریشہ دوانیاں ہوں گی اور بد دینی کی وجہ سے سب پر لبیک ہوگی اور آگے بڑھ کر استقبال ہوگا۔ لہٰذا ان دونوں نحصوں سے اگر جان چھوٹ سکتی ہے تو دینداری سے۔ اسلئے شریعت نے دینداری کو ساری صفات پر ترجیح دی ہے۔ اور اس کی تلاش پہلے ضروری بتائی ہے۔ دینداری کے دو پہلو خاص طور سے قابل غور ہیں ایک یہ کہ عبادات و طاعات پر پختگی سے کاربند ہو دوسرے اخلاق و کردار شرم و غیرت میں باکمال ہو۔

عورت کے آداب جبکہ اس کے لئے کوئی پیغام بھیجے

عورت اپنے گھر والوں میں ایسے سچے اور قابل بھروسہ آدمی کو پیغام بھیجنے والے کے حالات معلوم کرنے کے لئے چھوڑ دے جو اس کے دین و مذہب اعتقاد و مروت کا خوب پتہ لگائے۔ دیکھے کہ وہ اپنے وعدوں میں سچا ہوتا ہے یا جھوٹا اس کے عزیز و اقارب اور گھر والے خوش کردار ہیں یا بدکردار وہ نمازوں اور خاص طور سے جماعتوں کا پابند ہے یا نہیں اپنی تجارت یا اپنے پیشہ میں کیسا ہے۔ اور چاہیئے کہ عورت کی توجہ مرد کے دین کی طرف ہو نہ اس کے مال کی طرف اس کی سیرت و خلق کی طرف ہو نہ اس کی شہرت و ناموری کی طرف۔ اگر ان ہیں سب میں وہ ٹھیک ہے تو اس کی معیت کو صبر کے ساتھ گوارا کرے۔ اور اس کے احکام و مطالبات کے سامنے سر جھکا دے کیونکہ یہ صورت الفت و محبت کی بنیاد قائم کرے گی اور دونوں کو محبت کے ایک نہ ٹوٹنے والے بندھن میں باندھ دیگی۔

صحبت و مباشرت کے آداب

عمدہ خوشبو ہو بات پیاری اور محبت و پیار کا اظہار ہو۔ بوس و کنار ہو محبت کا التزام ہو۔ پھر بسم اللہ پڑھے شرم گاہ کو نہ دیکھے کیونکہ یہ عمل بینائی میں فرق لاتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ قبلہ کا رخ نہ ہو۔

مرد کے آداب اپنی بیوی کے ساتھ

برتاؤ اور میل جول اچھا ہو بات چیت پیاری اور محبت بھری ہو
محبت کا اظہار ہو۔ خلوت و تنہائی میں فراخی ہو۔ لغزش سے چشم پوشی
ہو قصور سے درگذر ہو۔ بیوی کی عزت و حرمت کا پاس ہو اس سے
لڑائی جھگڑا بہت کم ہو۔ نان نفقہ فراخ دلی سے اس پر خرچ کیا جائے
اس کے اعزا اور اقارب کا اکرام و احترام ہو اس کے ساتھ وعدہ
ہمیشہ سچا ہو اور اس کے ساتھ برتاؤ میں غیرت کا پورا پورا لحاظ ہو۔

فائدہ:۔ مومن اپنی بیوی کے ساتھ رہن سہن میں خوشگواری رکھے
نرمی اور خوش خوئی سے کام لے۔ اس کی دلجوئی اور رضا جوئی کو کبھی نہ بھلائے
قرآن پاک میں ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ کہ ان کے ساتھ گزران
اچھی طرح کرو۔ آپس میں بدمزگی نہ پیدا ہونے دو۔ آگے چل کر مہر کے بارے
میں فہمائش کرتے ہوئے اس کی خوشگواری کی وجہ بھی کھول دی اور فرمایا
وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا کہ وہ بیویاں تم سے مضبوط اور پختہ
عہد و پیمان لے چکی ہیں گویا اب کس طرح زیبا ہے کہ تم اس پختہ
عہد و اقرار کی خلاف ورزی کرو اور ان سے کوڑی پائی کا حساب
کر دیا ان کے حقوق کی ادائیگی سے جان چراؤ اور ان کے آتے ہوئے
حقوق اور جائز مطالبات کو بھی روک لو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان گرامی ہے اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ۔

کہ مؤمنین میں ایمان میں مکمل ترین اور خوب ترین مومن وہ ہے جو
خُلق میں اچھا ہو اور معاملات و برتاؤ میں بیوی کے ساتھ نرم تر ہو۔
دوسری جگہ فرمایا خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِنِسَائِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِنِسَائِیْ۔ کہ تم
میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی عورتوں کے لئے
تم سب سے اچھا ہوں غرض اس صنف نازک کے ساتھ شریعت پاک
میں سختی اور سودرشتی بدخلقی اور بدمزاجی ہرگز روا نہیں ہے۔ بلکہ حکم ہے
کہ اگر ان کی طرف سے سختی اور درشتی ہو جائے تو اس کو درگذر
کیا جائے اور کوئی لغزش وقصور ہو تو اس کو معاف کیا جائے اور ان کے
ساتھ برتاؤ میں تحمل وصبر ضبط وبردباری سے کام لیا جائے۔ چنانچہ
خود حضور اکرمؐ کا یہی عمل تھا کہ ازواج مطہرات کی طرف سے اگر حضور
والا کی شان عالی وقار میں کوئی گستاخی ہو جاتی بات چیت میں گرمی
آجاتی یا رہن سہن میں پورے ادب کا لحاظ چھوٹ جاتا تو آنجناب
صلی اللہ علیہ وسلم علم اور بردباری سے کام لیتے اور ضبط جذبات کا
بے پناہ ثبوت دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کی بیوی نے بات
چیت میں سختی سے ردّ وکد کی اور گفتگو میں اُلٹ پھیر سے کام لیا تو آپ نے
ان کو ڈانٹا انہوں نے جواب دیا کہ تم مجھکو کہتے ہو کہ میں تم کو جواب دیتی
ہوں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تم سے بھی بہتر ہیں آپ کی
بیویاں جواب دیتی ہیں اور گفتگو میں ردّ وکد کرتی ہیں۔
حضرت عمرؓ کو یہ سنکر بہت افسوس ہوا اور آپ نے حضرت حفصہؓ

کو سختی سے ہدایت فرمادی کہ وہ کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
اس قسم کی گستاخی کے ساتھ پیش نہ آئیں۔

عورت کے آداب اپنے شوہر کے ساتھ

شوہر سے ہمیشہ شرماتی رہے۔ اس سے جھگڑنے الجھنے سے بہت
بچے۔ ہمیشہ اس کا حکم بجالاتی رہے جب وہ گفتگو کرتا ہو تو خاموش
رہے۔ اگر وہ غیر موجود ہو تو اس کی پوری حفاظت کرے۔ اس
کے مال میں کبھی خیانت نہ کرے۔ خوشبو والی ہو منہ کی صفائی کی بھی
عادی ہو۔ کپڑوں میں صاف ستھری ہو۔ قناعت و صبر پسند ہو۔
شفقت و مہربانی سے کام لیتی ہو۔ بناؤ میں رہتی ہو۔ شوہر کے اعزاز
واقربا کی عزت و حرمت کا لحاظ رکھتی ہو۔ شوہر کے حال پر ہمدردی
کی نظر ڈالتی ہو۔ اس کے کام کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہو۔
جب وہ نزدیک آئے تو محبت و پیار کا اظہار کرتی ہو اور جب
اس کو دیکھ لیتی ہو تو باغ باغ ہو جاتی ہو۔

فائدہ: مرد کے حقوق عورت پر بے پناہ ہیں۔ عورت کی دنیا اور دین کی درستی
اسی کی اطاعت میں ہے۔ اس کی فلاح و بہبود اسی کے دامن کے نیچے
ہے۔ شوہر کا ساتھ چند دن کا نہیں زندگی بھر کا ہے اسی کے ساتھ زندگی
کاٹنی ہے۔ اگر اس سے رنجش اور اس نے اس کی اطاعت سے منہ موڑ
لیا تو گویا دنیا کی آسائش نے اس سے منہ پھیر لیا ہر وقت کا دکھ ہے

والی بے کلی ہے کیونکہ جو سکھ کا راستہ تھا وہ اس نے خاوند سے بگاڑ کر اپنے اوپر بند کر لیا اب اس کو سکھ کہاں سے نصیب ہو آخرت یوں بگڑتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے اِطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ قُلْنَ لِمَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ يُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَيَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ کہ میں نے دوزخ کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں پائیں عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیوں فرمایا اسلئے کہ یہ لعنت بہت بھیجا کرتی ہیں اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں معلوم ہوا کہ خاوند کی ناشکری عورت کو دوزخ میں گراتی ہے۔ اسی کے مقابلہ میں وہ عورت ہے جو خاوند کو خوش رکھتی ہے وہ اس طرح اپنی جنت بناتی ہے فرمان نبوی ہے أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ کہ جو عورت مرجائے اور اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت ابوہریرہؓ کے ذریعہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی)

پس انہی حقیقتوں کا تقاضا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے لئے نہایت با ادب، با لحاظ، مطیع و فرمانبردار، اطاعت شعار، خاموش اور پرسکون ہو۔ ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعجاز نما کلام سے عورت کی صفات حمیدہ کو صرف تین جملوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے

فرمایا ہے خَیْرُ نِسَائِکُمْ مَنْ اِذَا نَظَرَ اِلَیْهَا زَوْجُهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ فِی نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔ کہ عورتوں میں بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کو اس کا خاوند دیکھے تو اس کا دل باغ باغ ہو جائے۔ اور جب اس کو کسی بات کے لئے حکم دے تو وہ تعمیل حکم میں ایسا سرمو فرق نہ کرے اور جب اس کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی بھی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کے مال کی بھی۔ یہ حدیث در اصل اُن پورے حقوق کو شامل ہے جو شوہر کی طرف سے عورت کے ذمہ آتے ہیں۔

مرد کے آداب خود اپنے نفس کے بارے میں

جمعہ اور جماعت کی پابندی کرے۔ کپڑے صاف ستھرے رکھے۔ مسواک کا عادی ہو۔ نہ تو ایسا فاخرانہ لباس پہنے کہ جس سے شہرت طلبی ٹپکتی ہو نہ ایسا حقیر اور فقیرانا لباس بدن پر ڈالے جس سے حقارت ٹپکتی ہو۔ تکبر سے لمبے لمبے کپڑے نہ پہنے۔ اور خواری و مسکنت سے چھوٹے چھوٹے کپڑے بھی نہ پہنے۔ چلنے میں اِدھر اُدھر نہ مڑے۔ اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبی عورت پر نظر نہ ڈالے۔ بات چیت کرتے وقت نہ تھوکے اور گھر کے دروازے پر پڑوسیوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرے اور بھائی بندوں کے سامنے اپنی بیوی اور گھر کی باتیں زیادہ نہ کھولے۔

عورت کے آداب خود اپنے نفس کے بارے میں

گھر ہی میں رہنے کی عادی ہو۔ پکّی پردہ نشین ہو۔ اِدھر اُدھر نہ چڑھے۔ اپنے پڑوسیوں کو اپنی آواز نہ سنائے۔ اور اسی وقت اُن کے ہاں جائے جب کہ جانا ناگزیر ہو۔ جب شوہر اس کو دیکھے تو اس کو خوش کر دے۔ جب وہ کہیں چلا جائے تو اس کی حفاظت کرے اور اس کے گھر سے کہیں نہ نکلے۔ اور اگر نکلے بھی تو چھپ چھپا کر تنہا جگہوں کی تلاش میں رہے اپنی حاجتوں میں بہت محتاط ہو جن کو جانتی ہو ان سے بھی اجنبی بن جائے اس کو زیادہ فکر اپنے نفس کی اصلاح کی ہو پھر اپنے گھر کے انتظامات کی۔ نماز روزہ سے کبھی غافل نہ ہو اپنے عیبوں کو دیکھتی رہے۔ اپنے دین کی ہر وقت فکر رکھے۔ خاموش ہو۔ نگاہ نیچی ہو۔ اپنے پروردگار کی سوچ میں رہے۔ ذکر الٰہی کی کثرت کرے۔ خاوند کی اطاعت کرے اپنے خاوند کو توجہ دلائے کہ وہ صرف حق و حلال کی روزی کما۔ اس سے بہت دولت کی اُمیدوار نہ بنے۔ ظاہر سے حیا ٹپکتی ہو آوازیں اس کے گنگناہٹ کم ہو۔ صابر ہو شاکر ہو ایثار پسند ہو ہمدردی کا مادہ ہو۔

اگر اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی دوست گھر کے دروازہ پر آئے تو اس سے کلام اور گفتگو نہ کرے نہ اس سے معاملہ

فہمی کی کوشش کرے یہ اسلئے کہ اس کی عزت محفوظ رہے اور اس کے شوہر کی آبرو بھی محفوظ اور برقرار رہے۔

فائدہ:۔ اگلے بزرگان دین کی عورتوں کا یہ حال سُنا گیا ہے کہ جب ان کے شوہر کمائی کے لئے گھروں سے نکلا کرتے تو ان کو سمجھاتیں اور کہتیں اِیَّاکَ وَکَسْبَ الْحَرَامِ فَاِنَّا نَصْبِرُ عَلَی الْجُوْعِ وَلَا نَصْبِرُ عَلَی النَّارِ۔ کہ دیکھو حرام کمائی سے بہت ہی اجتناب اور پرہیز کرنا کیونکہ ہم کو بھوک اور تکلیف پر تو صبر ہو سکتا ہے مگر آگ پر صبر کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اللہ اکبر کیا انقلاب ہے اور زمانہ نے کیا رنگ بدلا ہے کہ آج کل شوہر ہی حرام سے اپنے ہاتھ رنگتے ہیں لیکن اس کا سبب زیادہ تر ان کی بیویاں ہوتی ہیں جو کھانے کی اتنی بھوکی نہیں ہوتیں جتنی کہ وہ پیسے کی خواہشمند اور بھوکی ہوتی ہیں۔ خاوندوں کی عقلوں پر پردہ ڈالتی ہیں ان کے دین کو برباد کرتی ہیں ایسے ایسے مطالبات ان کے سامنے رکھتی ہیں کہ جب تک حرام کمائی پر ہاتھ نہ ڈالا جائے وہ پورے ہو نہیں سکتے۔ بلکہ بعض تو شوہروں کو حرام کمائی کے راستے بتاتی ہیں اور ایک اندھے کی طرح ان کی لاٹھی پکڑ کر دوزخ میں لیجاتی ہیں۔

اذن لینے کے آداب

دیوار کی ایک جانب چلے۔ دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو۔ کنڈی کھٹکھٹانے سے پہلے تسبیح و حمد کہے اور بعد میں سلام کرے۔

اور گھر والوں کی آواز پر کان نہ لگائے۔ سلام کے بعد اجازت چاہے اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ واپس لوٹ جائے پھر نہ ٹھہرے اگر صاحب خانہ پوچھے کون" تو یہ نہ کہے "میں" بلکہ اپنا نام لیکر بتائے کہ فلاں۔

فائدہ :۔ انسان اگر کسی کے گھر پر ملاقات کے لئے جائے تو آداب کی رعایت لازمی ہے ورنہ صاحب خانہ کے لئے ایذا اور دکھ کا سبب بنتا ہے۔ شریعت نے اس بارے میں نہایت زریں ہدایات ملی ہیں جن کا لحاظ از حد ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن بسرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نقل فرماتے ہیں کہ آپ جب کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازہ کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور اجازت حاصل کرنے کے لئے کہتے السلام علیکم السلام علیکم اور یہ اسلئے کہ اس زمانہ میں دروازوں کے سامنے پردے پڑے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ پھر اجازت حاصل کئے بغیر تیر کی طرح گھس جانا تہذیب سے گری ہوئی بات ہے اور اس میں صاحب خانہ کو بڑی ایذا پہنچتی ہے نہ معلوم وہ کس حال میں بیٹھا ہے کس شغل میں وہ مشغول ہے۔ انسان اپنے گھر میں آزاد اور خود مختار ہوتا ہے اور ہر وقت دوست احباب سے ملنے کے قابل نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس ادب کی رعایت کو بہت ضروری خیال فرماتے اور کوئی شخص اگر غفلت برتتا تو فوراً اس کو

عملی سبق دیتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ صفوان بن امیہؓ نے کلاۃؓ بن حنبل کے ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ، ہرن کا ایک بچہ اور ککڑی بھیجی۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی بلند جانب جس کو معلا کہتے ہیں قیام پذیر تھے۔ کلاۃ بغیر اجازت حاصل کئے اور بغیر سلام کئے سیدھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ کو کلاۃؓ کی یہ بات ادب کے خلاف نظر آئی آپ نے کلاۃؓ سے کہا اچھا واپس جاؤ اور دروازہ پر کھڑے ہو کر کہو السلام علیکم أأدخل یعنی السلام علیکم کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

اسی طرح بعض لوگ جب دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور اندر سے سوال کیا جاتا ہے "کون" تو اس کے جواب میں صرف اتنا کہتے ہیں "میں" اس جواب سے صاحب خانہ کو کوئی شناخت نہیں ہوتی اور سوال کا مطلب ہرگز حل نہیں ہوتا۔ کیا پتہ میں کون کہہ رہا ہے۔ آواز سے شناخت نہیں ہو سکتی۔ نام لینے سے البتہ شناخت ہوتی ہے۔ پھر زیارت کرنے والا جس حیثیت اور مرتبہ کا ہوتا ہے صاحب خانہ اسی کے مطابق آزادی یا غیر آزادی تکلف یا بغیر تکلف کے باہر ملاقات کے لئے آتا ہے۔ لہذا جب "کون" کے سوال سے کوئی مطلب حل نہیں ہوتا تو صاحب خانہ کو روحانی کوفت ہوتی ہے اور وہ "میں" کہنے والے کی سمجھ پر افسوس کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ادب کا بھی بہت

لحاظ فرماتے اور جواب میں صرف "میں" کہنا ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس قرض کے سلسلے میں حاضر ہوا جو میرے والد پر تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے دریافت فرمایا "کون ہے" میں نے کہا "میں" اس پر آپ نے فرمایا "میں میں" گویا صرف میں کہنے کو برا خیال فرمایا مطلب غالباً یہ تھا کہ میں میں کیا کہتے ہو نام کیوں نہیں لیتے۔

راستہ پر بیٹھنے کے آداب

نگاہ نیچی رکھے۔ ستم رسیدہ کی مدد کرے۔ فریادی غمگین کی فریاد سنے۔ کمزور کی مدد کرے۔ بھٹکے ہوئے کو راہ پر لگائے سلام کا جواب دے۔ سائل کو بخشش دے۔ ادھر ادھر نہ دیکھے اچھی بات کا حکم دے۔ بری بات سے نرمی اور خوش خوئی سے روکے اگر ضد اور ہٹ کرے تو خوف ڈالکر اور سختی سے روکے اور بغیر دلیل و حجت کے چغل خور کی بات پر کبھی کان نہ لگائے اور لوگوں کی ٹوہ اور جاسوسی میں نہ لگے اور لوگوں کے ساتھ بھلا گمان رکھے۔

آپس میں میل جول کے آداب

جب کسی مجلس میں جائے یا کسی جماعت کے پاس پہنچے تو انکو

سلام کرے اور جہاں مجلس ختم ہو وہیں بیٹھ جائے لوگوں کے کندھوں
کو نہ پھاندے پھر جس کے قریب بیٹھے اس کو خاص طور سے سلام
کرے۔ اگر عوام کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو ان کی باتوں پر دھیان
نہ دے نہ ان کی افواہوں پر کان لگائے اور جو نامناسب الفاظ
وہ آپس میں بول رہے ہوں ان سے بالکل غفلت اختیار کرے
اور بغیر اشد حاجت وضرورت کے ان سے ملاقات کم کرے۔
کسی شخص کو حقیر نہ جانے ورنہ ہلاک ہو جائے گا اس کو کیا پتہ شاید اللہ
کے نزدیک وہ اچھا ہو اور اللہ کا فرمانبردار بندہ ہو۔ لوگوں کو محض
دنیا کے سبب تعظیم کی نظر سے نہ دیکھے کیونکہ دنیا اللہ کے نزدیک
بہت کم قدر ہے اور وہ بھی کم قدر وحقیر ہے جو اس میں ہے دنیا کی کوئی
عظمت دل میں نہ رکھے کہ اس سے دنیا داروں کی عظمت دل میں پیدا
ہو اور وہ اللہ کی نگاہ میں گر جائے اگر دنیا کے باعث دنیا داروں
کی قدر کرے گا تو اللہ کی نظر سے گر جائے گا نیز دنیا داروں سے
دنیا حاصل کرنے کے لئے دین ان کی صحبت میں برباد نہ کرے
کیونکہ اگر ایسا کیا تو ان کی نظر سے گر جائے گا اور انکی نگاہ میں کم قدر
ہو جائے گا۔ نہ ان سے دشمنی رکھے کہ دشمنی ظاہر ہو جائے اور پھر اس
کو وہ برداشت نہ کر سکے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دشمنی
رکھے تو اس کا اس کو حق ہے اور وہ اس میں حق بجانب ہے۔ پھر
بھی ان کے بد افعال سے دلی دکھ محسوس کرے اور ان سے نفرت

کرے لیکن ان دنیا داروں کی ذاتوں پر تو شفقت و رحمت ہی کی نظر ڈالے۔ پھر اگر دنیا دار اس سے محبت و دوستی کا اظہار کریں اس کی تعظیم و تکریم بجا لائیں نہایت خندہ پیشانی سے اس سے ملیں اور اس کے سامنے اس کی تعریف کے ترانے گائیں تو اس پر ان کا شکریہ بجا نہ لائے کیونکہ اکثر و بیشتر ان کے اس عمل میں ظاہرداری کے سوا کچھ نہیں ہوتا اندر حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ اگر ان کی اس ظاہرداری سے خوش ہوگا اور تسلی پائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو انہیں کے سپرد کر دے گا اور وہ ہلاکت کے گھاٹ اترے گا نہ ان دنیا داروں سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کے لئے باطن میں بھی ایسے ہی ہوں جیسے کہ وہ اس کے لئے ظاہر میں ہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس کی کبھی لالچ نہ رکھے ورنہ ان کے سامنے ذلیل ہوگا اور ان کی صحبت میں اپنا دین جو برباد کرے گا وہ جدا ہوگا ان کے ساتھ تکبر سے بھی پیش نہ آئے۔ ان میں سے اگر کسی کی اپنی حاجت روائی چاہے اور وہ حاجت روائی میں پورا اترے تو وہ ایک نفع رساں بھائی ہے اور اگر وہ حاجت روائی نہ کرے تو اس کی مذمت نہ کرے کہ اس سے دشمنی کی بنیاد پڑے گی۔

نیز جس میں قبولیت کا مادہ نہ ہو اس کو نصیحت نہ کرے ورنہ وہ اس سے بیر مول لے گا اور اس کی بات نہیں سنے گا۔

جب ان میں سے کسی سے اس کو بھلائی پہنچے یا اس کا

اکرام و احترام ہو یا اس کی مدح و ثنا ہو تو اس کو اللہ کی مہربانی اور عنایت جانے اور اسی کی تعریف کرے اور اللہ ہی سے اس کا بھی سوال کرے کہ وہ اس کو ان دنیا داروں کے سپرد نہ کرے۔ اور اگر اس کے خلاف ان کی طرف سے اس کو برائی پہنچے یا بدکلامی سے اسکے ساتھ پیش آئیں یا ایسی حرکت کر بیٹھیں جو اس کو ناپسند ہو تو اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور ان کی برائی سے بچنے کے لئے اسی سے مدد چاہے اور پناہ مانگے لیکن ان دنیا داروں کو عتاب نہ کرے کیونکہ ان کو عتاب کرنے کا موقع ہی نہیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اور الٹے اس کے دشمن ہو جائیں گے اور اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو سکے گا بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی توبہ کرے جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان ناحق شناسوں کو اس پر مسلط کر دیا اور استغفار پڑھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ مومن ہمیشہ عام دنیا داروں کی ہر حق بات کو سننے کے لئے تو ہر وقت ہمہ تن گوش رہے لیکن باطل سننے کے لئے بہرا بن جائے کہ گویا اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

فائدہ:- مومن آدمی کے لئے عام دنیا داروں کی صحبت دین کے لحاظ سے بہ نسبت نفع کے نقصان سے زیادہ تر ہے۔ ان کے سنگ ساتھ میں دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے دین سے دوری ہوتی ہے۔ ان کی دولت و ثروت پر نظر پڑتی ہے اور اس سے امید بندھتی ہے۔ اکثر و بیشتر دنیا داروں کی صحبت میں دنیا دار دین سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دیندار ان سے نقصان اٹھا لیتے

ہیں وہ یہ کہ دین کا جذبہ اور دولہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر طبیعت کمزور ہے تو منکرات و ممنوعات کے ارتکاب پر خاموش رہنے سے قدم قدم پر گناہگار ہوتے ہیں اور یہ بھی مورد عذاب بنتے ہیں۔ یہی قباحتیں ہیں جن کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کو سات چیزوں کی نصیحت فرمائی تھی ان میں ایک بات بھی تھی کہ مسکینوں سے محبت و الفت رکھو اور انھیں کے ساتھ بیٹھا اٹھا کرو۔ یہ اسلئے کہ ان کی صحبت میں دین کی بربادی نہیں ہے حرص و لالچ کے خطرات نہیں دنیا داروں سے جو محتاج دیندار ملا اس نے ذلت وخواری کا منہ دیکھا اور اپنی رہی سہی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ان سے اگر ملے بھی تو محتاج یا ان سے غرض مند ہو کر کبھی نہ ملے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگلے زمانہ میں مال کو برا سمجھا جاتا تھا لیکن آجکل مومن کی ڈھال ہے۔ اگر یہ دینار ہمارے پاس نہ ہوتے تو یہ بادشاہ ہم کو ذلیل وخوار بنا دیتے۔ سچ فرماتے ہیں جب ایمان کچھ کمزور ہو اور ہاتھ پیسہ سے خالی ہو تو انسان انھیں دنیا داروں کے ہاتھ اپنے ایمان کو چند پیسوں کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔

لڑکے کے آداب اپنے والد اور والدہ کے ساتھ

اگر ماں باپ کوئی بات کہیں اس پر کان لگائے۔ اگر کھڑے ہوں کھڑا ہو جائے اگر حکم دیں اس کی تعمیل کرے اگر بلائیں فوراً

دوڑ پڑے۔ غرض ذلت وشفقت کا بازو ان کے سامنے بچھا دے۔ کسی بات کے لئے ان پر اصرار کرکے ان کو دق نہ کرے۔ اگر ان پر احسان کرے تو احسان نہ جتائیے۔ اگر ان کے احکام بجالائے تو اس کی ان پر دھونس نہ جائیے۔ ان پر ناراضگی کی نظر نہ ڈالے اور کسی معاملہ میں ان کے حکم سے گردن نہ پھیرے۔

فائدہ:۔ ماں باپ کے حقوق اپنی اولاد پر بے پناہ ہیں۔ ان کے حقوق کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں اپنے حقوق کے ساتھ ان کے حقوق کو جگہ دی ہے فرمایا وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یعنی حکم کرچکا تمہارا رب کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا کسی کی اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ حضرت امامہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سوال کیا کہ والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے آپ نے فرمایا وہ دونوں تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی یعنی ان کی اطاعت سے وہ تجھکو جنت پہنچانے کا سبب ہیں اور ان کی نافرمانی سے وہ تجھ کو دوزخ میں ڈلوانے کا ذریعہ ہیں۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح ہے کہ خاک میں مل گیا وہ شخص جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کی۔ ماں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ غرض اولاد پر ماں باپ کے زبردست حقوق ہیں اولاد کے لئے لازم ہے کہ ہر دم ان کی تعمیل حکم کے لئے کمربستہ رہے

ان کی ہر بات کو سر آنکھوں پر رکھے اور بجالائے۔ ان کے ساتھ بہت کچھ بھلائی کرے اور کچھ نہ سمجھے اُن پر اللہ کی دی ہوئی دولت لٹائے مگر ایک پیسہ کا احسان اُن پر نہ رکھے۔ ساری عمر ان کی خدمت کرے مگر کبھی اپنی کارکردگی کا بوجھ ان پر نہ رکھے۔ اور یہ کیسے ہو جبکہ ماں باپ کی اطاعت ایک اہم ترین فرض ہے اور فرض کی انجام دہی احسان جتانے کا سبب نہیں بن سکتی۔

والد کے آداب اپنی اولاد کے ساتھ

بھلائی پر اپنی اولاد کی مدد کرے اور ان کی طاقت سے اونچا بوجھ اُن پر نہ ڈالے۔ وہ اگر تنگ دل ہوں تو اُن پر اصرار نہ کرے ان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت سے نہ روکے اور پرورش کرنے کا احسان ان پر نہ رکھے۔

فائدہ:۔ حدیث پاک میں ہے رَحِمَ اللّٰہُ وَالِدًا اَعَانَ وَلَدَہٗ عَلٰی بِرِّہٖ۔ اللہ رحم کرے اس والد پر جو بھلائی پر اپنی اولاد کی مدد کرے۔ یعنی برے برتاؤ کر کے اور اولاد کے ساتھ برا رویہ رکھ کر اولاد کو نافرمانی کرنے پر مجبور نہ کرے۔ بلکہ ان کے ساتھ معاملات خوشگواری کے ساتھ کرے محبت و پیار نرمی و خوش خوئی سے اُن کے ساتھ پیش آئے تاکہ باپ کی اطاعت کی طرف ان کا دل خود جھکے اس کی فرمانبرداری کی جانب اُن کا قدم بے اختیار اٹھے۔ ورنہ بعض باپ ایسے بھی ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں کہ

اپنی بدکرداری سے اپنی نیک اولاد کو بدی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کیونکہ جہاں اولاد پر ماں باپ کے حقوق ہیں وہاں ماں باپ پر بھی اولاد کے حقوق ہیں ان میں سب سے پہلے یہی کہ نیک سلوکی سے پیش آئیں ان کو بھلائی پہنچانے کی فکر میں رہیں دین پر لگائیں دنیا کا بھلا راستہ بتائیں۔

مسلمان بھائیوں کے آپس کے آداب

ایک دوسرے کے ساتھ جب ملاقات کریں تو خوشی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کا آغاز کریں السلام اور محبت پیار کے الفاظ سے آپس میں بیٹھیں تو ایک دوسرے کے ساتھ فراخ دلی اور شفقت و الفت سے پیش آئیں۔ جب کوئی جائے تو اس کو رخصت کرنے کے لئے جائیں جب کوئی بولے تو دم بخود ہو کر سنیں۔ گفتگو ہو تو بحث و جھگڑا نہ اٹھائیں حکایتیں بیان ہوں تو اچھے الفاظ سے۔ جب کسی کا خطاب ختم ہو تو اس کا جواب دینے کی کوشش نہ کریں۔ جب ایک دوسرے کو پکاریں تو پاکیزہ ناموں سے یاد کریں۔

فائدہ :- ہشاش بشاش ہو کر اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنا خندہ پیشانی سے ایک دوسرے سے ملاقات کرنا پختہ ایمان کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ رضامندی کی علامت حدیث پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ السَّھْلَ الطَّلْقَ الْوَجْہِ ۔ کہ اللہ تعالیٰ نرم خو اور ہنس مکھ آدمی کو پسند فرماتا ہے۔ نیز اخوت اسلامی کی سب سے بڑی اور پہلی نشانی یہ بھی ہے کہ جب ملاقات

ہو تو ہدیہ سلام ایک دوسرے کو پیش کریں۔ اور سلام کے بعد بات چیت اور گفتگو کا سلسلہ چھیڑیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے مومن پر چھ حقوق شمار کرائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جب ایک دوسرے سے ملے تو سلام کرے

ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کی رحمت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو پہلے سلام کرے

جابرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ کہ سلام کلام سے پہلے ہے۔

پڑوسی کے آداب

پہلے سلام کرے پھر اس کے ساتھ بات چیت لمبی نہ کرے بھاری اور بڑا سوال اس پر پیش نہ کرے وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی مزاج پرسی کرے اس پر مصیبت پڑے تو عذر خواہی کرے اس کو خوشی نصیب ہو تو مبارک باد پیش کرے اس کے لڑکے اور اس کے غلام سے نرم گفتگو کرے۔ اس کے قصور و لغزش سے روگردانی کرے۔ اس کی کوتاہی پر اس کو نرم الفاظ میں فہمائش کرے۔ اس کی اہلیہ پر نظر نہ ڈالے۔ اس کی فریاد پر اس کی مدد کرے اور اس کی خادمہ کو نہ تکے۔

فائدہ:۔ پڑوسی کے شریعت نے زبردست حقوق رکھے ہیں حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی پر بار بار نصیحت فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے شک ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو میراث میں حصہ دیں گے۔ یعنی ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا وارث ہوگا۔ حقیقت میں اگر کوئی پڑوسی ناحق شناس ہو تو اس کا پڑوسن وبال جان جی کا جنجال ہو جاتا ہے پاس رہنا دو بھر ہوتا ہے زندگی کا گذار دشوار ہوتا ہے۔ ایک کانٹے کی طرح ہر وقت چبھتا ہے کبھی باتوں سے دکھ دیتا ہے کبھی ہاتھ سے امور میں مصیبت و آفت بنتا ہے۔ غرض ایک سوہان روح ہوتا ہے اس کے خلاف اگر پڑوسی حق شناس خدا ترس ہو تو زندگی آرام اور سکھ سے گذرتی ہے۔ وہ ایک پڑوسی اور ایک دوست بھی ہوتا ہے اور ایک یار غار و مددگار بھی۔ مصیبت میں دل دکھاتا ہے خوشی میں خوش ہوتا ہے ضرورت میں کام آتا ہے وقت پڑنے پر مدد کے لئے دوڑ پڑتا ہے غرض پورے اسلامی حقوق ادا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ کہ قسم بخدا ایمان نہیں لاتا قسم بخدا ایمان نہیں لاتا قسم بخدا ایمان نہیں لاتا عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟ فرمایا اَلَّذِی لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ یعنی وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک حدیث میں حضور اکرم کا فرمان یوں منقول ہے کہ پڑوسی تین

قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہو دوسرا وہ پڑوسی
جس کے دو حق ہوں تیسرا وہ جس کے تین حقوق ہوں۔ تین حقوق والا
وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار ہو مسلمان ہو اور ساتھ ساتھ اس کو حق پڑوسی
بھی حاصل ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو عزیز نہ ہو مگر مسلمان ہو اور پڑوسی
ہو۔ ایک حق والا وہ جو مشرک ہو جس سے نہ رشتہ داری کا تعلق ہو نہ
اخوت اسلامی کا بلکہ وہ صرف پڑوس کا حق رکھتا ہو۔ ملاحظہ کیجئے پڑوس
کا حق مشرک کو بھی ملا گویا شرک پڑوس کے حق میں حائل نہ ہو سکا۔
پھر پڑوس کا حق یہی نہیں کہ پڑوسی کو ایذا رسانی سے بچا جائے بلکہ حق کی صحیح
ادائیگی یہ ہے کہ پڑوسی کی ایذا کو برداشت کیا جائے اس کی تکلیفوں
کو گوارا کیا جائے۔ کیونکہ پڑوسی بھی اگر ایذا دہی سے بچتا ہے تو اس
کے مقابلہ میں اگر خود بھی ایذا دہی سے بچا تو یہ حق کی ادائیگی صحیح
معنوں میں نہیں ہوئی۔ جہاں تک ہو سکے خیر رسانی میں کوتاہی نہ
کرے اور اس کی خیر سگالی سے غفلت نہ برتے۔ کہا جاتا ہے کہ قیامت
کے روز غریب پڑوسی امیر پڑوسی کا دامن پکڑ لے گا اور کہے گا اے
پروردگار اس سے پوچھئے کہ اس نے دنیا میں بھلائی کو مجھ سے کیوں روکے
رکھا اور احسان کا دروازہ کیوں مجھ پر بند کئے رہا۔ ابن مقفع کا ایک
پڑوسی تھا جس کے گھر کے سایہ میں وہ بیٹھا کرتے تھے انہوں نے
سنا کہ ان کا پڑوسی اپنا گھر بیچ رہا ہے کیونکہ وہ مقروض ہو گیا ہے۔
کہا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ یہ محتاجگی کی بنا پر مکان فروخت کر دے

اور میں اس کے مکان کے سایہ سے فائدہ اٹھا کر اس کی مدد نہ کر سکوں
چنانچہ اس کو بلا کر مکان فروخت کرنے سے اس کو روک دیا اور اس
کا قرض سب چکا دیا۔ ایک صاحب کے ہاں چوہے بہت ہو گئے کسی
ساتھی سے اس کی شکایت کی۔ ساتھی نے مشورہ دیا کہ ایک بلی پال لو
سب بھاگ جائیں گے کہنے لگے ترکیب تو بہت اچھی ہے لیکن اس
میں یہ قباحت ہے کہ چوہے میرے گھر سے نکل کر میرے پڑوسی کے
گھر میں چلے جائیں گے اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں
کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا اور آپ کا غلام بکری کی کھال
اتار رہا تھا اور آپ اس سے بار بار فرما رہے تھے کہ دیکھ جب تو کھال
اتار چکے تو گوشت سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کو دینا۔ غلام
بولا حضور آپ کب تک فرمائیں گے کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھکو پڑوسی کے بارے میں بار
بار نصیحت فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے شک ہوا کہ شاید اس کو میراث
میں سے حصہ دیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگان دین نے پڑوسی کو ایذا دینے
سے اتنا دامن اس قدر بچایا بلکہ اور اس کو ہر طرح کی مدد پہنچانے کی کوشش
کی مگر آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم سے سب سے زیادہ نالاں ہمارا پڑوسی
ہوتا ہے خیر سگالی اور خیر رسانی تو ایک طرف بات بات پر اس سے جھگڑتے
رہتے ہیں آج نالی پر جھگڑا ہے تو کل اتاری پر۔ غرض رات و دن پڑوسی سے
گتھے رہتے ہیں۔

آقا کے آداب اپنے غلام کے ساتھ

طاقت سے اونچی خدمت کا بوجھ اس پر نہ ڈالے۔ اگر وہ تنگ دل اور پریشان ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرے اس کو زیادہ نہ مارے ہمیشہ اس کو گالی گفتار سے خطاب نہ کرے ورنہ اس میں جرأت پیدا ہو جائیگی اس کی لغزشوں کو معاف کرے۔ اس کے عذر کو قبول کرے۔ جب وہ کھانا تیار کرے تو اس کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھلائے یا اپنے کھانے میں سے اس کو چند لقمے دے۔

فائدہ:- غلام آقا کے ہاتھ میں بمنزلہ مردہ بدست زندہ ہوتا ہے۔ آقا کے وجود میں اس کا وجود گم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں سخت خطرہ تھا کہ آقا، غلام پر اپنے بے پناہ اختیارات دیکھ کر کہیں ظلم کے پہاڑ نہ توڑے اس کو ہاتھ کا کھلونا یا دل کا بہلاوا نہ بنائے۔ اس کو انسانیت سے گرا کر جانوروں کا سا برتاؤ اس کے ساتھ نہ کرنے لگے۔

چنانچہ شریعت نے غلام کے ساتھ خوش معاملگی کرنے پر بے انتہا زور دیا اور خلاف ورزی پر سخت عذاب سے ڈرایا۔ آقا کے ذہن میں یہ بات اتارنے کی کوشش کی کہ غلام بھی تم جیسا انسان ہے زندگی کے حقوق رکھتا ہے آرام کا طالب ہے تکلیف سے بھاگتا ہے اور یہ بالا دستی اور زیردستی کا فرق جو وقتی ہے اس کا ہرگز لحاظ نہ کرو کیا پتہ آج یہ غلام ہے کل یہ آزاد ہو اور کیا معلوم آج یہ تمہارا غلام ہے کل تم

اس کے غلام ہو جاؤ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تم اپنے آپ کی بالادستی اور زیردستی سے نظر ہٹا کر تم دونوں اپنے کو خدا تعالیٰ کا زیردست جانو اور دونوں اسی کے فرمان کے مطابق اپنے اپنے حقوق ادا کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کے فرامین جو مختلف روایات میں منقول ہیں ان کا مفہوم اس طرح ہے "اپنی ملک میں آئے ہوئے غلاموں کے بارے میں خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ جو تم کھاتے ہو ان کو کھلاؤ۔ جو تم پہنتے ہو ان کو پہناؤ۔ ان کی طاقت سے اونچا کام ان پر نہ ڈالو۔ جب تک ان کو پسند کرو رکھو اور جب ان سے دل اُٹھ جائے ان کو بیچ دو لیکن اللہ کی مخلوق کو عذاب میں نہ ڈالو۔ آج اللہ نے تم کو ان کا مالک بنا رکھا ہے اگر وہ چاہے تو ان کو تمہارا مالک بنا دے۔"

حضرت عمرؓ ہر ہفتہ "عوالی" کی طرف جایا کرتے جب کسی غلام کو طاقت سے اونچا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ کام اس پر سے ہٹا دیتے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک بار ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سواری پر سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا عبداللہ اس کو بھی اپنے پیچھے سوار کر لے یہ تیرا بھائی ہے اور یہ بھی تیری طرح روح رکھتا ہے یہ سنکر اس شخص نے غلام کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک بندہ کے پیچھے کوئی چلتا ہو اس وقت تک وہ اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے۔

حضرت زہریؒ نے کہہ رکھا تھا کہ جب میں کسی غلام سے کہوں "اللہ

مجھکو رسوا کرے تو وہ آزاد ہے۔ غرض انھیں تاکیدات کی بنا پر بزرگان دین نے غلاموں کو اپنی جان کے برابر عزیز جانا ہے اور شرافت کا زبردست ثبوت دیا ہے۔

نقل ہے کہ حضرت سلمانؓ کے پاس کوئی شخص آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ آٹا گوندھ رہے ہیں پوچھا حضرت یہ کیوں یعنی غلام کے کام کو آپ خود کیوں انجام دے رہے ہیں فرمایا کہ غلام کو ایک کام کے لئے بھیجا ہے تو میں نے برا سمجھا کہ دو کاموں کا بوجھ اس پر ڈالوں اسلئے ایک کام میں خود کرنے بیٹھ گیا۔

غلام کے آداب اپنے آقا کے ساتھ

اپنے آقا کا حکم بجالائے۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کا کام ہمدردی اور خوش اسلوبی سے انجام دے۔ دل لگا کر اس کی خدمت کرے اس کی بیوی کی دیکھ بھال کرے۔ آقا کے بچے پر دل دکھائے اور اس کے مال میں خیانت کبھی نہ کرے۔

فائدہ:۔ جہاں شریعت سے آقا کو ہدایت ہے کہ وہ غلام پر سختی روا نہ رکھے وہاں غلام کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے آقا کی رضا جوئی میں کسی قسم سے کوتاہی نہ برتے اپنی مرضی کو اس کی مرضی میں گم کردے۔ امانت داری اور دیانت داری سے اس کے کام انجام دے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ غلام جب اپنے آقا کی خدمت ہمدردی اور دیانتداری سے انجام دے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت بھی تن دہی سے کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔

بادشاہ کے آداب رعیت کے ساتھ

رعایا کے ساتھ نرمی برتے۔ سختی چھوڑ دے۔ کام سے پہلے اس کی فکر کرے۔ خواص پر تکبر نہ کرے اور اُن پر ظلم سے ہاتھ کھینچے۔ عوام سے محبت رکھے مگر اپنا رعب بھی نہ گرنے دے۔ ہم نشینوں اور درباریوں کے حالات کا پتہ رکھے اہل علم اعزا و اقارب اور رفقاء کے ساتھ مروت کو نہ چھوڑے اور ان کے ساتھ فراخ دستی اور فراخ دلی سے پیش آئے۔ اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور ان کی مدد پر ہر وقت کمربستہ رہے۔

سلاطین و امراء حکام اور والیان حکومت کے ہاتھ میں جب مخلوق خدا کی زمام اختیار آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ زبردست حقوق عائد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا ان کا فرض اولین ہوتا ہے اگر وہ اس میں سستی کریں گے تو ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی حق تلفی کا وبال ان کی گردن پر آئے گا۔ اور بے شمار بندگان خدا ان کے ہاتھوں بلاؤں کے شکار ہوں گے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حاکموتم رعیت پر آسانی کرو ان کو دشواری میں نہ ڈالو تسکین دو نفرت نہ پیدا کرو۔ حاکم یہ کبھی نہ سمجھے کہ وہ خود مخدوم ہے اور اس کی ماتحت رعایا اس کی خادم بلکہ درحقیقت وہ خود خادم ہے اور سب اس کے مخدوم۔ اگر یہ تخیل اس نے دماغ میں بٹھا لیا اور اسی کے بموجب عملی قدم اٹھایا تو وہ رعایا کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی سست نہیں ہو گا۔ وہ خود بےچین ہو گا مگر اس کی رعایا چین سے ہو گی اس کا کوئی وقت اپنی رعایا کے کاموں سے خالی نہ ہو گا۔ وہ بلے حجاب ہو کر رعایا کے سامنے آئے گا دل کھول کر ان کے کاموں اور حاجتوں کو پورا کرے گا۔ اور اپنی جان سے زیادہ ان کو عزیز سمجھے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ شَیأً مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِھِمْ وَخَلَّتِھِمْ وَفَقْرِھِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰہُ دُوْنَ حَاجَتِہٖ وَخَلَّتِہٖ وَفَقْرِہٖ۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا حاکم بنایا اور اس نے ان کی حاجتوں سے غفلت برتی اور ان کی طرف اور ان کے فقر کی طرف منہ پھیر کر نہیں دیکھا تو اللہ تعالےٰ بھی اس کی حاجت سے غفلت برتے گا اور اس کی حالت اور اس کے فقر پر نظر نہیں ڈالے گا۔ لہٰذا ان ہدایات و تنبیہات کے بموجب بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی رعایا کی دیکھ بھال اور غور پرداخت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

رعیت کے آداب بادشاہ کے ساتھ

بادشاہ کے دروازہ پر چھوپ نہ ہوں۔ اس سے اسی وقت مدد کے خواستگار ہوں جبکہ بغیر اس کے حکم کے کام نہ چلتا ہو۔ بادشاہ سے ہمیشہ خائف اور ترساں رہیں گو وہ خوش مزاج و خوش اخلاق ہی کیوں نہ ہو۔ ہر کام میں اس کو بیچ میں نہ ڈالیں گو وہ نرم خو کیوں نہ ہو۔ اس سے سوال کم کریں خواہ وہ کتنا ہی حاضر جواب کیوں نہ ہو۔ جب رو برو آئے اس کو دعا دیں جب غیر موجود ہو تو اس کے بارے میں بات چیت و گفتگو سے اجتناب کریں۔

فائدہ: جس طرح بادشاہ کے لئے لازم ہے کہ اپنی رعیت کے ساتھ ترحم برتنے میں کوتاہی نہ کرے اور بے حجاب ہو کر ان سے ملے ان کی حاجتوں کا سراغ لگائے اسی طرح رعیت کے لئے لابدی ہے کہ وہ بادشاہ کا پورا وقار اپنے دل میں رکھے اس سے زیادہ بے تکلف نہ ہو۔ جا اور بیجا بات بات پر اس کو تنگ نہ کرے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کا واسطہ پکڑ کر اس کو دق نہ کرے۔ کسی حال میں اس کے فرمان سے منہ نہ موڑے خود اللہ جل جلالہٗ نے والیانِ حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ حاکم کی اطاعت کو جگہ دی ہے اور فرمایا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور

اور اطاعت کرو رسول کی اور والیان حکومت کی تم میں سے۔

قاضی کے آداب

ہمیشہ ساکت وخاموش ہو۔ صاحب وقار ہو۔ اعضائے بدنی پر سکون واطمینان ہو۔ اپنے ماتحت رفقاء کو فساد وسرکشی سے روکے ڈانٹ ڈپٹ، رذیلوں پر سختی کرے۔ یتیموں کے معاملات میں بہت محتاط رہے جواب ذرا غور و فکر سے دے۔ اہل معاملہ کے ساتھ نرمی سے پیش آئے کسی فریق کی طرف نہ جھکے اور مخالف کو بھی نصیحت ضرور کرے۔ اور ٹھیک اور راست فیصلے کے لئے راہنمائی کا اللہ ہی سے ملتجی اور متمنی رہے۔

فائدہ۔ قاضی اسلام میں بڑی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ مخلوق کے معاملات اور جھگڑے قضیئے اسی کے پاس آکر بروئے شرع طے پاتے ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ انصاف پسند ہو نرم خو خوش اخلاق اور خدا ترس ہو بدحالوں پر دل دکھائے بے کسوں کے ساتھ ہمدردی کرے۔ اہل معاملہ میں کسی فریق سے میل نہ کرے۔ اللہ سے مدد و استعانت کا خواستگار رہے۔ انصاف کو کسی قیمت پر نہ چھوڑے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّیْطَانُ کہ قاضی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید شامل حال ہوتی ہے جب تک وہ ظلم سے اپنے ہاتھ

نہیں رہتا لیکن جب ظلم و تعدی پر اتر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توفیق کا رشتہ اس سے توڑ لیتا ہے اور شیطان اس کے پیچھے لگ پڑتا ہے (ترمذی)

گواہ کے آداب

امانت کا احساس ہو حفاظت کا اظہار ہو۔ دیانت کو اختیار کرے خیانت کو چھوڑے۔ گواہی اعتماد و وثوق کے ساتھ دے بھول وچوک سے خود کو بچائے اور بادشاہ کے لئے کم جھگڑے۔

فائدہ :- معاملات کے فیصلے گواہوں پر مدار رکھتے ہیں۔ جدھر کی گواہی قوت پکڑتی ہے فیصلہ ادھر ہی جھک جاتا ہے کیونکہ صاحب معاملہ ناقابل اعتماد ہے۔ قاضی یا حاکم معاملہ کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ اس کے لئے تحقیقات کرنے اور حقیقت کا پتہ لگانے کا صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے وہ یہ کہ گواہوں کو چھانے پھٹکے اور ان سے حقیقت کو رولے اب اگر گواہ ایمان دار ہیں اور حفظ و یاد کے بھی پختہ ہیں تو صحیح حقیقت قاضی کے سامنے آجائیگی اور فیصلہ بالکل حق ہوگا اور اگر گواہوں کی دیانت داری میں کھوٹ ہے تو واقعیت پر جھوٹ کا پردہ پڑا رہے گا اور فیصلہ بھی حق سے ہٹا ہوا ہوگا۔ لہٰذا شریعت نے گواہوں کو جھوٹی گواہی سے بہت ڈرایا ہے۔ غلط بیانی سے بہت خائف کیا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارے اس کے لئے خدا تعالیٰ

نے دوزخ کو واجب کر دیا اور جنّت اس پر حرام کر دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہی ہو فرمایا اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔

جہاد کے آداب

مجاہد نیت کا سچا ہو۔ اللہ کے لئے غیرت رکھتا ہو۔ جہاد میں اپنی پوری کوشش وہمت لگا دے جان دینے پر خوشی سے تیار ہو واپس لوٹنے کی خواہش وآرزو نہ ہو۔ سامنے مقصد صرف یہ ہو کہ کلمہ اسلام کا بول بالا ہو۔ خیانت سے احتراز ہو۔ جہاد کے لئے نکلنے سے پہلے قرض چکا دیا گیا ہو قتال کے وقت اور ہر حال میں ذکر الٰہی کی پابندی ہو۔

فائدہ:۔ جہاد اللہ کے نزدیک بہت ہی پاکیزہ اور برگزیدہ عمل ہے بلکہ تمام اعمال سے اس کو افضل و برتر بتایا گیا ہے اور کیوں نہ ہو اس میں انسان کی عزیز ترین چیز جان صرف کی جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں اس کو بے قیمت کیا جاتا ہے مگر اس کے لئے بھی شرائط وآداب ہیں جن کی رعایت لازمی ہے۔

ایک مرتبہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ کہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اِیْمَانٌ لَّا شَکَّ فِیْهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِیْهِ۔ کہ وہ ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو اور وہ جہاد جس میں خیانت وچوری

نہ ہو۔ نیز جہاد ہر گناہ سے انسان کو پاک کرتا ہے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی طرح معصوم و پاک بناتا ہے لیکن قرض کو معاف نہیں کرا سکتا۔ اسلئے شریعت کی طرف سے مجاہد کو ہدایت ہے کہ قرض سے سبکدوش ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہو۔ کیا پتہ واپس آتا ہے یا سیدھا جنت جاتا ہے۔ شہید ہونے کی صورت میں ایسا نہیں کہ قرض کا بوجھ سر پر رہ جائے۔

حضرت عبداللہ عمرو بن العاص رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْقَتْلُ یُکَفِّرُ کُلَّ شَیْئٍ اِلَّا الدَّیْنَ ۔ کہ خدا کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کو مٹا ڈالتا ہے مگر قرض کو نہیں مٹاتا (مسلم)

قیدی کے آداب

فراخی اور خلاصی کی اللہ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھے۔ اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ کھپائے۔ اللہ کی رحمت و مہربانی سے کبھی نا اُمید و مایوس نہ ہو۔ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے۔ اور دھیان یہ ہو کر وہ اللہ کی نگاہ کے سامنے ہے اس سے اوجھل نہیں۔ دشمن کے مال میں بھی وہ تصرف نہ کرے جس کا حق اللہ تعالیٰ نے اس کو نہیں دیا ہے۔ اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے سامنے عاجزی و فروتنی سے نہ جھکے۔

عام آداب

بعض حکماء کا کہنا ہے کہ ادب یہ ہے کہ دوست و دشمن سے خندہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرے سے ملو لیکن اُن کے سامنے ذلیل نہ ہو نہ اُن سے مرعوب و خائف ہو۔ اُن کے سامنے اپنا وقار باقی رکھو لیکن تکبر کی حد تک نہیں۔ اپنے سارے کاموں میں درمیانی راہ اختیار کرو تکبر و غرور نہ کرو۔ اِدھر اُدھر مُڑ مُڑ کر نہ دیکھو۔ جماعتوں کے سر پر جا کر نہ کھڑے ہو۔ جب بیٹھو تو وقار سے بیٹھو۔ اُنگلیوں میں اُنگلیاں نہ ڈالو انگوٹھی سے نہ کھیلو دانتوں کو نہ کریدو ناک میں اُنگلی نہ ڈالو۔ چہرہ پر سے مکھیاں نہ اُڑاؤ۔ انگڑائیاں اور جمائیاں زیادہ نہ لو۔ تمہاری نشست پر اطمینان و سکون ہو تمہارا کلام کُھلا کُھلا اور صاف ہو۔ جب تم کو کوئی اچھی بات سنائے تو اس پر کان دھرو لیکن اچنبے اور ذلت سے نہ سنو نہ دوبارہ کہنے کا مطالبہ کرو ہنسی مذاق اور قصہ کہانیوں سے بچو۔ عجیب عجیب باتیں اپنے بچہ اور لونڈی کو نہ سناؤ۔ عورت کی طرح بناؤ سنگار نہ کرو نہ غلام کی طرح خستہ حال رہو۔ اپنے تمام امور میں اعتدال پسند رہو اور زیادہ سرمہ لگانے اور زیادہ تیل ڈالنے سے احتراز کرو۔ حکایات میں اصرار نہ کرو۔ اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں کو اپنے مال کا پتہ نہ دو اور غیروں سے تو بالکل ہی چھپاؤ۔ کیونکہ اگر وہ تمہارے مال کو تھوڑا سمجھیں گے تو تم ان کے نزدیک کم قدر

ہو جاؤ گے اگر بہت جائیں گے تو تم ان کی خواہش پوری نہ کر سکو گے۔
اُن کو نرمی سے جواب دو سختی نہ برتو۔ نرمی دکھاؤ مگر کمزوری ظاہر نہ
کرو۔ جب جھگڑا کرو تو اپنے وقار پر آنچ نہ آنے دو۔ اپنی دلیل پر
خوب غور و فکر کرو۔ ہاتھ سے زیادہ اشارہ نہ کرو۔ زانو کے بل نہ بیٹھو
جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تب کلام کرو۔ اور اگر اتفاق سے بادشا
کی صحبت پیش آجائے تو اس سے ڈرتے رہو اس سے بے خوف ہو کر
نہ بیٹھو کیا پتہ وہ کب تم پر پلٹ پڑے بچوں کا سا نرم برتاؤ اس کے
ساتھ کرو اور جو چاہو اس سے بات کرو۔ اور خبردار اس کے اور اس
کے گھر والوں بال بچوں یا قرابت داروں کے معاملات میں دخیل نہ ہو
اگرچہ وہ اس کو سننا چاہے۔ اور خوش حالی کے دوست سے
بہت بچو کیونکہ اور دشمنوں کی طرح وہ بھی ایک تمہارا دشمن ہے اور
کبھی اپنی عزت و آبرو کو اپنے مال سے کم با شرف و باحرمت نہ جانو
اور زیادہ نہ بکو کیونکہ اس علت والے کو لوگ زمانہ رلاش آدمی کہتے
ہیں اور تمہارے دوست کی ہر ایذا دہ بات کو اس کے سامنے نہ
ظاہر کرو ورنہ وہ تم سے عداوت و دشمنی رکھنے لگے گا۔ عقلمند سے
مذاق و دل لگی نہ کرو ورنہ وہ تم سے کینہ رکھے گا۔ نہ بیوقوف سے مسخری
کرو ورنہ تمہارے ساتھ گستاخ ہو جائے گا کیونکہ مذاق ہیبت و رعب
کو کھوتا ہے منزلت و مرتبت کو گراتا ہے۔ چہرہ کی آب و تاب اور
رونق کو مٹاتا ہے۔ غم و رنج لاتا ہے دوستی و صداقت کی شیرینی کو

زائل کرتا ہے۔ عالم کے علم پر بٹہ لگاتا ہے بیوقوف میں جرأت اور دلیری کی بنیاد ڈالتا ہے۔ دل کو مارتا ہے پروردگار سے اس کو دور کرتا ہے نتیجہ میں مذمت و ملامت کا سبب بنتا ہے۔ ارادہ کی پختگی اور مضبوطی کو مٹاتا ہے۔ طبیعت میں ظلمت اور دل میں مردگی پیدا کرتا ہے۔ گناہوں کی تعداد بڑھاتا ہے۔ عیبوں پر سے پردہ ہٹاتا ہے (
اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہماری التجا ہے کہ وہ ہم کو ہدایت و تسلی بخش کر اپنے ہدایت و تسلی یافتہ بندوں میں ہمیں بھی شمار فرمائے اور ہم سے الفت و محبت کا رشتہ جوڑ کر اپنے پیارے بندوں کی فہرست میں ہم کو بھی جگہ دے اور اپنی خاص برکت سے نواز کر اپنے بابرکت بندوں میں ہمیں بھی داخل فرمائے۔ اپنے عتابی فیصلوں سے ہمیں بچاتا رکھے کیونکہ اس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں جس سے وہ دشمنی رکھے اس کو عزت نصیب نہیں جس سے وہ دوستی کر لے اس کو ذلت نہیں۔ برکت والا ہے ہمارا پروردگار اور بالا و بلند ہے۔ اسی سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اپنے قصوروں کی توبہ اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا سوال ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ چیدہ اور پسندیدہ بندے پر بہترین درودیں اور سلام بکثرت بھیجے اور نیز آپ کی باحرکت اور اولاد اور باشرف اصحاب پر بھی جو ہدایت و رشد کے علم بردار ہیں۔
سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا ہے عالموں کا اور

ود و سلام ہو ہمارے سردار و آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ی امین پر۔ آمین۔)

الحمد للہ کہ آج بروز چہار شنبہ بوقت سہ پہر تاریخ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۹ء و

جمہ الادب فی الدین للامام الغزالیؒ مع ذیلی تشریحاتی بیانات

پایہ تکمیل تک پہنچا۔

آز قلم سعد حسن یوسفی ٹونکی،

یکم جولائی سنہ ۵۹ء

رکاتب احقر التمکین بندہ مسکین محمد شمس الرحمٰن خاں غفرلہٗ علی گڑھی،

ہماری نئی مطبوعات

ہماری نماز نماز سے متعلق معلومات کا مکمل انسائیکلوپیڈیا مصنف کی عمر بھر کی کاوش کا نچوڑ۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن چند روز میں ختم ہو گیا تھا اب اضافہ شدہ ضخیم ایڈیشن نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے صفحات ۵۴۰ قیمت چھ روپے

دوپہر قیسی رامپوری کا ہلکا پھلکا رومانی ناولٹ۔ قیمت دو روپے ۲۵ پیسے

نغمانہ محمودہ خاتون کا اصلاحی معاشرتی ناول نہایت دلچسپ دلگداز اور دلفریب قیمت چار روپے ۵۰ پیسے

بانو بازار مائل ملیح آبادی کا نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ناول قیمت چار روپے

کتب خانہ دین و دنیا شاہی بازار حیدرآباد

ہماری مطبوعات

172

اسلامی آدابِ اخلاق

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ

کی

معرکتہ الآرا تصنیف "الادب فی الدین" کا اردو ترجمہ

از

مولانا سعد حسن یوسفی

شائع کردہ

کتب خانہ دین و دنیا شاہی بازار حیدرآباد (پاک)